

Capture and PDF by: Qamar Abbas

# اور حصار ٹوٹ گیا



طارق اسماعیل ساگر

# طارق اسماعیل ساگر اور ”حصار ٹوٹ گیا“ کا تعارف

Capture and PDF by: Gamfar Abbas

وطن سے محبت اور اسکی خاطر ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی دینے کی ترغیب دیتی ہوئی کہانیاں ہر قوم اور ملک کے ادب میں ایک خاص مقبولیت رکھتی ہیں۔ پاکستانی ادب اور اردو زبان کا دامن بھی ایسی کہانیوں سے خالی نہیں۔ ماضی میں نسیم حجازی، قمر اجٹالوی، ایم اسلم معروف نام ہیں۔ یہ سب مصنفین اسلام کی درخشاں تاریخ کو اپنا موضوع قلم بناتے رہے ہیں، لیکن موجودہ دور کے مسائل، مشکلات، سازشوں اور حالات پر جس کی کتب سب سے زیادہ مقبول ہیں اسکا نام طارق اسماعیل ساگر ہے۔

طارق اسماعیل ساگر بنیادی طور پر ایک صحافی ہیں اور پاکستان کے کئی ایک اخبار، رسائل اور میگزین سے منسلک رہے ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں جن میں، ناول، افسانے، مضامین، تحقیقاتی رپورٹس، اور دیگر زبانوں کے ادب سے تراجم شامل ہیں۔ ان کی ایک کتاب بھارتی خفیہ ایجنسی RAW پر لکھی گئی اور اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی۔ اب تک اس کتاب کے ۳۰ سے زائد ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ ان کی تمام تحریروں کی خاص بات، پاکستان کے ہمسائے اور روایتی حریف بھارت کی پاکستان اور مسلم دشمن پالیسی اور مذموم سازشیں ہیں۔ انہی ناولوں میں نوجوانوں کو وطن سے محبت کا درس اور دین اور وطن کے لیے کچھ کر گزرنے کا شوق پیدا کرنا ہے۔

انشاء اللہ، ادارہ کتاب گھر اپنے قارئین کیلئے وقتاً فوقتاً انکی تحریریں پیش کرتا رہے گا۔ آپ کے لیے انکا تیسرا ناول **اور حصار ٹوٹ گیا** پیش کیا جا رہا ہے جو افغان مجاہدین کی طویل اور صبر آزماء جدوجہد کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

جہاں افغانستان کے پس منظر میں لکھا گیا ایک شاہکار ناول۔ انجمن ناول

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

# اور حصار ٹوٹ گیا.....

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

مصنف: طارق اسماعیل ساگر

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

☆..... ملنے کا پتہ.....☆

سیونٹھ سکاٹی پبلیکیشنز  
CapTrue 1.1

کتاب گھر کی پیشکش

غزنی سٹریٹ الحمد مارکیٹ 40۔ اردو بازار، لاہور

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

فون 7223584، موبائل 0300-4125230

علم و عرفان پبلشرز

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

34- اردو بازار، لاہور فون 7232336-042-7352332

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

نوٹ:

اس ناول کے جملہ حقوق بحق مصنف (طارق اسماعیل ساگر) اور پبلشرز

(سیونٹھ سکاٹی پبلیکیشنز) محفوظ ہیں۔ ادارہ سیونٹھ سکاٹی پبلیکیشنز نے اردو زبان اور ادب کی ترویج

کیلئے اس کتاب کو [kitaabghar.com](http://kitaabghar.com) پر شائع کرنے کی خصوصی اجازت دی ہے، جس

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

کے لئے ہم انکے بے حد ممنون ہیں۔

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

Capture and PDF by: Qamar Abbas

# فہرست

134	شمشیر خان کی آمد	06	ہنگامی میٹنگ اور.....
138	جال	11	فیضان اونٹلو
148	گرفت	22	نار چر سیل
154	نیا شکاری	32	دوسرا محاذ
161	شاہراہ موت	39	یاسین
171	CapTrue 1.1	58	سرخ آندھی
177	محسن کا ملاپ	79	ضمیر کی آواز
188	سویٹو	90	حیات جاوداں
193	الوداع!	97	گم شدہ اور اق
202	نئی منزلوں کے مسافر	103	مصور اور تصویر
207	گروزی کے چانہ باز	111	شعلہ اور شبنم
213	کس شیر کی آمد ہے!	120	الجہاد
		127	تاریخ نشینی





Capture and PDF by: Qamar Abbas

## عرض مصنف

یہ ناول جس کا مطالعہ آپ کرنے جا رہے ہیں گزشتہ پندرہ سال سے میرے ذہن میں محفوظ تھا۔ پندرہ سال سے میں اس ناول کو صفحہ قرطاس پر لانے کے لئے بے قرار تھا لیکن جب کبھی میں نے عملاً ایسا کرنا چاہا تو قلم نے دل و دماغ کا یا پھر دل و دماغ نے قلم کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟

اس صورت حال کا نفسیاتی پس منظر کیا ہے؟

اس کتاب کا مطالعہ آپ کو اس سوال کا جواب بھی دے دے گا۔

میں نے افغانوں کو صرف پڑھا نہیں، دیکھا بھی ہے، ان کی ایک، جھپٹ کا مشاہدہ اپنی گنہ گار آنکھوں سے کیا ہے۔

مجھے 1980ء کی وہ رات کبھی نہیں بھولتی جب مرحوم صلاح 1.1 CapTrue میں ڈاکٹر احسان اللہ ترین اور ہمارے دو مکتا

ساتھی میرا ن شاہ سے افغانوں کی معیت میں سرحد عبور کر کے خواست میں داخل ہوئے یہاں مجاہدین کا مضبوط ”ٹاور“ مرکز قائم تھا۔

پہاڑوں کے اندر غاروں میں بنے اس مرکز سے خواست کا سارا محاذ ان دنوں مولوی جلال الدین حقانی کنٹرول کر رہے تھے۔ تب مسئلہ افغانستان کے اتنے زیادہ ”ہیمنچین“ پیدا نہیں ہوئے تھے۔ ہماری اطلاعات کے مطابق پاکستان سے مجاہدین کی سرگرمیوں کا عینی مشاہدہ کرنے والے ہم دونوں شاید پہلے پاکستانی صحافی تھے۔

بے سرو سامان، چنے کھا کر اور قبوہ پی کر پیٹ کا جنم سرد کرنے والے افغان مجاہدین کے پاس تب بڑی بڑی لینڈ روور گاڑیاں اور کیو نی کیشن کا جدید ترین نظام نہیں آیا تھا چونکہ ان دنوں امریکہ بہادران پر مہربان نہیں ہو رہا تھا صرف آئی ایس آئی ہی جیسے تیسے معاملات کو چلا رہی تھی۔ وہ قیامت کی رات تھی رومی کمانڈوز چھاتہ بردار سمجھنے اچانک ”ٹاور“ مرکز پر حملہ کر دیا اور اس حملے کا جو حشر ہوا؟ اسے دیکھنے کے بعد ”جہاد اور فساد“ کا فرق بخوبی سمجھ آ جاتا ہے۔ اس کے بعد عرصہ تک مجاہدین کی کاروائیاں نزدیک سے دیکھنے کا موقع ملا۔ لیکن وہ منظر آنکھوں کو پھر دیکھنے کو نہیں ملا۔

اب 20 سال بعد اچانک ایک اور منظر دیکھ رہا ہوں۔

پاکستان کے شمال مغربی سرحدی علاقہ کی ایک افغان بستی ہے یہاں سودیت روس نام کی سپر پاور کو صفحہ ہستی سے مٹا کر دینے والے

جہادین کے دوسرے سرور اور خوراک کی بمقامہ Capture and PDF by Qamar Abbas

یہ منظر آپ سب کو بھی پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا کے ذریعے دیکھنے کو ملا ہوگا۔

اور ہم سب نے اسے ”معمول کی خبر“ جان کر نظر انداز کر دیا ہوگا لیکن کوئی ضمیر نام کی شے اگر ہمارے مردہ دلوں میں زندہ ہے تو ہم سب کو اپنے گریبانوں میں جھانک کر خود سے یہ سوال کرنے چاہئے۔

کیا میں لاکھ سے زیادہ افغانی، پاکستانی، عربی، افریقی، یورپی مسلمان جہاد افغانستان میں اس لئے شہید ہوئے تھے کہ ہمیں ایسی خبریں پڑھنے کو ملیں؟

کیا پاکستان کی رگوں میں ہیر و من کا زہر نہیں بچیل گیا؟

کیا پاکستان کے گلی کوچوں میں کلکاشکوف نے دہشت نہیں پھیلا دی؟

کیا ہمارے شہر، ٹرینیں، بسیں اور ذرائع مواصلات دھماکوں سے نہیں اڑائے گئے؟ محض اس لئے کہ پاکستان جہاد افغانستان کا ”میں“ کیپ“ تھا۔

ہماری دوسری نسل اس ”جرم“ کی قیمت ادا نہیں کر رہی؟

کیا ہمارے کوڑھ مغرانا شور نے کبھی ایمان داری سے سوچا کہ ہم CapTrue 1.1 یوں رہے؟

افغانستان کو آزادی کی صورت میں قحط اور بربادی کیوں نصیب ہوئی؟

یہ ناول شاید ان تمام سوالات کے جوابات تو نہ دے سکے لیکن اس کا مطالعہ آپ کو اس بنیادی گناہ کی نشاندہی ضرور کروادے گا جس کی سزا ہم سب من حیث القوم بھگت رہے ہیں۔

ہائے! منافقت، ریاکاری، انسانوں اور اللہ سے دھوکہ اور جھوٹ جو ہمارے ارباب اختیار کا وطیرہ بن چکا ہے، نے ہمیں کیا سے کیا بنادیا،

کیا سے کیا دکھادیا؟

اور نہ جانے ابھی کتنا کچھ دیکھنے کو باقی ہے۔ کاش میں اس سے آگے کچھ کہہ سکتا؟

یا اللہ! ہم پر رحم کر دے۔

ہمیں معاف کر دے۔

ہمارے گناہوں سے درگزر فرما دے۔ آمین

میری یہ کتاب ادارہ سیونٹھ کائی جلی کیشنز سے شائع ہو رہی ہے جس کے بعد امید ہے کہ آپ کی وہ شکایات جو آپ میری کتابوں کے لئے استعمال ہونے والے کاغذ، جزیدی اور پروف ریڈنگ سے متعلق کیا کرتے ہیں رفع ہو جائے گی۔ جس طرح یہ قاری کی خواہش ہوتی ہے کہ کتاب معنوی ہی نہیں، صوری طور پر بھی خوبصورت دکھائی دے۔ مصنف بھی یہی چاہتا ہے کہ اس کی تخلیق جب پیکر میں ڈھلے تو اتنی ہی خوبصورت

دکھائی دے جیسا کہ اس نے سوچا اور لکھا۔ Capture and PDF by: Qamar Abbas

ہمارے ہاں بد قسمتی سے حکومت کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ قاری اور کتاب کا رشتہ ختم ہو جائے اس کے لئے بہترین ہتھیار کاغذ کی گرانی ہے جسے ہر حکومت نے کھانڈے کی طرح استعمال کیا ہے۔ دنیا کے جاہل ترین معاشروں میں بھی کتاب کے لئے استعمال ہونے والے کاغذ پر حکومتیں رعایت دیتی ہیں ہمارے ہاں اُلٹی گانگا جیسی ہے اور زمانے بھر کے ٹیکس کاغذ پر تصویب کر اُسے اتنا مہنگا اور نایاب کر دیا جاتا ہے کہ خدا کی پناہ۔ ان حالات میں جو پبلشرز کتاب خوبصورت انداز میں آپ تک پہنچاتے ہیں بلاشبہ وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ سیونٹھ سکاٹی پبلی کیشنز بھی ان میں شامل ہے میری تمام پرانی کتابیں اسی ادارے سے ملیں گی اور جلد ہی انشاء اللہ نئی کتابیں بھی۔

آپ سے درخواست ہے کہ میری کتابیں طلب کرتے ہوئے ادارہ سیونٹھ سکاٹی پبلی کیشنز کا نام ضرور درج کیا کریں تاکہ آپ تک معیاری کتاب پہنچے۔

طارق اسلمیل ساگر

مارچ 2001ء لاہور

CapTrue 1.1

## کتاب گھر کا پیغام

ادارہ کتاب گھر اردو زبان کی ترقی و ترویج، اردو مصنفین کی موثر پہچان، اور اردو قارئین کے لیے بہترین اور دلچسپ کتب فراہم کرنے کے لیے کام کر رہا ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں تو اس میں حصہ لیجئے۔ ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ کتاب گھر کو مدد دینے کے لیے آپ:

- ۱۔ <http://kitaabghar.com> کا نام اپنے دوست احباب تک پہنچائیے۔
- ۲۔ اگر آپ کے پاس کسی اچھے ناول/کتاب کی کمپوزنگ (ان پیج فائل) موجود ہے تو اسے دوسروں سے شیئر کرنے کے لیے کتاب گھر کو بھیجئے۔
- ۳۔ کتاب گھر پر لگائے گئے اشتہارات کے ذریعے ہمارے پائرسز کو وزٹ کریں۔ ایک دن میں آپ کی صرف ایک وزٹ ہماری مدد کے لیے کافی ہے۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

## ہنگامی میٹنگ اور.....

اول ہاؤس میں سٹیفیڈ فرنز کی طلبی کچھ ایسی غیر معمولی بات بھی نہیں تھی لیکن اس روز وہ اچانک رات آٹھ بجے اپنی طلبی پر حیران رہ گیا۔ کیونکہ صدر سے وہ تین گھنٹے پہلے ایک طویل ملاقات کے بعد رخصت ہوا تھا صدر کا رز کی عادت تھی کہ وہ ایک نشست میں طے شدہ ایجنڈا مکمل کرنے کے بعد کوئی تعیناتی باقی نہیں چھوڑتے تھے۔

”کیا چتا آن پڑی ہے ایسی؟“

اس نے اپنے آپ سے سوال کیا پھر خود ہی اس مسئلے پر سرکھپائی سے الگ رہنا زیادہ مناسب سمجھا۔ ایڈمرل فرنز آئی اسے کا چیف نہیں چاہتا تھا کہ اپنے دماغ کو صدر سے ہنگامی ملاقات سے پہلے ہی مصروف کر لے وہ اپنی توانائیاں آنے والی ملاقات کے لیے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ وائٹ ہاؤس میں داخلے پر اس کا استقبال جس شخصیت نے کیا اس سے صورت حال کچھ زیادہ ہی گھمبیر دکھائی دینے لگی۔

## CapTrue 1.1

”کیسے ہوا ایڈمرل؟“

نیشنل سیکورٹی کے چیئر مین نے اسے مخاطب کیا۔

”شانداز..... اور آپ“

فرنز نے خود کو نارمل کرتے ہوئے کہا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں اکٹھے خصوصی میٹنگ ہال میں داخل ہو رہے تھے۔ یہاں دوسری بہت سی حیرتیں اس کی منتظر تھیں۔ چٹا گان نیشنل سیکورٹی ایجنسی ڈیفنس انٹیلی جنس ایجنسی (ڈی ڈی آئی) نیشنل فارن انٹیلی جنس بورڈ (این ایف آئی بی) کے سربراہان اور وہ تمام قابل ذکر ہستیاں سیکورٹی آف سٹیت سمیت وہاں موجود تھیں جنہیں عموماً جنگی خطرے کے پیش نظر یہاں طلب کیا جاسکتا تھا۔

ایڈمرل فرنز کا ہاتھ کا اس نے دراصل آج صبح موصول ہونے والی ایم آئی۔6 (برطانوی انٹیلی جنس ایجنسی) کی تفصیلی رپورٹ کا سرسری جائزہ لیا تھا کیونکہ صبح ناشتے کے فوراً بعد جیسے ہی اسے یہ رپورٹ موصول ہوئی اور فرنز نے اسے دیکھنا شروع کیا تو امریکن میرین کا خصوصی وفد ملاقات کے لئے آ گیا جسے فرنز نے بریلنگ دینی تھی۔ جس کے بعد اس نے چٹا گان کی ایک ٹیم سے مذاکرات کیے اور لچے بغیر ہی صدر سے ملاقات کرنے چلا گیا کیونکہ آج چار بجے پہلے اس کی صدر سے ملاقات پہلے سے طے تھی۔ صدر کے ساتھ دو گھنٹے کی طویل ملاقات اور بہت سے معاملات کا جائزہ لینے کے بعد وہ دوبارہ آفس پہنچا تو ایجنسی کی ایک اہم میٹنگ اس کی منتظر تھی جہاں اسے شام کے سات بج گئے اور ابھی وہ اپنی میز پر کافی کی چمکیاں لیتا صبح ملنے والی اہم برطانوی انٹیلی جنس ایجنسی (ایم۔آئی۔6) کی رپورٹ کا مطالعہ کر رہا تھا جب اچانک صدر کی طرف سے بلاوا آ گیا۔

وہ تو خیریت گزری کہ اس نے Capture and PDF by Qamar Abbas کے لئے تھے ورنہ شاید یہاں شرمندگی کا سامنا کرنا ہوتا۔

سب لوگ ایک دوسرے سے ہاتھ مار رہے تھے جب صدر کی آمد ہوئی اور وہ احتراماً اٹھ کھڑے ہو گئے۔

”نیں جنٹلمین“

امریکی صدر جمی کارٹر نے ان کی طرف دیکھ کر کہا۔

اس کے ساتھ ہی سیکرٹری آف سٹیٹ نے اس اچانک میٹنگ کا ایجنڈا بیان کرنا شروع کیا تو ان لوگوں کے علم میں آیا کہ اس اچانک طلبی کا محرک برطانوی انٹیلی جنس ایجنسی (ایم آئی - 6) کی وہ خصوصی رپورٹ تھی جو ان کے ”کے جی بی“ (روی انٹیلی جنس) میں موجود ایک انتہائی اہم اور معتبر ذرائع نے انہیں پہنچائی تھی۔

اس رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ اگلے دو ماہ میں کسی بھی وقت روسی افواج افغانستان میں داخل ہو جائیں گی۔ امریکی صدر کے لیے یہ بات اتنی پریشان کن تھی کہ اسے فوراً سیکورٹی کونسل کا اجلاس طلب کرنا پڑا۔

”مائی فرینڈز“..... امریکی صدر نے وزیر خارجہ کی بریفنگ کے خاتمے پر کہنا شروع کیا۔

کیوبا، انگولا، یمن، انگو لا اور انتھوپیا میں روسی مداخلت کے CapTrue 1.1، ہو جاتی ہے۔“

اپنی گفتگو کا رد عمل جاننے کے لیے صدر جمی کارٹر نے گہری آنکھوں سے بار بار حاضرین کے چہروں کا جائزہ لیا اور انہیں اندازہ ہو گیا کہ اس کی پریشانی کو بہت شدت سے اس کے ساتھی بھی محسوس کر رہے ہیں۔

ایڈمرل سٹیلڈ ٹرنر نے 1977ء میں جب سی آئی اے کی کمانڈ سنہجالی تو بلاشبہ بہت سے چیلنج اس کے منتظر تھے۔ اس سے پہلے امریکی کانگریس اور سینٹ دونوں کی لگی بندھی رائے تھی کہ امریکن سی آئی اے COVERT OPRATION (خفیہ آپریشن) کر کے دوسرے ملکوں میں مداخلت کرنا قطعاً زب نہیں دیتا اور اس سے امریکہ کے ہاتھ سوائے بدنامی کے اور کچھ نہیں آنے والا.....

ستمبر اور نومبر 77ء میں پہلے کانگریس میں جگورے آن اور پھر سینیٹر ڈک کلاک فارن ریلیشنز سب کمیٹی آف افریقہ دونوں نے یہی سفارشات امریکی ایوان کو پیش کی تھیں اور صورت حال یہ تھی کہ 78ء کے آغاز میں کیوبا میں تربیت پانے والے ”کرائے کے سپاہیوں“ نے جو ”انگولا“ پر چڑھائی کر چکے تھے اب زائرے میں گھس بیٹھ شروع کر دی تھی جبکہ کیوبا میں روسی تربیت یافتہ گوریلا انتھوپیا کی مارکس حکومت کی مدد کرتے ہوئے صومالیہ میں قتل و غارتگری کا بازار گرم کر رہے تھے۔ 79ء کے آغاز ہی سے ”کے جی بی“ کی پشت پناہی سے جنوبی یمن کی مارکس سرکار نے شمالی یمن پر چڑھائی کر دی تھی۔

اور.....

اب مستند اطلاعات کے مطابق روس کے اسی ہزار فوجی افغانستان میں مداخلت کے لیے پرتول رہے تھے۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

ٹرنز پر دباؤ بڑھ رہا تھا۔

یہاں موجود امریکہ کی تمام ذمہ داریاں ٹرنز کی طرح اس طرف دیکھ رہی تھیں جیسے وہ ہی اس صورتحال کا ذمہ دار ہے..... اور ایڈمرل ٹرنز کے دونوں ہاتھ امریکی کانگریس اور سینٹر نے ہاتھ رکھے تھے۔

رات دیر گئے تک وہ کم از کم صدر کو پاکستان کے لیے فوراً چار سو ملین ڈالر کی امداد جاری کروانے پر رضامند ہو چکا تھا اور اب گھر کے بجائے لیننگ کی طرف واپس جا رہا تھا۔ جہاں اس نے ڈپٹی ڈائریکٹر آپریشن (ڈی ڈی او) میک میہان کو پہلے سے شیڈ بائی کروا دیا تھا۔ رات ایک پہر بیت چکی تھی۔

سی آئی اے کا ڈائریکٹر ایڈمرل سٹیفیلڈ ٹرنز اپنے ڈپٹی ڈائریکٹر آپریشن سے پاکستان میں موجود افغان قبائل کے تربیتی کیمپوں کی تازہ ترین صورتحال دریافت کر رہا تھا۔ آئر لینڈ نژاد ایک میہان MCMEHAN کے متعلق اس بات کا علم ابجینی کے ہر ذمہ دار کو تھا کہ وہ افغان گوریلوں کے لیے انتہائی سافٹ کا SOFT CORNAR رکھتا ہے اور ابجینی میں اسے Father of the Afghan Optation کہا جاتا تھا۔

میک میہان کو اس بات کی کم از کم خوشی ضرور ہوئی تھی کہ (ایم آئی-6) برطانوی انٹیلی جنس کی رپورٹ کو اتنا سیریس لیا جا رہا ہے۔ وہ گزشتہ 30 سال سے ابجینی کے لیے خدمات انجام دے رہا تھا اور اس 'CapTrue 1.1' کی بھی روں کو اس کی جارحیت کا مزہ چکھانے کا موقعہ میسر آیا تو وہ صرف افغانستان کے ذریعے ہی آئے گا۔

1966ء کے اواخر میں جب پاکستانی وزیر اعظم مشرف بھٹو نے اپنے دست راست اور افغان امور کے ماہر سمجھے جنرل نصیر اللہ باہر کے ذریعے افغان گوریلز رگھدین حکمت یار سے روابط بڑھائے اور افغانستان کے طرف سے ہونے والی جارحیت کو روکنے اور اسے سبق سکھانے کے لئے حکمت یار کے ذریعے افغانستان میں قبائلی شورش کا آغاز کروایا تو سی آئی اے میں اس کا سب سے بڑا حمایتی میک میہان ہی تھا کیونکہ اس کی دور بین اور دور رس نگاہوں نے مستقبل کا منظر ابھی سے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

جنرل نصیر اللہ باہر نے جب امریکین کو صورتحال کی گتھیں کا احساس دلانا شروع کیا تو میک میہان ہی اس کا سب سے بڑا حمایتی تھا..... آدھی سے زیادہ رات بیت چکی تھی، جب ٹرنز اور اس کا ماتحت اس فیصلے پر پہنچے کہ اب روں کو سبق سکھانے کا وقت آ گیا ہے۔ انہوں نے دنیا کے حساس ترین خطے میں جارحانہ مداخلت کا اصولی فیصلہ کر لیا تھا۔

ان تلخ حقائق کے باوجود گزشتہ چار سو دنوں سے تہران کے امریکی قونصلیت میں امریکن سفارت کار قید ہیں..... ایران میں آیت اللہ خمینی کے انقلابی نظریات نے ”مرگ بر امریکہ“ کو تحریک کی شکل دے دی ہے اور لیبیا میں کرنل قذافی کی شکل میں دوسرا فیڈرل کا شروان پر حملے کے لیے کمر کر رہا ہے۔

بین الاقوامی منظر نامہ تیزی سے تبدیل ہو رہا تھا۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

اور..... اس بدلتے منظر نامہ میں سی آئی اے نے اپنا تاریخی کردار ادا کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

http://kitaabghar.com ☆☆ http://kitaabghar.com

تیسرے روز ایک خصوصی مشن پر میک میہان کا گھر میں اپنے سب سے بڑے حمایتی ڈیموکریٹ چارلسن ولسن کیساتھ اسلام آباد کی طرف اڑا چلا جا رہا تھا.....

ریاست ٹیکساس سے امریکی کانگریس میں چارلسن ولسن افغان مسئلے پر اس کی طرح ایک مضبوط موقف رکھتا تھا اور اسے اپنی بات منوانے کا فن بھی آتا تھا۔ لمبا ترنگ چارلسن ولسن اپنے قد کاٹھ کی طرح ارادوں کا بھی بہت مضبوط تھا۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

دونوں عام قلائد سے اسلام آباد پہنچے تھے۔

دونوں کو آئی ایس آئی کی خصوصی شخصیات نے امریکن سفارتخانے کے افسران کی معیت میں خوش آمدید کہا تھا۔

طویل اور تھکا دینے والے سفر کے باوجود دونوں تروتازہ تھے حالانکہ وہ براستہ مصر اور جدہ اسلام آباد پہنچے تھے جہاں کے سیکورٹی حکام سے دونوں نے طویل مذاکرات کئے تھے۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

## CapTrue 1.1

”ہم مجاہدین کے تربیتی کیمپ کا دورہ کریں گے“

اس روز ڈنر پر جب اپنے میزبان پاکستانی بریگیڈر سے چارلسن ولسن نے یہ بات کہی تو وہ چونک گیا۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

”اوہ کئے“.....

سنجیدہ اور حالات کی نگہنی کا ادراک رکھنے والے بریگیڈر نے اثبات میں سر ہلایا حالانکہ ابھی تک اس نے یہ اطلاع اپنے ڈی جی کو نہیں پہنچائی تھی لیکن وہ جانتا تھا اس کا ڈی جی اس فیصلے سے خوش ہوگا۔

http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

☆☆

دوسرے روز علی الصبح ایک ذیلی کاپٹر میران شاہ سے کچھ فاصلے پر ایک آرمی بیس پر اتر رہا تھا جس سے قبائلی لباس پہنے میک میہان اور چارلسن ولسن بریگیڈر کی معیت میں برآمد ہوئے۔ یہاں ایک لکھ ضائع کئے بغیر دونوں امریکیوں نے نزدیک کھڑی ہجیر و جیپ کی طرف قدم بڑھا دیئے۔

مقامی فورس کمانڈر رحمت سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے مہمانوں کے لیے اپنی روایات کے مطابق کھانے کا خصوصی اہتمام کیا تھا لیکن مہمان بہت جلدی میں دکھائی دیتے تھے۔

اگلے دینہ گھنٹہ کے بعد وہ میران شاہ انجینی میں پہنچ چکے تھے جہاں سے تین افغان گوریلوں کی معیت میں تینوں مہمان افغانستان کے سرحدی علاقے میں موجود اس خفیہ تربیتی مرکز کی طرف جا رہے تھے جہاں گزشتہ تین سال سے جیسے تیسے حالات میں مجاہدین کو آمد و روئی جارحیت



Capture and PDF by: Qamar Abbas

کے خلاف منظم کیا جا رہا تھا.....

سارا دن اور رات دنوں امریکی مہمانوں نے مجاہدین کے درمیان گزارے۔ ان کی کارکردگی اور بلند حوصلگی کا بھرپور اور تنقیدی جائزہ لیا اور بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ جس طرح روس نے دیت نامہ کو 58 ہزار امریکی فوجیوں کا مرگٹ بنایا تھا بالکل اسی طرف وہ افغانستان کو بھی ان کھساروں کی طرح مضبوط، بے رحم، جفاکش اور کوملہ افغانوں کی مدد سے روس کا قبرستان بنادیں گے۔

”مسٹر ولن یہ تاریخی ساعت ہے۔ آپ کا فیصلہ آنے والی نسلوں پر گہرے اثرات مرتب کرے گا۔“

واپس لوٹتے ہوئے ڈپٹی ڈائریکٹر آفریشن سی آئی اے میک میہان نے امریکی کانگریس مین چارلس ولن سے کہا۔

”میں اپنی ذمہ داری کو بخوبی سمجھتا ہوں میک“

لن نے پتھر لے پھاڑوں پر نظریں جماتے ہوئے جواب دیا۔



## CapTrue 1.1 سی ٹاپ

**سی ٹاپ،** مظہر کلیم کی عمران سیریز کا ایک ناول ہے جس میں پاکیشیا کا ایک انتہائی اہم سائنسی فارمولا یورپ کی مجرم تنظیم کے ہاتھ لگ گیا ہے جسے خریدنے کے لئے ایکریمیا اور اسرائیل سمیت تقریباً تمام سپر پاورز نے اس مجرم تنظیم سے مذاکرات شروع کر دیئے۔ گو یہ مجرم تنظیم عام بد معاشوں اور غنڈوں پر مشتمل تھی لیکن اس کے باوجود تمام سپر پاورز اس تنظیم سے فارمولا حاصل کرنے کے لئے اسے بھاری رقم دینے پر آمادہ تھیں حتیٰ کہ عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروں کو بھی اس فارمولے کے حصول کے لئے اس تنظیم سے بار بار سودے بازی کرنا پڑی اور بھاری رقم دینے کے باوجود فارمولا حاصل کرنے میں ناکام رہی۔ اس کے باوجود وہ اس مزید رقومات دینے پر مجبور ہو جاتی تھی۔ ایسا کیوں ہوا۔ کیا عمران اور پاکیشیا سیکرٹ سروں ایک عام سی مجرم تنظیم کے مقابل بے بس ہو گئے تھے؟ ہر لحاظ سے ایک منفرد کہانی، جس میں جوش آنے والے حیرت انگیز واقعات کے ساتھ ساتھ تیز رفتار ایکشن اور بے پناہ سسپنس نے اسے مزید منفرد اور ممتاز بنا دیا ہے۔

**سی ٹاپ** کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

<http://kitaabghar.com>
<http://kitaabghar.com>



Capture and PDF by: Qamar Abbas

## فیضانِ اوغلو

افغان انٹیلی جنس سروس..... ”خاد“ کے ہیڈ کوارٹر پر ہمیشہ کی طرح بے رحم سکوت طاری تھا! اپنی اور خستہ حالت عمارت کے دورود یوار پر چلتی فحشست اس عمارت کے کیمینوں کے چہروں پر اس طرح پھیل گئی تھی کہ وہ عمارت ہی کا حصہ نظر آنے لگے تھے..... بیرونی پتھر بلی فیصل کے اندر بنے مختلف بلاکوں کے قطار اندر قطار کمروں میں کرخت چہروں والے افغانی ”ضابطہ“ (افسر) اور روسی مشاہدروں کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ چلنے وقت ان کے قدموں کی چاپ بھی دوسرے کو سنائی نہ دے۔

کبھی کبھی کسی بلاک کے کسی کمرے سے جب اچانک زیر تنقیش ملازم کی چیخ سنائی دیتی تو محسوس ہونے لگتا: جیسے یہ عمارت انسانوں کے بجائے بھوت پریت کا مسکن ہے۔ عموماً ایک بلاک سے اٹھنے والی چیخ کا گلا وچن گھٹ کر رہ جاتا کیونکہ دوسرے بلاک تک درمیان میں اچھا خاصہ فاصلہ رکھا گیا تھا۔

یہ چھپیں اور آج ہیں یہاں کے کیمینوں کے لیے روزانہ کا معمول:..... بچے، تھم، خصلہ، آف، آئے دوست“ (دوست افغان) کی آمد کے بعد سے تو اب کوئی ان پر دھیان ہی نہیں دیتا تھا۔

رات کو جب شہر کرفو کی زد میں آ کر سائیں سائیں کرنے لگتا تو اس عمارت میں ایک نیا شہر بننے لگتا۔ مہمانوں کی آمد و رفت کا تانتا بندھ جاتا! غروب آفتاب کے تھوڑی دیر بعد ہی اس عمارت کے پیٹ سے مختلف جھپیں برآمد ہوتیں جن میں افغان عساکر (سپاہی) اور ان کی کمانڈ کے اکاڈکائیکون (میجر) موجود ہوتے!! جھپوں اور کارروں کی روانگی تو بڑی پر اسرار ہوتی تھی لیکن ان کی واپسی اپنے ہمراہ ایک آدھ ہنگامہ ضرور لائے ہوتی۔

جب کبھی ایسی کوئی گاڑی اپنے مشن سے لوٹتی اس کے سواروں میں ایک آدھ جھنڈی سے بندھا نیم بے ہوش افغان ضرور موجود ہوتا۔ رات کے دوسرے پہر جب کابل کی سڑکیں کرفو کی وجہ سے کھانے کو دوڑتیں تو چاروں اطراف سے بندر بوی گاڑ..... جھپیں بڑی تیز رفتاری سے برآمد ہونا شروع ہو جاتیں ان کا رخ عموماً دریائے کابل کی طرف ہوتا..... دریا کے کسی محفوظ کنارے پر جہاں عموماً روسی افواج مورچے سنبھالے موجود ہوتیں! ان جھپوں سے بڑی پھرتی سے روسی اور افغان سپاہی ان مردوں کو ٹھکانا شروع کرتے، جو تنقیش کی تاب نہ لا کر ”خاد“ کے کسی نہ کسی بلاک میں چھپنے چلائے مر جاتے تھے۔ ان کی لاشیں دریائے شوریدہ سرلہروں کے سپرد کر دی جاتیں جنہیں جھاگ اڑاتی موجیں لٹھوں میں نظروں سے اوجھل کر دیتیں۔

دن کے اوقات میں عموماً یہاں موجود افسران اور ملازمین زیادہ تر اونگھتے رہتے یا پھر مختلف فائلیں سامنے رکھے ان مغز ماری میں مصروف

Capture and PDF by: Qamar Abbas

رہتے۔

لیکن ان میں ایک گروپ ایسا بھی تھا جن کا کام دن رات جاری رہتا: وہ لوگ حال ہی میں درآمد و آلات تقشیش سے جوان کے لئے ”قوائے دوست“ اپنے ہمراہ روئوں سے لے کر آئے تھے، ان پاپہ زنجیر افغانیوں پر مشق ستم ڈھانے میں مصروف رہتے جو زیر حراست یہاں موجود تھے۔

پچھلے دو تین ماہ سے یہاں بڑے نامحسوس طریقے سے ایک اور تہذیبی عمل میں لائی گئی تھی: افغانی افسران کی ایک بڑی تعداد کو یکے بعد دیگرے دوسرے مقامات پر تہذیبی کر دیا گیا تھا اور ان کی جگہ روی ”مشاوروں“ نے لے لی تھی!.....  
مگر اس خدشے کے پیش نظر کہ کہیں افغان افسران اس مداخلت بیجا پر سخت پانہ ہو جائیں، اعلیٰ حکام نے اہم ترین عہدوں پر انہیں ہی متمکن رہنے دیا تھا۔ یہ الگ بات کہ عملی اختیارات ان کے نہ ہونے کے برابر تھے۔ خصوصاً کرمل شلوفوف کے سامنے تو ان کی حیثیت رائی کے برابر بھی نہیں تھی۔

☆☆

لہذا ننگ سرخ و سپید چہرے اور سنبھلے سر کا مالک کرمل شلوفوف اتنی روانی سے فارسی اور پشتو جانتا ہوتا تھا کہ ”خاد“ کے قریباً سب ہی افسران دنگ رہ جاتے۔ وہ پٹھانوں کی طرح گہڑی باندھے، شلوار اور لمبی گھیرے CapTrue 1.1 بل کی سرکوں پر مرز گشت کرنے لگتا تو کوئی بھی اسے پہچان نہیں سکتا تھا کہ کرمل شلوفوف روی ہے یا افغانی!  
پہلے پہل جب اس نے ہنستے ہوئے اپنا تعارف ”خاد“ کے اعلیٰ افسران کو کروایا تو وہ اسے روی ماننے کو تیار ہی نہ ہوئے۔ بات تھی بھی ایسی ہی۔ کسی نے اسے آج تک روی زبان بولتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ وہ عموماً ایک دلفریب مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر چپکائے رکھتا تھا، لیکن کبھی کبھی اچانک جب یہ مسکراہٹ غائب ہو جاتی تو اس کے چہرے کے حسن کو بالکل دوسرا روپ عطا کر دیتی۔

اب وہ خوبصورت اور قد آور نوجوان کے بجائے ڈھللی عمر کا ایک خونخوار بھیل یا نظر آنے لگتا۔ اس کے دانتوں کی اوپری پچکدار قطار سے خونخواری نکلنے لگتی۔ گالوں کی ہڈیاں سختی سے سمجھ جانے کی وجہ سے اتنی نمایاں ہو جاتیں کہ ان کا خون خچر اس کی آنکھوں میں پناہ لے لیتا۔  
بظاہر تو کرمل شلوفوف ”خاد“ کے ڈائریکٹر آپریشن اسفندیار کے ماتحت تھا، لیکن اسفندیار اب خود اس سے خوفزدہ رہنے لگا تھا۔ کیونکہ اس نے شلوفوف کی رپورٹوں پر اپنے تین چار ماتحتوں کے خلاف کارروائی کے بعد ان کے حشر سے خاصی عبرت حاصل کر لی تھی۔  
یوں تو اس عمارت کے ہر بلاک کا انچارج ایک افغان جگن (میجر) ہوا کرتا تھا، جو ڈیپوٹیشن پر یہاں آتا اور اپنی مدت گزارنے کے بعد واپس چلا جاتا۔ ”خاد“ کے تحت انجام پانے والے مختلف آپریشنز انہی انچارج کی زیرِ نگرانی میں ترتیب و تکمیل کے مراحل سے گزرتے۔  
لیکن ”قوائے دوست“ کی آمد کے بعد اب حالات بدل گئے تھے۔

اب تمام آپریشن ڈائریکٹر آپریشن کرمل شلوفوف کی نگرانی میں ترتیب و تکمیل پاتے۔ پہلے پہل تو افغان افسران نے اپنی پٹھانی فطرت

کے تحت اس بات پر غصہ بھڑکا کر کیا **Capture and PDF by Qamar Abbas**۔ وہ اچانک ہنستے ہنستے یکدم آدمی سے ڈر نکولا کاروپ دھار لیتا اور اپنے سامنے کھڑے افسر پر پل پڑتا۔ اول تو اس کے اس اچانک اقدام سے کسی کو مدافعت کی ہمت ہی نہ ہوتی اور اگر کوئی غصے یا بے عزتی کے احساس کی تاب نہ لا کر جوابی کارروائی کرتا تو عموماً کوئی گہری چوٹ کھا کر گر پڑتا۔ پھر یوں ہوتا کہ شلوخوف کے ہال نما کمرے کے باہر کھڑے باوردی ”خضاب“ جب گھنٹی کی آواز پر اندر داخل ہوتے تو وہ ہنستے ہنستے موقع محل کی مناسبت سے فارسی یا پشتو میں اس بے ہوش افسر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سے کہتا۔

”ان کی طبیعت ذرا خراب ہے اسے باہر کھلی ہوا میں لے جاؤ!“

”خضاب“ بڑے منسوب غلاموں کی طرح اس افسر کو ہاتھوں پیروں سے پکڑے اور ڈنڈاؤں کی کرتے باہر لے جاتے۔

خدا جانے کرل شلوخوف کے پاس کیا پر اسرار طاقت تھی کہ پلک جھپکنے میں وہ بڑے بڑے شہ زوروں کو زمین چاٹنے پر مجبور کر دیتا۔ اس ”راز“ کا علم ”خاد“ کے دفتر میں اگر کسی کو تھا تو ڈائریکٹر اسفندیار کو۔

☆☆

وہ جانتا تھا کہ یہاں آنے سے پہلے کرل شلوخوف ماسکو میں کے۔ جی۔ بی کے ہیڈ کوارٹر میں مارشل آرٹس کا سب سے بڑا انسٹرکٹر تھا۔ دو تین ماہ بعد اس کی ٹریننگ کے ہاتھوں کسی نہ کسی زیر تربیت ایجنٹ کی **CapTrue 1.1** واقعات سننے کو ملتے رہتے تھے۔ اسے یوکرائن کے اکثر علاقوں میں مقامی شہر پسندوں کا دماغ ٹھیک کرنے کے فرائض سونپے جاتے تھے اور شلوخوف کا نام ہی یوکرائن کے آزادی پسندوں کے لیے خوف کی علامت بن چکا تھا۔

اس روز بھی ایسا ہی کوئی واقعہ ہو گیا تھا۔

”جونیر ضابطوں“ کو کیا علم کہ اندر خانے معاملہ کیا ہے۔ وہ بے چارے تو سب سے سکرے اپنے اپنے کمروں میں بیٹھے تھے کیونکہ دو پہر کے بعد ہی انہیں کرل کا موڈ آف ہونے کی اطلاع مل چکی تھی۔ ہر کوئی اس کے سامنے جانے سے کتر رہا تھا۔ خصوصاً ہر بلاک کے آپریشن انچارج کی جان پر بنی تھی۔

جگن ارخان کو جب انٹرکام پر کرل کے سامنے پیش ہونے کا حکم ملا تو اپنے ہاتھوں پیروں سے جان نکلتی محسوس ہونے لگی۔ اسے یوں لگا جیسے لکڑی کی کرسی جس پر وہ بیٹھا تھا، میں اچانک متناہی لہر دوڑنے لگی ہے جس نے اس کے بند بند کو جکڑ لیا ہو۔ بڑی ہمت کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے پیچھے کارٹس پر رکھے شیشے میں اس نے اپنے چہرے کی اڑتی رنگت کا نظارہ کیا، خوف کو سنبھالا دینے کے لیے وہیں ایک کونے میں رکھے جگ سے ایک گھاس میں پانی اٹھ لیا۔ پانی کے دو گھونٹوں نے ہی اس کی رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کو بھی ٹھنڈ کر دیا تھا لیکن بجانے کیوں آدھا گھاس حلق میں اٹھ بیٹھنے کے بعد اسے اپنے حواس بجا ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔

جگن ارخان نے ٹوپی اپنے سر پر سلیتے سے بھائی، ہولسٹر میں رکھے ریوالور کو چھتپایا اور اپنے تیلے قدموں سے اپنے کمرے سے باہر نکل

آیا۔ آہستہ آہستہ اس کی خود اعتمادی لوٹ رہی تھی۔ بابا کوئی بڑا بڑا Capture and PDF by Qamar Abbas کے لیے شلوخوف کے ہال نما کمرے تک پہنچا تو خود کو خاصا پرسکون محسوس کر رہا تھا۔

دروازے کے باہر موجود دونوں محافظوں کی ”درخواست“ پر اس نے ہولسٹر سے پستول نکال کر ان کے حوالے کر دیا اور خود ڈرتا ڈرتا اندر داخل ہوا۔ جہاں کمرے کی پچھلی دیوار پر لٹکتے ایک بڑے نقشے کے نیچے جس پر کابل شہر کی ایک ایک تفصیل نمایاں تھی۔ کرنل شلوخوف مسکراہٹ ہونٹوں سے چپکے اس کا منتظر تھا۔

ارخان نے دونوں ایڑیاں بجا کر کرنل کرملیوٹ کیا۔

”خوش آمدید مجبر ارخان.....“ کرنل کی مسکراہٹ دیکھ کر اسے کچھ حوصلہ ہوا۔

شلوخوف نے اسے سامنے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود اپنی لمبی سی میز کے ایک کونے پر قریباً جھک کر اسی کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس سے کہا:

”مجبر ارخان میرے خیال میں فیضانِ اوغلو کسی جن بھوت کا نہیں انسان کا نام ہے اور وہ اسی ملک میں بلکہ اسی شہر میں موجود ہے۔“

”جناب والا! ہم سرگرمی سے اسے تلاش کر رہے ہیں۔ ہمارے آدمیوں نے شہر کے چپے چپے پر نظر رکھی ہوئی ہے۔ کابل سے باہر جانے

والے تمام راستے ہمارے نظر میں ہیں۔“ ارخان نے بڑے اعتماد لہجے میں CapTrue 1.1

”ارخان تم لوگ کب سے اسے ڈھونڈ رہے ہو؟“ کرنل شلوخوف نے بڑے تسخّر سے اس کی طرف دیکھا۔ ایک بے رحم سے مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر بدستور کھیل رہی تھی۔

”جناب!“ ارخان نے تھوک لٹکا: ”پرسوں صبح سے، جب آپ کا حکم موصول ہوا۔“

اس کا جواب سننے ہی کرنل شلوخوف تن کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں سے چٹکی مسکراہٹ غائب ہو گئی اور وہاں وہ کرتلی اور درشتی نظر آنے لگی جس کے تصویری سے ”خاد“ کے افسران سہرے جتے تھے۔

”ارخان“ اس نے غصے سے چٹکھاڑتے ہوئے کہا۔ ”تم لوگ پرسوں صبح سے جھک مار رہے ہو۔ جانتے ہو وہ کہاں ہے؟“

”نہیں جناب.....“ بے ساختہ اور گھبراہٹ میں اس کے منہ سے لٹکا۔

”گدھے“ کرنل شلوخوف نے میز پر رکھی چھوٹی سی چھڑی اٹھا کر اس سے میز کا ایک کونا پیچا، پھر اپنی جگہ سے ہٹ کر اس نقشے تک پہنچ گیا جو اسکی پشت پر نظر آ رہا تھا۔

”ادھر آؤ.....“ اس نے قریباً پھاڑ کمانے والے لہجے میں جگلوں ارخان کی طرف گھورتے ہوئے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

ارخان کو کرسی سے اٹھ کر اس تک جاتے ہوئے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی روح کسی نے آہستہ آہستہ قبض کر لی ہو، تاہم کسی نہ کسی طرح وہ کرنل سے دو تین قدم کے فاصلے پر پہنچ کر رک گیا۔ کرنل نے اپنی چھڑی کی نوک نقشے میں ایک جگہ جمائی اور چپختے ہوئے بولا:

”یہاں..... اسے ایک گھنٹے کے Capture and PDF by Qamar Abbas کی طرف گھوما۔  
”ناؤ گیٹ آؤٹ۔“

http://kitaabghar.com ☆☆ http://kitaabghar.com

ارخان جب پوچھل قدموں سے کمرے سے باہر آ رہا تھا تو بے عزتی کے احساس اور غصے کے مارے اس کا خون کھول رہا تھا۔ اس کا جی  
بہی چاہتا تھا کہ باہر کھڑے ”ضابطہ“ پیسے ہی اس کا ہولسرو لٹائیں۔ وہ پستول نکال کر اندر داخل ہوا اور سارا پستول اس بھڑپے کرل پر خالی کر دے،  
لیکن..... وہ بھی دیگر افسران کی طرف ایسی باتیں صرف سوچ ہی سکتا تھا۔ ان پر عمل کرنا اس کے بس میں نہ تھا۔  
پلازا ہوٹل کا شمار کابل کے امیر ترین ہوٹلوں میں ہوتا تھا۔ اس ہوٹل کو ”جنگ گھر“ بھی کہا جا سکتا تھا۔  
یہاں آنے والے دن کوئی نہ کوئی شادی کی تقریب منعقد ہوتی رہتی تھی اور ہوٹل پلازا ایسی تقاریب کے انتظام و انصرام کے لئے مشہور تھا۔ روسی  
افواج کی آمد کے بعد سے شہر میں ایسے بے نام سا خوف و ہراس تو پھیل گیا تھا، لیکن اس ہوٹل کے درو دیوار اس سے خاصے محفوظ تھے۔  
فرق صرف اتنا ہوتا تھا کہ اب رات گیارہ بجے سے پہلے پہلے ایسی تقاریب اپنے انجام کو پہنچ جاتی تھیں۔ کیونکہ گیارہ بجے رات کے بعد  
سے صبح پانچ بجے تک کرفیو لگ رہتا تھا۔

یوں بھی رات گیارہ بجے کے بعد سارے شہر میں دھماکے ہو۔ CapTrue 1.1 مانہ کسی کو نے سے گولیاں چلنے کی آوازیں آتی  
رہی تھیں۔ جس کی وجہ سے یہاں ہنگامہ ہوا۔ ہولناکی جاری رہنا مشکل نظر آتا تھا۔  
ہوٹل پلازا کی دوسری منزل کے ایک کمرے میں فیضان افلو بڑی شدت سے کسی بارات کا منتظر تھا۔ اس کی اطلاعات کے مطابق شام  
سات بجے تک بارات کو یہاں پہنچ جانا چاہئے تھا، لیکن ساڑھے چھ بجے تھے اور ابھی تک دو در تک بھی باراتیں کا نام و نشان دکھائی نہیں دے  
رہا تھا۔ اس دوران اس نے دوسرے کمرے جا کر اس ہال کا جائزہ لیا جہاں بارات آنے والی تھی۔  
ہوٹل کے ملازمین نے بڑے سلیقے سے ہال کو سجا رکھا تھا۔ ایک طرف میزوں پر سفید بے داغ چادریں ڈال کر ان پر کھانے کے برتن  
سجائے گئے تھے اور ہال سے ملحق اس کچن روم سے جہاں باراتوں کے لیے کھانا پک کر تیار ہو چکا تھا اشتہا انگیز خوشبو..... نکل کر ہال میں پھیل رہی  
تھی۔

ابھی چند منٹ پہلے ہی کاروں کے ایک جلوس کے ساتھ یہاں دلہن کی آمد ہوئی تھی جو ”پرچی پارٹی“ کے ایک سرکردہ لیڈر کی بیٹی تھی۔ اس  
کی شادی بھی ”پرچم پارٹی“ ہی کے ایک لیڈر کے بیٹے سے طے پائی تھی۔  
جو لوگ دلہن کو لے آئے تھے ان میں ایک خاص شخصیت تھی اور وہ تھا مقامی پولیس کا سربراہ اخوندزادہ جس کے پچھلے کئی حساب  
فیضان اور علوار اس کے ساتھیوں نے چکانے تھے۔  
روانگی سے پہلے..... میرداد خان نے جو مقامی جماعت مجاہدین کا سربراہ اور علاقے کے روحانی پیشوا کا بیٹا بھی تھا اسے خاص طور سے اس

مہم کے لیے منتخب کیا تھا۔ میرداد خان نے ”Capture and PDF by Camer Abbas“ کیسٹ میں دیکھا اور حصار پر ہرگز نہیں آیا۔

”میرے دوست!“ میرداد خان نے اس کے کندھے پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔ ”میں جانتا ہوں تمہاری تلاش ان لوگوں کو کتنی شدت سے ہے، لیکن تم چونکہ ماسکو یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہو۔ روسی زبان بول اور سمجھ سکتے ہو۔ اس کے علاوہ اس جماعت میں صرف تم ہی ایک ایسے فرد ہو جو انجی سوسائٹی کے جدید رسوم و رواج سے واقف ہو جسے اس طرح کے ہوٹلوں اور کلبوں میں رہنے کا تجربہ ہے۔ میرادل گواہی دیتا ہے اخوندزادہ کو مارنے کی سعادت صرف تمہارا نصیب ہے۔ صرف تمہارا۔“

”جو حکم یا امیر! مجھ سے انشاء اللہ کسی بزدلی کی شکایت آپ کو نہ ہوگی“ اس نے بڑے پراعتماد لہجے میں میراجماعت سے کہا تھا۔ فیضان اوغلو نے صبح گیارہ بجے کمرہ ایک جعلی نام سے بک کروایا۔ اس نے خود کو غزنی کے ایک تاجر کا بیٹا ظاہر کیا جو مقامی منڈی سے حساب کتاب کرنے آیا تھا۔

<http://kitaabgghar.com> <http://kitaabgghar.com>

کرمل شلوخوف کے متعلق فیضان اوغلو اور اس کے کسی ساتھی کو کوئی غلط فہمی نہیں تھی: وہ سب جانتے تھے کہ شلوخوف نے چارج سنبھالنے ہی کتنی برق رفتاری سے ان کی طرف بڑھنا شروع کیا ہے۔

فیضان کی بے قراریوں کو تب قرار ملا جب اس کے کانوں تک شہنائی کی مخصوص آواز پہنچتی جو اس بات کا اعلان تھا: ”کہ بارات آگئی ہے۔“

**CapTrue 1.1**

اس نے اپنے اوور کوٹ کی جیب میں رکھے ریوالور کو تھپتھپا پھر کسی اچانک آمدہ خیال کے تحت دوبارہ ہاتھ روم میں جا کر ریوالور کو چپک کیا، اس سے گولیاں نکال کر گمراری کو گتھا کر چپک کیا۔ گولیوں کو الٹا پلٹا کر ان کا جائزہ لیا اور دوبارہ بڑی پھرتی سے ریوالور لوڈ کر کے اسے جیب میں رکھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆

فیضان کا رخ ہوٹل کے دروازے کی طرف تھا۔ جب وہ مین گیٹ پر پہنچا تو شہنائیوں کی زوردار آواز کے ساتھ اسے شہنائیاں بجانے والے بھی نظر آنے لگے۔ ہوٹل کے دروازے پر دلہن کے رشتہ دار جن میں عورتیں اور مرد دونوں شامل تھے بارات کا استقبال کرنے کھڑے تھے۔ ان میں اکابرین شہر نمایاں تھے اگر وہ چاہتا تو یہاں موجود حکومتی پارٹی کے کئی آدمیوں کو بآسانی نشانہ بنا سکتا تھا۔ اس کے اوور کوٹ کی دوسری جیب میں پینڈر گرینڈ بھی کسی ہنگامی حالت کا مقابلہ کرنے کے لیے موجود تھے لیکن امیر کا حکم صرف اخوندزادہ سے متعلق تھا۔

بارات اب ہوٹل کے دروازے میں داخل ہونا شروع ہو گئی تھی۔ پھر بے اختیار اس کا ہاتھ کوٹ کی جیب میں رینگ گیا۔ ایک لمبی شیور لیٹ کار سے اس نے اخوندزادہ کی گنجی نانت پکھنے دیکھ لی تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں کے جھوم میں دروازے کی طرف پیدل ہی آ رہا تھا۔ کار میں ہوٹل کے باہری پارکنگ ایریا میں کھڑی کی جا رہی تھیں۔

<http://kitaabgghar.com> <http://kitaabgghar.com>

جنہوں نے ارخان نے لاکھ طیش میں Capture and PDF by Qamar Abbas مگر آج فیضان اس کے ہاتھوں سے نکل گیا تو کچھ بعید نہیں کہ کرل شلوخوف ٹھسے یا جھنجھلاہٹ میں اسے گولی مارنے سے بھی دریغ نہ کرے۔ اس لیے اس نے انتظامات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ سب سے پہلے تو اس نے ہوٹل کے گرد گرد چاروں طرف کی ناکہ بندی بڑی تیزی اور احتیاط سے کروادی۔ اس کے بعد ہوٹل میں ”خاؤ“ کے ایجنٹ پھیل گئے۔ انہوں نے کمروں کے سامنے اور ہال پر کڑی نظر رکھی ہوئی تھی۔

اس خدشے کے پیش نظر کہ ”خاؤ“ میں موجود مجاہدین کے آدمیوں میں سے کوئی فیضان یا جماعت کے کسی اور رکن کو صورتحال سے آگاہ نہ کر دے، انہوں نے فیضان کے متعلق کسی کو نہیں بتایا تھا۔ صرف ارخان نے اس کی تصویر دیکھی تھی۔ عموماً ماتحت عساکر کو آخر وقت تک یہ علم نہیں ہوتا تھا کہ وہ کس شخصیت کو گرفتار کرنے جا رہے ہیں کیونکہ ان سے زیادہ تر خطرہ اسی بات کا رہتا تھا کہ کہیں ان کی وفاداریاں تبدیل نہ ہو جائیں وہ افغانستان کے جوش میں آکر سارے کیسے کرائے پر پانی نہ پھیر دیں۔

ارخان جب اپنے ہاتھوں کے ساتھ سویلین کپڑوں میں ملبوس ہوٹل پہنچا تو اس کے ساتھی اپنی اپنی جگہ سنبھال چکے تھے۔ بارات دروازے کے پاس آکر ٹھہر گئی تھی اور اس میں شامل براتیوں کے گلے میں لڑکی والے خشک میوہ جات سے پروئے ہوئے ہارڈال کران کا خیر مقدم کر رہے تھے۔

ارخان کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس جہوم میں ضرور شلوخوف CapTrue 1.1 رہا ہے۔ اگر اس نے ذرا سی بھی کوتاہی کی تو وہ اسے موقع پر ہی گولی مار دے گا۔

جس طرح اچانک اس نے فیضان کی موجودگی کا انکشاف اس ہوٹل میں کیا تھا اس سے تو ارخان بھونچکا رہ گیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کرل شلوخوف کے ایسے کون سے ذرائع یہاں موجود ہیں جنہوں نے اس تک یہ اطلاع براہ راست پہنچا دی۔ جب کہ ”خاؤ“ کے روتی رہیت یافتہ ایجنٹ شکاری کتوں کی طرح اس کی بوسنگھتے پھرتے تھے۔

ابھی تک فیضان اسے اس جہوم میں دکھائی نہیں دیا تھا، البتہ اس کی نگاہیں مختلف چہروں پر بھسل کر یہاں موجود لوگوں کی اہمیت سے باخبر ہو چکی تھیں۔ اور اسے اس بات کی بھی سمجھ آ گئی تھی کہ فیضان آخراں ہوٹل میں کیوں موجود ہے۔

ارخان جہوم کے ایک طرف سے لپٹ کر دکھایا اس سے چند قدم کے فاصلے پر اخوندزادہ سینے پر ہاتھ رکھے آگے کی طرف جبکہ رہا تھا اور اس سے بمشکل آٹھ دس گز دور فیضان اوٹلو کے ہاتھ میں پکڑے ریوالور سے گولیاں کیے بعد دیگرے نکل کر اس کے جسم میں داخل ہو رہی تھیں۔

وہاں موجود براتیوں میں بھگدڑ مچ گئی، لیکن ارخان کے حواس بجا تھے۔ اس نے اپنا پستول ہاتھ میں تھام رکھا تھا اور وہ فیضان کی گولیاں شتم ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اخوندزادہ کے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر اس کی طرف سے بھی فائرنگ شروع ہو جاتی تو فیضان کو گولی لگنے سے پہلے دو تین بے گناہ ضرور مارے جاتے۔



جیسے ہی فیضان کا رپوٹ اور خالی ہو، Capture and PDF by Qamar Abbas ذکر کئے لیکن اس دوران ارخان اس کے سر پر ہتھی چکا تھا۔ اس کے درجنوں ساتھی بھی جھوم کے پتھوں بچ راستہ بتاتے ہوئے اپنے ہسپتال تانے فیضان اوٹلو کی طرف بڑھ رہے تھے۔

فیضان کا بایاں ہاتھ اور کوٹ کی جیب میں تھا جب اس نے ٹکڑوں ارخان کو لاکھارتے سنا۔

”ہینڈ زاپ“

اس کے لیے کچھ مشکل نہیں تھا کہ گرینڈ باہر نکال کر اسے ارخان کی طرف پھینک دے۔ اگر پین نکالتے ہوئے اسے ایک آدھ گولی لگ بھی جاتی تو بھی فیضان اوٹلو اپنی کمرگزرتا، لیکن ارد گرد افراتفری کے عالم میں چیخنے چلاتے بے گناہ لوگ بھی اس کی زد میں آ جاتے۔ اس کی غیرت نے گوارہ نہ کیا کہ کسی مجاہد کے ہاتھوں کسی بے گناہ کی جان بھی جائے۔ فیضان اوٹلو نے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ فوراً منجھرا ارخان کے اشارے پر اس کے دو ساتھیوں نے فیضان کو بڑی پمچری سے جامہ تلاشی لے کر اس سے گرینڈ، خالی ہسپتال اور قاتلو راؤڈ پر آدھ کر لیے۔

اس دوران ارخان نے ہسپتال اس کی کنپٹی سے لگائے رکھا۔ اس کی تلاشی سے مطمئن ہوتے ہی انہوں نے فیضان اوٹلو کے دونوں ہاتھ پیٹھ پیچھے باندھ دیئے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی اور وہ لوگ اسے دھکے دیتے ہوئے ہوٹل سے باہر کھڑی ایک جیپ کی طرف لے جانے لگے۔

## CapTrue 1.1

آنکھیں بند ہونے سے پہلے فیضان اوٹلو نے آخری منظر یہی دیکھا تھا کہ لوگ اوٹلو زادہ کی لاش کے گرد اگردا کھٹے ہونے لگے تھے۔ ارد گرد کی زمین اس کے خون سے سرخ ہو رہی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ سرخرو ہوا۔

ارخان پچھلی سیٹ پر فیضان اوٹلو کے پہلو میں ہسپتال لگائے اس سے چپکا بیٹھا تھا۔ اسے یہاں موجود کسی پر اعتماد نہیں تھا۔ عام حالات میں وہ کبھی اتنی احتیاط نہ کرتا لیکن اب معاملہ کرل شولوفوف کا تھا اور اسے ڈیڑھ دو گھنٹے پہلے والا شولوفوف اتنی جلدی بھولا نہیں تھا۔

کرل شولوفوف کو پل پل کر خبر مل رہی تھی۔ جب اس نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے جیپ کو اندر داخل ہوتے دیکھا تو ایک سفاک مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔ اس کی ہدایت پر قیدی کو سیدھا اس کے کمرے میں پیش کرنے کے لیے لایا جا رہا تھا۔

جیپ کے رکتے ہی ارخان نے فیضان اوٹلو کے بازو پر اپنی گرفت مضبوط کر لی اور اسے جیپ سے باہر نکالنے کا حکم دیا۔

”جب تم لوگ مجھے پکڑ کر لے آئے ہو تو کم از کم میری آنکھیں تو کھول دو۔ اتنے پہرے میں بھاگا تو نہیں جا رہا۔“ فیضان اوٹلو نے اسے مخاطب کیا۔

ارخان نے خاص طور سے یہ بات نوٹ کی کہ اس کے لہجے میں انتہائی درخواست والی ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ کہ وہاں گھبراہٹ یا خوف کا شائبہ تک بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ گرفتاری سے لے کر ”خاؤ“ کے ہیڈ کوارٹر پہنچنے تک فیضان نے اس سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ جب کہ اس نے راستے میں کئی مرتبہ اس سے بات کرنی چاہی تھی۔



وہ نہ چاہتے ہوئے بھی فیضان اوغلو کی یہ بات سنا کر اس کی دلچسپی بڑھ گئی۔ اس نے کہا: ”میرے پاس تو یہ بات ہے کہ میں نے اسے پہلے ارخان کے ذہن میں یہ بات موجود تھی کہ وہ کوئی ”ہائی جنکر“ قسم کا بین الاقوامی غنڈہ ہوگا، لیکن اس سے گفتگو کیے بغیر ہی اس کے ساتھ ایک ”غالب“ کی حیثیت میں سفر کرنے کے دوران ہی جانے لیا کیوں وہ خود کو فیضان اوغلو کی شخصیت کے سامنے دبا دبا ہوا محسوس کرنے لگا تھا۔ یہ وہ فیضان نہیں تھا جو اسے مل چرخی جیل میں دو سال پہلے ملا تھا۔

لیکن اس نے اپنے لہجے میں کوئی فرق نہ آنے دیا۔ اسے علم تھا کہ اس کے ساتھیوں میں یقیناً کرل شلوخوف کے خصوصی تجربے بھی موجود ہیں۔ جن کو اگر اس بات کا ذرہ برابر بھی شک ہو گیا کہ اس کا رویہ قیدی سے کچھ نرم یا شریفانہ قسم کا رہا ہے تو وہ فوراً اس کی رپورٹ کر دیں گے اور اس کے بعد جو حال ارخان کو ہوتا، اس کے متعلق اسے کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔

http://kitaabghar.com ☆☆ http://kitaabghar.com

اس نے پچھلے تین چار ماہ میں اس بات کا نظارہ بہت قریب سے کیا تھا کہ ”خاد“ کے دفتر میں موجود مجاہدین کے ”مخبروں“ کا انکشاف ہونے کے بعد کیا حشر ہوا۔ ان کے لواحقین کو کبھی اس کا علم نہ ہو سکا کہ انہیں کن کن اذیت ناک مراحل سے گزرنے کے بعد موت نصیب ہوئی تھی۔

”بکومت“ اس نے سخت کمر لہجے میں فیضان اوغلو سے کہا۔ اور CapTrue 1.1 مادی۔  
فیضان نے کوئی مداخلت نہ کی اور چپ چاپ آگے بڑھ گیا۔ عمارت کے مختلف کمروں کے سامنے سے گزرتے ہوئے وہ لوگ بالآخر اسے ”آپریشن بلاک“ میں لے آئے۔ ارخان نے بدستور اس کے ایک بازو مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ کرل شلوخوف کے کمرے کے باہر اسے کمرے کا حکم ملا۔

باہر موجود گارڈز نے اس کی دوبارہ جامہ تلاشی لی۔ ارخان کو انہوں نے واپس جانے کے لیے کہا اور خود اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر اندر لے گئے۔ کمرے کے وسط میں پہنچ کر انہوں نے فیضان اوغلو کو کمرے کے لیے کہا اور اس کی آنکھوں سے پٹی کھول دی گئی۔

جب اس کی آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو سب سے پہلے فیضان کی نظر کرل شلوخوف کے چہرے پر پڑی جو اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ کن اکھیوں سے اس نے کمرے کی مختلف اطراف کا جائزہ لیا۔ کمرے کے چاروں کونوں میں شٹن گرن سے مسلح ”ضابطہ“ موجود تھے۔

”خوش آمدید مسٹر فیضان اوغلو“ شلوخوف نے ہلکا سا تہہہ لگایا۔

فیضان خاموشی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑے کھڑے رہا۔ کرل شلوخوف نے اس کی مادری زبان فارسی میں اسے مخاطب کیا تھا، لیکن فیضان نے پہلی ہی نظر میں اس کی قومیت کا اندازہ لگا لیا تھا۔

”تمہیں گرفتاری کا افسوس تو اصولاً نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ تمہارا مشن بہر حال پورا ہو چکا ہے۔“ انہوں نے مزید کہا۔ ”خود شلوخوف بدستور مسکرا

Capture and PDF by: Qamar Abbas

رہا تھا۔

”میرے لئے گرفتار ہونا، زخمی ہونا یا مرجانا کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔۔۔“

پہلی مرتبہ فیضان نے زبان کھولی۔

”حیرت ہے ماسکو یونیورسٹی کا گریجویٹ بھی ایسی باتیں کرتا ہے۔“

کرٹل نے بڑے تسخر سے اس کی طرف دیکھا۔

”جہیں ابھی بہت سی حیرتوں کا سامنا ہوگا، دیکھتے جاؤ۔۔۔“

فیضان کے لہجے کا وقار بدستور قائم رہا۔

”کم از کم اس بات پر تو ہمارا شکریہ ادا کرو کہ ہماری تعلیم نے تم جیسے گنواروں کو مکالمہ بازی سکھا دی۔“ شولوف نے جہانمیدہ نظروں نے اندازہ کر لیا تھا کہ فیضان نے اس کی شہریت پہچان لی ہے۔

”تمہاری یہ خوش فہمی جلدی دور ہو جائے گی۔“

”باتیں بہت کرتے ہو۔“

کرٹل کی مسکراہٹ غائب ہونے لگی۔

CapTrue 1.1

”معمول بھی ہمارا ایسا ہی ہوتا ہے۔“ فیضان رد کی طرح کڑکا۔

جب کرٹل شولوف نے اس کی فائل پر مٹی تو پہلا خیال اس کے ذہن میں یہی آیا تھا کہ یقیناً اس نوجوان کو ملاؤں نے ورغلا لیا ہے کیونکہ یونیورسٹی کے غیر ملکی طلبہ کے گروپ میں اس کا شمار ان طالب علموں میں ہوتا تھا جو انتہا پسند کمیونسٹ نظریات رکھتے تھے۔ اور کرٹل شولوف کے تجربے نے اسے بتایا تھا کہ انتہا پسند نظریاتی لوگوں کی بڑی کمزوری یہی ہوتی ہے کہ وہ اتنی ہی شدت سے متضاد نظریہ بھی قبول کر لیتے ہیں۔ اسے امید تھی کہ فیضان اولٹوکو واپس لایا جاسکتا ہے۔

فیضان اولٹوکو واپس لانا بہت ضروری اور سودمند تھا وہ مجاہدین کے جتنا اندر جا چکا تھا اس کی اہمیت اتنی ہی کے۔ جی۔ جی۔ بی کے نزدیک بڑھ چکی تھی۔ اگر وہ تعاون پر رضامند ہو جاتا تو ان لوگوں کی بہت بڑی دروسری ختم ہو جاتی اور کابل میں وہ شری پسندوں کی کڑو توڑ کھد دیتے۔

شولوف کی کامیابی کا یہی راز تھا کہ وہ شہنشاہی و مانع کا گرم مزاج آدمی تھا۔ اس میں برداشت کا حوصلہ بہت زیادہ تھا۔ اتنا زیادہ کہ بسا اوقات ہیڈ کوارٹرز کے رویے پر جھنجھلاہٹ کا شکار ہو جاتا لیکن آج تک اس نے جو کہا وہ کر گزرا۔ اسی باعث اعلیٰ حلقوں میں اس کا ایک مقام بن چکا تھا۔

”میرا خیال ہے جہیں آرام کرنا چاہئے، ہم طہمستان سے دوستانہ ماحول میں گفتگو کریں گے۔“

شولوف نے بڑی نرمی سے فیضان کا کندھا چھپتیا۔



Capture and PDF by: Qamar Abbas

## تاریخ

رات 12 بجے اس کی ڈیوٹی ختم ہوئی تھی اور اسے آج تین روز کے بعد گھر جانے کی اجازت ملی تھی۔ اب ان لوگوں کے لیے ہفتہ وار چھٹی والی تو کوئی بات رہ نہیں گئی تھی۔ مہینے میں بمشکل ایک یا دو خوش قسمت دن چھٹی کے نصیب ہوتے تھے۔

عمارت کے کمروں میں سے چھٹی ہوئی روشنی کہیں کہیں کھڑکیوں سے باہر جھانکتی دکھائی دیتی تھی ورنہ تو ہر سواندہ صبرے یا پھر بن بست ہواؤں کے چھیلروں کی حکمرانی تھی، اپنے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے احمد اس اندھیرے ہی کا حصہ دکھائی دے رہا تھا۔

اپنے بلاک سے موٹر سائیکل تک پہنچتے ہوئے اسے تین مرتبہ شناخت کے مراحل سے گزرنا پڑا۔ مرکزی دروازے تک وہ موٹر سائیکل کو بغیر انجن سٹارٹ کئے گھسیٹا ہوا لایا تھا۔ اس کی پہچان مکمل ہونے کے بعد آہنی دروازہ کھلا اور جوئیزر شاہد احمد ترسون موٹر سائیکل گھسیٹتا باہر نکل آیا۔ اس نے خصوصی کرفیو کارڈ اپنے اوپر کوٹ کے باہر ناکب لیا تھا کہ راستے میں اسے روکنے پر زیادہ تر دندن کرنا پڑے۔

باہر نکل کر اس نے موٹر سائیکل سٹارٹ کی تو روپی بانیک کی آواز: "سے جسر ۱۰۰، افذا تھا اٹھی"۔ اس کا رخ، کابل، جلال آباد روڈ کی طرف تھا۔ اسی روڈ پر واقع ایک آبادی میں اس کا گھر تھا جہاں احمد ترسون کی ماں اور بہن اس کی منتظر تھیں۔ اس کا والد غزنی میں پھلوں کا کاروبار کرتا تھا اور مہینے میں ایک آدھ وفد بھی لایا کرتا۔

راستے میں تین مرتبہ سڑکوں پر چکراتی آرمی کی جیپوں نے اسے روک کر اس کا کرفیو کارڈ چیک کیا۔ اب وہ قدرے غیر آبا د علاقے کی طرف نکل آیا تھا۔ یہ سڑک ایک پہاڑی سلسلے کے درمیان سے گزرتی تھی۔ ایک مخصوص مقام پر پہنچ کر اس نے موٹر سائیکل کی رفتار آہستہ آہستہ کرتے بالا خراس کا انجن بند کر دیا۔

بادی انکسر میں یہی دکھائی پڑتا تھا جیسے پلگ میں کچرا آ جانے کی وجہ سے موٹر سائیکل رک گئی ہو۔ سڑک کے ایک کنارے پر اس نے موٹر سائیکل کھڑی کر لی.....!!

کابل کی جان لیوا سردی رگوں میں ابو جمائے دیتی تھی، لیکن احمد ترسون کے نزدیک اس لمحے سردی گرمی کا احساس ختم ہو کر رہ گیا تھا۔ یوں بھی یہ اس کا روزانہ کا معمول تھا۔ وہ موٹر سائیکل کا ٹول بکس کھول کر اس میں سے پلگ پانا نکالنے کے بعد پلگ باہر نکال رہا تھا۔ جب اندھیرے میں پہاڑی سلسلے میں اس نے ایک سایہ برآمد ہوتے دیکھا۔

نوادار نے کچھ فاصلے پر رک کر ایک جنرل نارنج جلا بھجھا کر مخصوص قسم کا اشارہ کیا۔ بیٹھے بیٹھے احمد ترسون نے اپنے لیے کوئی کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول باہر نکالا۔ اسکی گرفت انجمنی کے اس سمت بڑھتے قدموں کے ساتھ ساتھ پستول کے دستے پر مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔

نوادار اس کے نزدیک پہنچ کر ہاتھ Capture and PDF by: Qamar Abbas کی بات تھی۔

”آدم برسر مطلب؟“

احمد نے بڑے سرد لہجے میں اس کی طرف جھانکا۔

دوسری طرف سے پشتوں میں ایک خاص لفظ سننے کے بعد اس نے ہستول نیچے جھکا لیا۔

دو تین فٹروں میں اس نے نوادار کے ساتھ ”کوڈورڈز“ کا جاولہ کر لیا تھا۔ اور مطمئن ہوتے ہی اس نے اپنے پاؤں میں پہنے لوگ بوٹ میں سے ایک تہہ شدہ کاغذ نکال کر اسے تھما دیا۔

”فی امان اللہ“ اجنبی نے کہا اور منہ موڑ کر اس طرف چل دیا جس طرف سے اس کی آمد ہوئی تھی۔

”خدا حافظ“ احمد ترسون آہستہ سے بڑبڑایا اس نے پلگ دور بارہ فٹ کیا۔ ٹول بکس باندھا اور موٹر سائیکل سٹارٹ کر دی۔

جب وہ اپنے گھر کی طرف جارہا تھا تو اسے اس بات کی خوشی تھی کہ اپنے فرائض سے وہ بڑے احسن طریقے سے عہد ابراہ ہو چکا تھا۔ اس نے فیضان اوغلو کی گرفتاری کی خبر مجاہدین کو پہنچادی تھی۔

امیر داد خان کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اس کے گرد اگر دہیٹھے پانچوں مجاہد بھی خاموش تھے وہ سب اپنے امیر کی طرف آنکھیں لگائے بیٹھے تھے۔ ایک دوسرے سے نظریں ملاتے ہوئے بھی انہی CapTrue 1.1 باتھا۔ جیسے وہ پانچوں ہی اس حادثے کے ذمہ دار تھے۔

امیر داد خان کو صرف ایک ہی سوچ پریشان کر رہی تھی! ”ان کے درمیان کوئی حکومتی مخبر ہے ضرور، ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ اس طرح افغان سیکرٹ سروس فیضان اوغلو تک پہنچ جاتی۔“ اور یہاں اپنے معتمد ساتھیوں کے درمیان وہ غجانے کیوں اپنے اندیشے کو نوک زبان پر لاتے ہوئے کچھ ہچکچاہٹ سی محسوس کر رہا تھا۔

”میرے خیال سے لھکانہ بدل لیا جائے۔“

اچانک پانچوں میں سے ایک نے اسے مخاطب کیا۔

امیر داد کے سامنے کبھی قبوے کی پیالی ٹھنڈی ہو رہی تھی حالانکہ وہ ”لب سوز قبوہ“ کا عادی تھا۔ اس نے ایک لمحے کے لیے بات کہنے والے کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا۔ پھر وہ بارہ چہرہ اسی سمت کر لیا۔

”میرا خیال ہے امیر! اس کا دوسرا ساتھی بولا۔“ قاسم ٹھیک کہتا ہے۔“

”آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟“ امیر داد خان نے باقی تینوں کو مخاطب کیا۔

تینوں خاموش رہے۔ کوئی بات ان تینوں کی زبان پر آ کر انک انک جاتی تھی۔ بالآخر ان میں سے ایک نے گلا کھٹکا کر کہا۔

”یہ لھکانہ تو ہمیں بڑی مشکل سے میرا آیا ہے۔ جہاں بیٹھ کر ہم شہر پر نظر رکھ سکتے ہیں۔ میرے خیال سے یہ واحد جگہ ہے جو دشمن کے

جاسوس پہلی کا پڑوں کی برقی آنکھوں سے اور یہ پہلے ہی پتہ چلا تو انہیں کو ایسے کو مدد پر پناہ گاہ میسر نہ آ سکے۔

”لیکن فیضان بہر حال گوشت پوست کا انسان ہے۔ وہ کسی بھی کمزور لمحے کی گرفت میں آ سکتا ہے۔“ قاسم نے مداخلت کی۔

پہلے بات اور تھی، اب روسیوں کی آمد کے بعد سے ان کے پاس برقی آلات تقویت آ گئے ہیں جن کے ذریعے وہ بڑے بڑے سخت جانوں کی زبان بھی کھلوا لیتے ہیں۔“ دوسرا بولا۔

اس کے بعد پھر حساب خاموش ہو گئے۔ ان کی نظریں اپنے امیر کی طرف لگی تھیں، جن کا فیصلہ بہر حال حتی ہوتا۔

”میرے دوستو!“ بالآخر امیر دادخان بولا۔ ”اگر تو آپ لوگ یہاں سے کوچ کرنے کا اس لیے سوچ رہے ہیں کہ فیضان اوغلو کرل شلوا

خوف کے سامنے ہتھیار ڈال دے گا تو میں آپ کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ ایسا نہیں ہوگا۔ بعض لوگ دنیا میں ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے متعلق حتی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ ہم ان پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتے ہیں گو کہ یہ بات ہمارے اصولوں سے لگانا نہیں کھاتی، لیکن ایسا ہے۔ فیضان اوغلو مر جائے گا لیکن اس کی زبان نہیں کھلے گی۔ میں یہ بات اتنے ہی اعتماد سے کہہ رہا ہوں جتنے اعتماد سے ہم یہ جنگ لڑ رہے ہیں۔“

”خان ہمارا مقصد بخدا یہ ہرگز نہ تھا کہ ہمیں فیضان پر اعتماد نہیں۔ یہ سب تو ہم بطور احتیاط کرنا چاہتے ہیں۔ اگر کاہل میں ہمارے دو تین

سر کردہ آدمی بھی پکڑے گئے تو ہم اپنے سینکڑوں ہمدردوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ بہر حال آپ کا حکم سر آنکھوں پر.....“

”قاسم خان!“ اس مرتبہ امیر دادخان کی آواز میں زبردستی رک۔ CapTrue 1.1 کبھی نہیں آئے گا اگر ایسا ہوا بھی تو رومی فوج

ہماری گرد کو بھی نہ پہنچ سکے گی۔ متبادل راستوں پر میری نظر ہے۔ ہمارے ساتھی پل ہل کی خبر رکھتے ہیں۔“

”جو حکم یا امیر“ قاسم خان مطمئن ہو گیا۔

امیر دادخان نے قبوے کی پیالی ایک ہی گھونٹ میں خالی کر دی اور اپنے ساتھیوں کی طرف گھوٹا:

”سجاد خان کو پیغام روانہ کرو کہ ہم اس کی سمت سے پہنچائی اختیار کریں گے! بھاری ہتھیار لے کر اگلے ٹھکانے کی طرف کوچ کر جاؤ۔

جلال آباد کے دوستوں کو بھی صورت حال سے آگاہ کر کے اگلی ہدایات حاصل کرو۔ اس ٹھکانے پر صرف آٹھ مجاہد چھوڑ کر باقی سب کو لے کر متبادل راستوں سے سجاد خان کی طرف نکلنے کی تیاری کرو۔ روانگی اگلی اطلاع آنے کے بعد ہوگی۔“

”جیل ہوگی یا امیر!“ قاسم نے کہا اور پانچوں ہدایات پر عمل پیرا ہونے کے لیے باہر نکل گئے۔

☆☆

احمد ترسون کی واپسی اگلے روز دوپہر کے بعد ہوئی اس کی ڈیوٹی کے اوقات 3 بجے دوپہر کے بعد شروع ہوتے تھے۔ دروازے تک اس

کی بوڑھی ماں اسکو الوداع کہنے آئی تھی۔ اس نے حسب سابق روانگی سے پہلے اس کا سر اور ماتھا چوم کر اسے دعائیں دیں۔ رشیم جان کا اس دنیا میں اور تھا ہی کون؟“

ایک اس بیٹے کے لیے اس نے کیا کیا مصیبتیں نہیں جھیلی تھیں۔ اس کی خواہش تھی کہ تعلیم مکمل کرتے ہی احمد ترسون باپ کے کاروبار میں



اس کا ہاتھ بٹائے۔ ان کی تو پشتوں میں بھی Capture and PDF by Qamar Abbas کی طعنہ تھی کہ فلاں خان کا فلاں بیٹا نوکر ہے، لیکن براہ وجود یہ تعلیم کا جس نے احمد ترسون کا دماغ خراب کر دیا تھا۔

ریشم جان کی شادی اس کے والدین نے بہت کم عمر ہی میں اپنے خاندان میں کر دی تھی۔ بیپاری تیسرے ہی مہینے پیوہ ہو گئی اور خاوند کی وفات کے سات ماہ بعد احمد ترسون پیدا ہوا تھا۔ اس کی پیدائش کے بعد اس کی پرداخت کا سوال ہمیشہ ریشم جان کو ڈستار بنتا تھا۔ کیونکہ اس معاشرے میں دوسری شادی کا تصور ہی بڑا اذیت ناک تھا۔

بچنے کی پیدائش کے بعد جب وہ غرنی اپنے گھر گئی تو اس کی نیکو کاری اور پرہیز گاری سے متاثر ہو کر اس کے خاندان کے ایک اور نوجوان نے اس کے والدین سے ریشم جان کا رشتہ مانگا۔ اس نوجوان کا قریبی رشتہ دار تو تھا نہیں۔

بہر حال ریشم جان کے والدین نے اسے تانہ نہیں جانا اور ”ہاں“ کر دی۔ ایک سادہ سی تقریب میں ان کا نکاح ہو گیا۔ تب احمد ترسون بمشکل دو سال کا تھا۔ اس کا والد غرنی سے فروٹ وغیرے جا کر کابل کی منڈی میں فروخت کیا کرتا تھا۔ پھر وہ سیمیں کا ہو رہا۔ ان کا گھرانا کابل ہی میں آ گیا اور خادے خان نے کبھی ریشم جان کو اس بات کا احساس نہ ہونے دیا کہ احمد ترسون اس کا سوتیلایا ہے یا سگا۔

اس نے اپنے بچنے کو کابل کے مشنری سکول میں تعلیم دلوائی اور CapTrue 1.1 ماری نوکری کرنے کی اجازت بھی دے دی۔ خادے خان زیادہ تر منڈی میں اپنے کاروباری میں مصروف رہتا۔ اور گھر کم ہی آیا کرتا تھا۔ احمد البتہ دوسرے تیسرے روز ضرور اس سے مل لیا کرتا تھا۔

گھر سے روانہ ہونے کے بعد اس نے واپسی کا بھی وہی راستہ اختیار کیا تھا۔ جس راستے سے وہ دفتر سے گھر آیا تھا۔ پہاڑی سلسلے کی اس سڑک پر پہنچ کر ایک مرتبہ پھر اسکی موٹر سائیکل کی رفتار کم ہونے لگی۔ اس نے اپنے دبانے ہاتھ اگلے شخصے میں ایک آری ٹرک کو اپنے پیچھے آتے دیکھ لیا تھا اور اب وہ اسے آگے نکلنے کا موقع دے رہا تھا۔

ٹرک سے نجات حاصل کرنے کے بعد اس نے رات والے موڑ کے نزدیک پہنچ کر ایک مرتبہ پھر موٹر سائیکل کھڑی کر دی۔ اس مرتبہ اس نے یہاں قیام کا دوسرا بہانہ تراشا۔ وہ سڑک کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوئے پہاڑی سلسلے میں پیشاب کے لیے کوئی جگہ تلاش کر رہا تھا۔ بلا آخر وہ جگہ اسے نظر آ گئی۔

ایک چتر کے نیچے سے نکلا ہوا ایک نیلے رنگ کا لفافہ کا کوندا اسے بخوبی دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے وہیں بیٹھ کر لفافہ باہر نکالا۔ اسے چاک کر کے ایک رقعہ برآمد کیا۔ جس پر ایک مختصر سا بدایت نامہ لکھا تھا۔

احمد ترسون نے رقعہ پڑھنے کے بعد جیب سے سگریٹ لائینر نکال کر اسے جلا دیا اور جلا کر اس اطمینان کے بعد کہ اس کی راکھ میں سے کسی کو کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس نے لائینر سے سگریٹ سگایا اور اس کے لیے لمبے کش لیتا وہاں سے باہر نکلا آیا۔ اس سارے عمل میں اس کے بمشکل دو یا

تین منٹ لگے ہوں گے اور اس سے کم وقت Capture and PDF by Qamar Abbas ہو جائے گا۔

اپنی موٹر سائیکل کی طرف آتے ہوئے اس نے انہیں پہاڑی ٹیلوں کی اوٹ میں غائب ہوتے اس مجاہد کو نہیں دیکھا تھا۔ جس نے سڑک سے یہاں تک اس پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ اور جو ہوا میں اڑتے پرندے کو مار گرانے کی مہارت رکھتا تھا۔

یہ تھا قاسم ایٹان زاوہ.....!

امیر داو خان کے عقابوں میں سے ایک!

اس کے بعد دفتر پہنچتے تک اس کو کہیں رکنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ وہ مدہم سروں میں سیٹی بجاتا بڑی لا پر واپسی سے حسب سابق موٹر سائیکل کو تھکیت کر اندر لایا۔ آج اتفاق سے سٹینکٹ پر وہ محافظ ڈیوٹی دے رہے تھے جو اس سے واقف تھے ورنہ تو بار بار اپنی شناخت کروانے سے اسے بہت الجھن ہوتی تھی۔

اس سے پہلے کبھی ایسی ضرورت پیش نہیں آئی تھی لیکن ”قوائے دوست“ کی آمد کے بعد سے عجیب عجیب باتیں سننے اور مشاہدے میں آنے لگی تھیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ایک دوسرے سے واقفیت رکھنے کے باوجود ان لوگوں کو ایک سے دوسرے ہلاک تک جاتے ہوئے بھی اپنی شناخت کروانی پڑتی تھی۔

اس سے پہلے تو وہ لوگ کھل کر ایک دوسرے سے ہنسی مذاق بھی CapTrue 1.1 افسران کی آمد کے بعد سے تو وہ ایک دوسرے سے کھل کر بات کرتے ہوئے بھی جھجکتے تھے۔ بڑی حق نفاذ میں آج کل وہ لوگ کام کر رہے تھے۔

ماحول کچھ ایسا بن گیا تھا کہ خواہ وہ خواہ وہ لوگ ایک دوسرے پر شک کرنے لگے۔ اس کی وجہ وہ واقعات تھے جو پچھلے دنوں یکے بعد دیگرے پیش آئے تھے:

اگر کوئی جوئیر یا سینئر ”ضابطہ“ ہنسی مذاق میں بھی اپنے دفتر یا کینٹین میں بیٹھے کوئی بات حکومت یا ”مشاوروں“ کے خلاف کہہ دیتا تو اگلے ہی روز اس کی جواب طلبی افسر اعلیٰ کے سامنے ہو جاتی اور ایک سخت وارننگ بھی اس کے ساتھ ہی مل جاتی۔

”دیوار ہم گوش دار“ ان کسوں کو یہ بھولا ہوا سبق بڑا شدت سے یاد رہتا تھا اور کبھی بڑے جی جان سے اس پر عمل پیرا بھی تھے۔ اپنی ذمہ داریاں سنبھالنے سے پہلے جب وہ ڈیوٹی افسر کے پاس حاضری رجسٹر میں اپنی حاضری لگاتے کیا تو ایک پیغام اس کا منتظر تھا۔

”فورا آپریشن چیف سے ملیے۔“

ایک لمحے کیلئے تو جیسے وہ چکر اکر ہی رہ گیا۔ ابھی تک اس کا براہ راست سامنا کرل شولوفوف سے نہیں ہوا تھا۔ آج پہلی مرتبہ اسی کی پیشی ہوئی تھی۔ اس کے فرائض کچھ اس قسم کے تھے کہ وہاں براہ راست کرل شولوفوف سے ٹکرانے کی گنجائش ہی نہ تھی۔ ”پھر یہ سب آخر کیا ہے؟“ اس نے پریشانی سے سوچا اور بڑی بددلی سے اس کے کمرے کی طرف روانہ ہو گیا۔



فیضان اونٹلوں کے سفر کا خاتمہ جس CapTrue and PDF by: Qamar Abbas سے ہوا۔ یہ بلاگ ایک چھوٹے سے قلعے کی شکل میں تھا جس کی چار دیواری کے درمیان ایک لوہے کا مضبوط پھانک لگا ہوا تھا۔

اس پھانک میں داخل ہوتے ہی اس کی آنکھوں سے پنی اتار دی گئی۔ دروازے کے اندر دروازے سے ملحقہ کیمین میں بیٹھے دو بڑے ”ضابطوں“ کو فیضان کا چارج دے کر اس کے ساتھ یہاں تک آنے والے واپس چلے گئے۔

ان کے واپس جاتے ہی وہاں موجود تین چار عساکر فیضان کو دھکیلے ہوئے ایک کمرے میں لے گئے جہاں اس کے جسم پر صرف ایک زیر جامہ پہنے دیا گیا اور اس کی دوبارہ تلاشی لی گئی۔ اس کے اوٹی کپڑے بھی وہیں رکھ لئے گئے۔ اور ایک پتلون اور قمیض کے ساتھ شنگے پاؤں وہ لوگ دوبارہ اسے دھکے دیتے ہوئے ایک ہال کمرے کی طرف لے گئے۔

ابھی اس نے ہال میں قدم رکھا ہی تھا کہ اچانک اس پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ کم از کم دس آدمی بیک وقت اس پر چل پڑے تھے۔ انہوں نے ہاتھوں اور لاتوں سے اسے مار مار کر ادھموا کر دیا۔ فیضان کے ہاتھ بدستور پیچھے کی طرف بندھے ہوئے تھے۔ اس لیے اس کی طرف سے مزاحمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہ بے بسی سے مار کھاتا رہا۔ لاکھ ضبط کرنے کے باوجود اس کے منہ سے کئی مرتبہ کراہیں نکلیں۔ بالآخر اس نے اپنے ہونٹ اس سختی سے دانتوں تلے بھینچنے کے ٹپلے ہونٹ سے لہور نئے لگا۔

اچھے لوگ اذاکھ ابھی انکی زبان پر ہی تھا کہ اس کا ذہن ماؤف CapTrue 1.1 اور اتحاد گہرائیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ فیضان کو ہوش آیا تو وہ سنگلاخ فرش پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے نیچے ایک پینا پرانا کیمبل تھا۔ جسم پر جھینڑے جھول رہے تھے۔ اور اس کا بند بند ٹوٹ رہا تھا بالکل یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے جسم کو تھوڑوں کی مدد سے کوٹا گیا ہو۔

درد اس کی ہڈیوں میں سرایت کر گیا تھا لیکن وہ چپکا پڑا رہا۔

اسے ہوش میں آتے دیکھ کر ”ضابطہ“ اس کی طرف لپکا۔ اس نے فیضان کو کچھ کہے سے بغیر صرف اس کے کھل ہوش میں آنے کا انتظار کیا اور کسی گورپورٹ کرنے چلا گیا۔ فیضان کو اذیت ناک درد کے ساتھ، شدید سردی اور پیاس کا احساس بھی ہو رہا تھا، لیکن وہ اپنی طرف سے حتی المقدور کسی کمزوری کا مظاہرہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔

اٹھ کر بیٹھنے کی سکت اس میں نہیں تھی، لیکن کسی نہ کسی طرح وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ابھی اسے بیٹھے ہی شکل دو منٹ ہی گزرے تھے کہ اس کے سبل کے دروازہ کھلا اور تین چار سپاہی اندر در آئے انہوں نے بڑی بے دردی سے اسے بازوؤں اور ناگوں سے پکڑ کر باہر گھینٹا شروع کر دیا تھا۔

وہ فیضان اونٹلوں کو اس طرح گھینٹتے ہوئے باہر لے جا رہے تھے جیسے وہ انسان کے بجائے کوئی مردہ جانور ہے جسے گڑھے میں پھینکنے کے لیے لے جایا جا رہا ہے۔ فیضان کا جی تو چاہتا تھا کہ کسی بھی طرح اٹھ کر وہ ان کی بوئیاں نوچ لے لیکن اس میں مزاحمت کی تمام قوتیں ہی دم توڑ چکی تھیں۔



کے ایک کونے میں کرسی پر آکر بیٹھ گیا۔ اس نے کہا: "تمہارا نام؟" "بوناکوف کا لہجہ پھاڑ کھانے والا تھا۔"

"تمہاری فائیکوں میں لکھا ہے۔"

فیضان اولو سوائے اظہار نفرت کے اور کسی بات پر قادر نہیں تھا۔

"کس گروپ سے تعلق ہے؟"

"افغانستان سے۔"

"اخوان زادے کو کس کے کہنے پر قتل کیا گیا؟"

"اپنی مرضی سے۔"

وہ ہر سوال کا جواب اکھڑا لہجے میں دے رہا تھا۔

ابھی تک اس کے کسی جواب سے بوناکوف کو طیش نہیں آیا تھا۔ شاید وہ نفسیاتی طور سے ہر طرح فیضان اولو پر اپنی برتری جتانے پر تیار تھا۔

CapTrue 1.1

"شہر میں ہونے والے واقعے میں کس کا ہاتھ تھا؟"

"میرا۔"

"تم نے کس کے کہنے پر بم پھینکا؟"

"میں کسی کے کہنے پر کچھ نہیں کرتا۔"

میجر بوناکوف کے چہرے سے کسی کیفیت کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔ صرف اس دوران میں وہ اپنے ایک ہاتھ میں پکڑی چھڑی کو حسب

عادت دوسرے ہاتھ پر مارنا اچانک وہ زوردار آواز میں دھاڑا۔ "مارو..... اسے مارو" وہ دھیسوں کی طرح چلا چلا کر وہاں موجود سپاہیوں کو حکم دے رہا

تھا۔

اس کے ساتھ ہی وہ سب لوگ فیضان اولو پر ٹوٹ پڑے۔ ایک مرتبہ پھر وہ پہلے والی کیفیت سے گزر رہا تھا۔ میجر بوناکوف اس درندگی

میں پیش پیش تھا۔ وہ دوایانہ وار اس پر چھڑیاں برس رہا تھا جب کہ باقی لوگ اسے ٹھوکریں اور گھونسوں سے مار رہے تھے۔!

مسلل مار سے اس کے ہونٹ پھٹ گئے تھے۔ چہرہ نیلا پڑنے لگا اور ایک مرتبہ پھر فیضان اولو پر غشی طاری ہونے لگی.....!!

کمرے کے باہر پہنچ کر احمد ترسون نے اپنی شناخت پیش کی۔ باہر موجود خصوصی محافظوں نے اس کی جامہ تلاشی لی اور سروں پر ہتھول رکھ کر

اسے اندر جانے کی اجازت دے دی۔ کمرے میں خلاف توقع کرل شولوفوف اپنی کرسی پر موجود دروازے پر نظر س گاڑے بیٹھا تھا۔

اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر احمد ترسون کو خوش آمدید کہا اور اس مصافحہ کرنے کے بعد اسے سامنے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

”میں نے تمہاری فائل دیکھی ہے۔“  
کرئل شولوف نے اپنے سامنے رکھی فائل کی طرف اشارہ کیا۔

”نہیں سر“..... احمد ترسون نے تھوک نکلا۔

”تم بہت اچھے چارہ ہو۔“

”شکریہ جناب۔“ اس کے حواس ٹھکانے آنے لگے۔

”تمہاری شرافت کی وجہ سے تمہارے ساتھ زیادتی کی گئی ہے۔ اصولاً تمہیں اب تک ”سینئر ضابطہ“ ہونا چاہیے تھا۔“

کرئل شولوف بڑے خوشگوار موڈ میں دکھائی دے رہا تھا۔

احمد ترسون کو کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کی اس بات کا کیا جواب دے۔ وہ خاموش بیٹھا اس کے چہرے کو نکلتا رہا جہاں کسی سختی یا بد اخلاقی کا دور دورہ تک نام و نشان بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

”جانتے ہو اس کی وجہ کیا ہے؟“

”نہیں جناب“..... بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔

CapTrue 1.1

”سنائی“.....

سنائی مارچرسل کا افغان انچارج تھا۔ اور حال ہی میں اسے احمد کے شعبے سے اس خصوصی شعبے میں ترقی دے کر منتقل کیا گیا تھا۔ وہ اس سے پہلے اس کا افسر اعلیٰ تھا اور کبھی احمد کے کسی کام سے خوش نہیں ہوا تھا۔

وہ خاموشی سے کرئل شولوف کا منہ دیکھتا رہا۔

”وہ اسفندیار کا خاص آدمی ہے..... اور یہ بڑھا زیادہ ہی اعتماد کرتا ہے۔“ اس پر کرئل نے اپنی بات جاری رکھی۔

احمد کو کوئی جواب نہیں سوچ رہا تھا۔

”میں تمہیں ایک مہینے میں ”سینئر ضابطہ“ بنا دوں گا۔“

”شکریہ جناب“..... احمد نے بڑے انکسار سے جواب دیا۔

”لیکن ایک شرط ہے۔“

اچانک جیسے ایک سرد لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔

”کیا جناب؟“ اس نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔

”دیکھو تم آج سے مارچرسل میں تبدیل ہو رہے ہو۔ سنائی کی حرکات پر نظر رکھو۔ اس کے پل پل کی خبر براہ راست مجھے دو۔ درمیان میں کسی سے رابطہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں ہر وقت مجھ سے رابطہ کرنے کی خصوصی اجازت ہوگی۔“ کرئل شولوف کی مکارانہ مسکراہٹ اس

Capture and PDF by: Qamar Abbas

کے ہونٹوں سے بدستور چمکی ہوئی تھی۔

”ٹھیک ہے جناب۔“ احمد ترسون نار چرسٹیل تک اس طرح اپنی رسائی پر دل ہی دل میں جھوم ہی تو اٹھا تھا..... یہ واقعی اس کے لیے تائید

نہی تھی۔

اسی دوران ایک مؤدب بیران کے سامنے کافی کے دو گم رکھ کر واپس چلا گیا۔

”اور ہاں..... کرنل شلوخوف نے ایک گم اس کی طرف کھسکاتے ہوئے کہا۔“ اور اگر تم اس کا کوئی تعلق تخریب کاروں سے جا بٹ کرنے میں کامیاب ہو جاؤ تو.....“ اس نے فقرہ ادا دھورا چھوڑ کر احمد ترسون کے چہرے کی بدلتی کیفیت کا جائزہ لیا اور بولا: ”سنائی کی جگہ پھر تم سنبھال سکتے ہو۔“

”میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا جناب۔“ احمد ترسون نے اسے مطمئن کرنا چاہا۔

”ایک بات کا خیال رہے؟“ اچانک کرنل دوبارہ اس سے مخاطب ہوا۔

”جناب؟“

”زیادہ چالاکی نہیں..... ہاں! سمجھ گئے نا! تم جانتے ہو ہمیں جلدی بیوقوف نہیں بنایا جاسکتا۔“

CapTrue 1.1

”میں سر۔“ بے اختیار اس کے منہ سے نکل گیا۔

جب احمد ترسون اپنی نئی ذمہ داریاں سنبھالے اپنے ہلاک کی طرف جا رہا تھا تو اس کو کم از کم ایک بات کی اچھی طرح سمجھ آ چکی تھی کہ آخر کرنل شلوخوف کو اس دفتر کے معمولی ملازمین سے افسر اعلیٰ تک کی ہر خفیہ بات کا علم کیسے ہو جاتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی وہ دل ہی دل میں خدا کا شکر بھی ادا کر رہا تھا: ”کداب وہ فیضان اولہو سے براہ راست رابطہ پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائے گا ورنہ اس تک ”خصوصی پیغام“ پہنچانے کے لئے نہ جانے اسے کیا کیا پاز بیلنے پڑتے۔“



## مشن امن

**مشن امن** سائنہ الہی کے بچوں کے لیے لکھے گئے ڈراموں کا مجموعہ ہے، جو یاد دہتر بچوں کے مقبول ماہانہ ڈائجسٹ

**نٹ کھٹ** میں چھپے ہیں۔ ڈراموں کا یہ مجموعہ کتاب گھر کے بچوں کے ادب (بزم اطفال) سیکشن میں پڑھا جاسکتا ہے۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

## دوسرا محاذ

7 جون 1982ء کی ایک شام.....

دینی کن کٹی میں صدر ریگن کی آمد نے ساری دنیا کو چونکا کر رکھ دیا تھا۔ امریکی صدر کی آمد عام حالات میں نہیں ہوتی تھی۔ ساری دنیا کے باخبر ملتے اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ 79ء میں پوپ جان پال کے دورہ پولینڈ پر جس والہانہ انداز میں پوپ جان پال کا استقبال کیا گیا تھا اس کے بعد سے امریکی حکومت کی دلچسپی دینی کن کٹی میں کچھ زیادہ ہی بڑھنے لگی تھی۔

پولینڈ مشرقی یورپ کا اشتراکی گڑھ تھا ہی..... اس کے ساتھ ساتھ وہ پوپ جان پال کی جائے پیدائش بھی تھا۔ پوپ کو اپنی جائے پیدائش سے خصوصی دلچسپی تھی اور ان کی ہر ممکن کوشش تھی کہ کسی بھی طرح پولینڈ روس کے پیچھے استبداد سے رہائی حاصل کرے۔ CapTrue 1.1 لاکھ پالش باشندوں نے جس والہانہ انداز سے اس کا استقبال کیا تھا۔ اس کے بعد سے پولینڈ کی اشتراکی حکومت کے خلاف سرگرم عمل "سالیڈیریٹی تحریک" کو خصوصی تقویت حاصل ہو گئی تھی.....

اس کے ساتھ ہی سی آئی اے متحرک ہوئی اور اس نے سالیڈیریٹی تحریک کے نئے ویسٹیا کو اپنا گھوڑا بنالیا۔ سی آئی اے کو اب نئے ویسٹیا کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لیے چرچ کی خصوصی معاونت درکار تھی کیونکہ کلیسا کی مدد کے بغیر وہ اشتراکی جبر کی مزاحمت بھی ڈھنگ سے نہیں کر سکتے تھے..... اشتراکی حکومت نے 1981ء تک سالیڈیریٹی مومومنٹ کی چوٹیں ہلا کر رکھ دیں تھیں اور یہ باور کیا جانے لگا تھا کہ اب نئے ویسٹیا کا سحر ٹوٹ جائے گا۔ اس مرحلے پر اگر امریکی حکومت کی درخواست پر پوپ جان پال کا یہ دھمکی آمیز پیغام روس کو نہ ملتا کہ اگر اس کی فوجوں نے پولینڈ پر قبضہ کیا تو کلیسا اس کے مقابل کھڑا ہو جائے گا تو اب تک روسی افواج پولینڈ میں داخل ہو چکی ہوتیں۔

امریکیوں کو حیرانگی اس بات کی تھی کہ ایک طرف افغانستان کی تحریک مزاحمت ہے جس کو PEANUTS (مومنگ پھلی) جتنی امداد دے رہے ہیں لیکن اس کے نتائج حیرت انگیز طور پر شاندار اور چونکا دینے والے ہیں۔

اور..... دوسری طرف پولینڈ کی تحریک مزاحمت جس کے پیچھے کلیسا، پٹا گان، سی آئی اے کی طاقت کروڑوں ڈالر کی امداد ہے لیکن وہاں نتائج نہ ہونے کے برابر حاصل ہو رہے تھے۔

آخروں کی تحریک مزاحمت میں فرق کیا تھا؟

امریکیوں کو جلدی اس سوال کا جواب مل گیا۔

یہ فرق تھا پاکستان انٹرسروسز انٹیلیجنس ایجنسی کا چیف مجر جنرل اختر عبدالرحمن خان.....

کریکٹ چیرے، سمارٹ بدن اور Capture and PDF by: Qamar Abbas کھڑے ہونے کا آغاز ایسا بھرپور اور جاندار کیا تھا کسی آئی اے انگشت بدندان تھی..... 1946ء کے اواخر میں فوج میں کمیشن حاصل کرنے والا جنرل اختر عبدالرحمن صدر پاکستان جنرل ضیاالحق سے صرف دو سال جو نیئر تھا.....

چالیس سال بعد جب جنرل ضیاالحق اپنی فوجی سے زیادہ سیاسی ذہانت کے بل بوتے پر پاکستان کا صدر بنا ہوا تھا تو اختر عبدالرحمن آئی ایس آئی کا ڈائریکٹر جنرل تھا۔ پچاس سال کی عمر میں انہیں انٹروی ڈویژن کی کمان سونپی گئی تھی جس کے ہمراہ 1974ء سے 1978ء تک وہ آزاد کشمیر میں رہے.....

ان کے شاندار ماضی کو دیکھتے ہوئے یہ بات آسانی سے کہی جاسکتی تھی کہ اس جرنیل کی ترقی کی رفتار قدرے ست رہی اور انہیں ترقی دینے کے ہر مرحلے پر بطور خاص نظر انداز کر دیا گیا۔ ڈی جی آئی ایس آئی بننے سے پہلے ان کی آخری تقرری فوج کے ایڈجوٹنٹ جنرل کی حیثیت سے تھی.....

جنرل اختر عبدالرحمن نے اپنے عہدے کا چارج لیا تو افغانستان میں تحریک مزاحمت مضبوط ہو رہی تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور سے پاکستان میں ہم بھٹو افغان یوروں کو حکومت کی طرف سے نہ ہونے کے برابر امداد اور تربیت دی جا رہی تھی.....

لیکن..... اپنے عہدے کا چارج سنبھالنے کے بمشکل چھ ماہ بعد ہی اختر عبدالرحمن کو اس صدی کے سب سے بڑے چیلنج کا سامنا کرنا پڑ گیا.....

روس کے 80 ہزار فوجی کا بل میں مورچہ بندی کر چکے تھے اور پاکستانی صدر جنرل ضیاالحق کو اس کے مشیر ایک ہی مشورہ دے رہے تھے کہ پاکستان اپنی خیر منائے روس سے "چنگا بازی" پاکستان کو لے ڈوبے گی.....

صدر پاکستان جانتا تھا وہ کیسے خطرناک جغرافیائی پھندے میں پھنسا ہے۔

مشرق میں 80 کروڑ ہندو اپنے جارحانہ عزائم کے ساتھ موجود تھے۔ مغرب میں روس کی سرخ فوج دریا آمو پار کر کے کاہل میں ڈیرے جما چکی تھی۔ ایران میں انقلاب کے فوراً بعد ایران عراق جنگ کا آغاز ہو چکا تھا اور چین تہذیبی کے انقلابی مرحلے سے گزر رہا تھا۔ چینیسوں کے لیے اپنا دفاع مضبوط اور ناقابل تسخیر بنانا گزیر ہو چکا تھا.....

فوجی قوت کے بل بوتے پر راج سنگھاسن سنبھالنے والے جرنیل کو بخوبی اپنی اندرون ملک مقبولیت کا احساس بھی تھا۔ وہ اسلامی جمہوری محاذ جس نے اسے در خواہیں کر کے بھٹو سے نجات دلانے کے لیے بلایا تھا اب بڑی بے چینی سے اس سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی تدبیر کر رہا تھا۔

عدالتی تنازعہ فیصلے کے بعد منتخب وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی چڑھانے کے بعد سے عمل ساری دنیا سے جنرل ضیاالحق کٹ چکا تھا۔ اس پس منظر میں روی فوج کی کاہل میں دراندازی نے ایک مرتبہ تو جنرل ضیاالحق کو گزیر بڑا کر رکھ دیا۔



جنرل اختر عبدالرحمن پر اس **Capture and PDF by: Qamar Abbas** کی چھپرہ حیرت انگیز طور پر اس نے محسوس کیا کہ آہنی اعصاب کے مالک جنرل اختر کو اس مسئلے پر قطعاً کسی پریشانی کا سامنا نہیں.....

<http://kitaabghar.com>

ایسا پر اعتماد جرنیل اس نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔

جنرل اختر عبدالرحمن نے صدر ضیاء الحق کو حوصلہ دیتے ہوئے پر عزم لے لیا کہ اگر صدر محترم انہیں اجازت دیں تو وہ افغان مزاحمت کو بڑی گویا جنگ میں تبدیل کر دے گا اور افغانستان روسوں کے لیے دیت نام بن جائے گا۔

جنرل اختر نے صدر کو افغانوں کی عسکری مدد کے لیے تیار کرتے ہوئے بتایا کہ ان کے اس عمل سے ہی پاکستان کا دفاع ممکن ہوگا اور وہ افغانستان کو روس کے خلاف اپنی "فٹ ڈیفنس لائن" بنا سکیں گے۔

جنرل ضیاء الحق کا ذہن دو امکانات پر غور کر رہا تھا۔ پہلا امکان تو وہ تھا جو جنرل اختر نے بتایا کہ بصورت دیگر پاکستان کی سلامتی واؤ پر لگی رہے گی اور دوسرا پہلو سیاسی تھا۔ بھٹو کو بھانسی چڑھانے کے بعد سے بین الاقوامی سطح پر خود کو تنہا محسوس کرنے والے جرنیل کے سیاسی دماغ نے فیصلہ کیا کہ روسی ریجھ کو لٹکا کرنے سے وہ مغربی دنیا کی ہمدردیوں کا بہر صورت مستحق ہو جائے گا.....

**CapTrue 1.1**

"وہ..... یہ عربیہ رماریکہ اور مغربی دنیا نے اس کے روس مخالف کردار کو آشیر وادے دی تو پاکستان کی تمام سیاسی جماعتیں مل کر اس کا بال بیکا نہیں کر سکیں گی۔

<http://kitaabghar.com>

AKHTAR! water in Afghanistan must boil, but at the right temperature

اس نے بلا خرابی سانس لے کر جنرل اختر سے کہا۔

"You will see sir....."

جنرل اختر نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

اپنے ہیڈ کوارٹر پہنچ کر جنرل اختر نے اپنے جانشینوں کو جمع کیا۔ انہیں صورتحال پر بریفنگ دی۔ صدر کی فٹ سے آگاہ کیا۔ ان کی رائے لی۔ اپنے اسباب کا جائزہ لیا۔

زمینی صورت حال یہ تھی کہ تمام سوالات کے جوابات نفی میں ملتے۔ چنانچہ ان اور سی آئی اے سپیل کابل کو "باری ہوئی جنگ" قرار دے چکے تھے..... ان کے شد و دماغوں نے یہی فیصلہ دیا تھا کہ ایک ماہ میں روس سارے افغانستان پر قبضہ جمائے گا اور پھر افغانستان بھی مشرقی یورپ کی طرح روس کی جاگیر بن جائے گا.....

"NO"..... کرخت چہرے، عقابنی آنکھوں اور مضبوط ارادے والے جنرل اختر عبدالرحمن نے سر جھٹکا..... "Kabul must bearn"..... اس نے اپنے ماتحتوں پر نظریں جمائے پر اعتماد لے لیا۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

"Yes Sir"



Capture and PDF by: Qamar Abbas

"Death by a thousand cuts"

جزل اختر کی آواز میں رعد کڑک رہی تھی.....  
اس نے اپنے سپہ سالاروں کو روایتی گوریلا جنگ کا بھرپور آغاز کرنے کے احکامات جاری کر دیے۔ دنیا کی سپر پاور روس کے خلاف.....!!

ہتھیار کہاں سے آئیں؟

سب سے پہلے سوال اٹھا۔ فوجی اسلحہ کے گودام کھنگالے گئے۔ کچھ تھری ناٹ تھری رائفلیں برطانوی ساختہ کچھ ٹینک حکم بارودی سرنگیں، اور چینی ساختہ کے چند راکٹ لانچر۔ یہ تھا وہ ابتدائی اینیویشن جس کے بل بوتے اور اپنی ایمانی قوت کے ساتھ جزل اختر نے روس کے خلاف گوریلا جنگ کا آغاز کیا.....

جزل اختر نے افغان مجاہدین کو ڈیورنڈ لائن کے ساتھ ساتھ مضبوط کرنے پر توجہ مرکوز کی اور اسی سرحدی علاقے کو گوریلا جنگ کے بنیادی سپلائی علاقے کا مرکز قرار دے کر اسے منتخب کر لیا.....

CapTrue 1.1

وہ پاکستانی سرحد سے کابل تک سپلائی لائن مضبوط اور محفوظ کرنے کے عزم لے کر اپنے مشن پر ڈٹ گیا..... روس کی بد قسمتی یا جزل اختر کی خوش قسمتی افغانستان کی تمام سرزمینیں کابل کی طرف جاتی تھیں کابل کی حیثیت سائیکل کے ایک پہیے کی سی تھی جس کی تاریں افغانستان کے گرد گرد پھیلی سرزمین ہیں ان تاروں کے درمیان چاروں طرف پھیلی ہوئی وادیاں۔

کابل کے شمال میں سلاخ ہائی وے کوہ ہندو کش کو کاٹتی ہوئی وادی پنج شیر کے پہلو سے نکلتی چلی جاتی۔ یہ سلسلہ دریائے آمو پر ختم ہوتا ہے۔

مشرق سے مرکزی سرحد دریائے کابل کے ساتھ ساتھ سفر کرتی جلال آباد سے درہ خیبر میں داخل ہوتی پشاور تک آتی ہے۔ جنوب مشرق کی طرف سے کئی ذیلی سرزمینیں پہاڑوں میں واقع دروں سے گزر کر جزیرہ نما پاؤں چنارہ سے گزرتی، گردیز اور خوست کے راستے میراں شاہ کے مقام پر پاکستان میں داخل ہوتی ہے۔

جنوب میں رنگ روڈ غرنی اور قندھار کے شہروں سے گزرتی کابل کے مغرب میں قریبا چھ سو کلومیٹر دور ہرات تک چلی جاتی ہے اور کابل شہر کے مغرب سے بھی کئی گزرگاہیں اور وادیاں مل سکتی ہیں ہزارہ جات کے پہاڑی سلسلوں میں گم جاتی ہیں۔

جزل اختر نے روسی فوج کے Strong hold اعصابی مرکز "کابل" کو اپنا پہلا ہدف بنایا اور اس کے گرد و نواح میں سرگرم جہاد مجاہد کمانڈروں کو 107 ملی میٹر راکٹ لانچر چینی ساختہ کے 12 بیروں پہنچانے شروع کئے اس کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت زور و شور سے شروع کر دی۔

صورتحال کی تہہ پٹی کے ساتھ ساتھ Capture and PDF by: Qamar Abbas میں آسانی میسر آئے۔

☆☆

مجاہد کمانڈروں کو جتنی زیادہ فائدہ کے ساتھ منزل کی طرف روانہ کر دیا جاتا اور اس بات کا بطور خاص اہتمام کیا جاتا کہ ان کی سپلائی لائن نہ ٹوٹنے پائے۔

جنرل اختر عبدالرحمن کی حکمت عملی نے روسیوں کو بھتیگی کا ناچ نہادیا۔ کیونکہ اس کے تربیت یافتہ مجاہدین سلاٹنگ ہائی وے پر مسلسل راکٹ برساتے روسیوں کی لائف لائن کاٹنے میں مصروف رہے۔

ان کامیابیوں کی خبر سی آئی اے کے سٹیلٹس جب ”المنیگے“ (سی آئی اے ہیڈ کوارٹر) اور پٹاگان پہنچاتے تو امریکی حیرت زدہ رہ جاتے.....

ولیم کیسی نے سی آئی اے کا چارج سنبھال لیا تھا وہ جنرل اختر کی حکمت عملی سے اتنا متاثر ہوا کہ اسے ملنے کے لیے اسلام آباد پہنچ گیا۔ ڈائریکٹر آئریشن سی آئی اے میک میپان اس کے ساتھ تھا یہ دونوں قاہرہ اور سعودی عرب سے ہوتے ہوئے یہاں پہنچے تھے۔ جنگی سازو سامان

CapTrue 1.1

سی آئی اے کی سربراہی اب ولیم کیسی کے پاس تھی جس پر صدر ریگن کو بے پناہ اعتماد تھا اور ولیم کیسی کو کانگریس میں چارلس ولسن کی مکمل حمایت حاصل تھی۔

چارلس ولسن چند روز پہلے بھی پاکستان آیا اور افغانوں کے جنگی ٹھکانوں کا خفیہ دورہ کرنے کے بعد امریکہ پہنچا تھا۔ اپنے ساتھ وہ ایک چار سالہ افغان بچے کو بھی لے گیا جس کے منہ پر ایک ”ٹوئٹ“ بٹن کے نشانات موجود تھے۔

اس نے ڈرامائی انداز میں کانگریس کمیٹی کے سامنے بچے کو پیش کیا اور بتایا کہ روس وہاں کیا کیا گھناؤنے جھنڈے استعمال کر رہا ہے۔

اس نے افغانوں کو روسیوں پر اپنی آنکھوں سے جھپٹے دیکھا تھا اور ان کی لپک بھپک کا زبردست قائل ہو چکا تھا۔ ولسن نے محسوس کیا تھا کہ روس کی ہوائی طاقت کے سامنے افغان بے بس ہیں خصوصاً روسی بمبلی کا پڑا نہیں زبردست نقصان پہنچا رہے ہیں۔

اس نے شدت سے افغانوں کی وکالت کرتے ہوئے انہیں OERLIKON Guh کا فراہم کرنے کے لیے کہا اور اپنی بات منوا کر اٹھا۔ اس کے ساتھ ہی کانگریس اور سینٹ مشنر کی کمیٹی نے اس ضمن میں سی آئی اے کے فنڈ زڈ بل کر دیئے۔

ولیم کیسی اب خود کو بے حد مضبوط اور محفوظ خیال کر رہا تھا۔ بصورت دیگر اسے کانگریس اور سینٹ کی مختلف کمیٹیوں کو قائل کرنے میں خاصا وقت اور قوت صرف کرنی پڑتی تھی۔

کانگریس کی ہاؤس انٹیلی جنس کمیٹی نے اسے فری ہینڈ دے دیا تھا اور اب وہ مکمل اعتماد کے ساتھ جنرل اختر عبدالرحمن سے ملاقات کے لیے آیا تھا۔

اس مرحلے پر جنرل اختر نے اسے اپنے ہونے والے آپریشن کے بارے میں بتا دیا۔ اس نے ولیم کیسی کو بتا دیا تھا کہ چٹاگان اور سی آئی اے کے اندازے غلط ثابت ہوئے ہیں انہوں نے پاکستانی انٹیلیجنس ایجنسی سے متعلق غلط اندازے لگائے تھے۔

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

کیسی کو اس بات کا قائل ہونا پڑا.....

جنرل اختر عبدالرحمن نے سی آئی اے کی دیرینہ خواہش کو دوبارہ راست مجاہدین سے ”معاملات“ کر کے کبھی پوری نہ ہونے دی۔

وہ پاکستان کو ہمیشہ درمیانی واسطہ بنائے رکھتے تھے.....

اور..... یہ بات سی آئی اے کو کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی۔ نہ صرف سی آئی اے بلکہ امریکہ کے بیشتر نمک خوار اپنے آقاؤں کے ساتھ اس سلوک کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن وہ سب یہ بات جانتے تھے کہ مجاہدین اور امریکہ کے درمیان اگر جنرل اختر کو الگ کر دیا گیا تو انہیں پھر صفر سے آغاز کرنا پڑے گا۔

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

☆☆

یو اینٹڈ میں دوسرا محاذ روس کے خلاف کھولنے کے لیے امریکی صدر کو خود پوپ جان پال کے ہاں حاضری دینا پڑی تھی اور دونوں کے درمیان برے، سرد، دور ہے تھے۔

CapTrue 1.1

اس روز وینی کن کئی کے لائبریری ہال میں صدر رونالڈ ریگن اور پوپ جان پال کے درمیان جو مذاکرات ہوئے انہوں نے مشرقی یورپ میں روس کے خلاف نیا محاذ کھول دیا۔

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

لائبریری ہال کے دوسرے کمرے میں امریکی وزیر خارجہ ایلیگزینڈر ہیک، آگسٹینو کارڈنیل سکولنی اور پوپ کے نمائندے آرچی بشپ آئینل سلوسٹرینی کے ساتھ مذاکرات کر رہا تھا اس کی مدد کے لیے امریکی صدر کے قومی سلامتی امور کے مشیر ولیم کلارک موجود تھے.....

ایلیگزینڈر ہیک نے سی آئی اے اور چٹاگان کی طرف سے تیار کردہ منصوبہ ان کے سامنے رکھا اور اپنی اس بات کا قائل کر لیا کہ افغانستان میں تین سالہ مزاحمتی تحریک کی کامیابی کے لیے اگرچہ یو اینٹڈ کو بھی روس سے نجات مل سکتی ہے۔

پوپ جان پال اور صدر رونالڈ ریگن نے سالیڈیریٹی تحریک کو ہر ممکن مدد ہم پہنچانے اور فٹ ویلیس کو ہر صورت مضبوط بنانے رکھنے کی حکمت عملی طے کرنی تھی.....

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

کیسا اس مرحلہ پر اپنا تاریخی رول ادا کرنے جا رہا تھا۔

سی آئی اے اور چٹاگان کی مدد کے لیے وینی کن کئی کی مدد سے ایک مضبوط نیٹ ورک قائم ہو گیا۔

عیسائی راہب اور راہباؤں کی مدد سے سالیڈیریٹی تحریک کے ساتھ روابط قائم ہونے لگے ان کے ہاتھ مضبوط کئے جانے لگے۔

ولیم کیسی نے پاکستان والوں سے مخالف محاذ میک مہیان کو عملاً سوپ کرائی ساری تو انہیں اس طرف مہذب کر لی تھیں۔

اس نے یو اینٹڈ کے کیتھولک عیسائیوں کو جمع کر کے حکومت کے خلاف زبردست تحریک چلانے کے منصوبے کا آغاز کر دیا تھا یہ ایک طرح

Capture and PDF by: Qamar Abbas

کی نیم مذہبی حکومت مخالف تحریک تھی جسے پوپ جان پال کی مدد سے سربراہی کی جاسکتی تھی۔

اس کے پے درپے حملوں سے بوکھلا کر پوپش حکومت نے مارشل لا نافذ کر دیا۔ سالیڈیریٹی کو خلاف قانون قرار دے کر اس پر پابندی عائد کر دی گئی۔

اس مرحلے پر وینیکن کی بھرپور مدد سے سی آئی اے کا حوصلہ بڑھا دیا۔ ولیم کسی نے بیک وقت جنرل اختر عبدالرحمن اور پوپ جان پال سے ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ ولیم کسی باریک بینی سے سی آئی اے کے منصوبوں کا جائزہ لیتا اور جنرل اختر کے تجربات کی روشنی میں پولینڈ حکومت کے خلاف نئی منصوبہ بندیاں کرتا رہا۔

لخ ویلیسا اور سالیڈیریٹی کے دوسرے راہنماؤں کے ساتھ روابط کا ایک وسیع نیٹ ورک بنایا گیا۔ یہ رابطے چرچ کے راہبوں، سفارتکاروں کے بھیس میں موجود سی آئی اے کے ایجنٹوں اور بین الاقوامی مشعوں کے مختلف کارندوں کے ذریعے قائم کیے گئے۔ جس طرح جنرل اختر عبدالرحمن نے اسلام آباد سے سینکڑوں میل دور سرگرم عمل مجاہدین تک ایک سپلائی لائن قائم کر دی تھی۔ حمید انبی خطوط پاکام کرتے ہوئے ولیم کسی نے سینکڑوں ٹرانسمیٹر، فیکس، پرنٹنگ مشینیں، کمپیوٹر، ٹائپ رائٹر وغیرہ منسلک کر کے سالیڈیریٹی کے زیر زمین کارکنوں تک پہنچائے جنہوں نے سی آئی اے کی مدد سے سیبر پرنٹنگ پریس قائم کئے۔

اپنے اخبارات اور رسائل جاری کئے۔ دھڑا دھڑا حکومت مخالف لڑچرکی اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے لخ ویلیسا کے مردہ بت میں جان پیدا ہونا شروع ہو گئی۔

سی آئی اے کی کامیابیوں کا گراف بڑھ رہا تھا۔ انہوں نے بیک وقت افغانستان اور مشرقی یورپ میں روس کو پھنسا لیا تھا..... اور امید پیدا ہونے لگی تھی کہ اب وہ روس کو اندر سے توڑ ڈالنے کا اپنا بیڑہ خواب حقیقت میں بدلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔



## اک دیا جلانے رکھنا

جو چلے تو جاں سے گزر گئے اور میرے خواب ریزہ ریزہ جیسے خوبصورت ناولوں کی مصنفہ **ماہا ملک** کی ایک اور خوبصورت تخلیق۔ شہرہ آفاق ناول **ایک دیا جلانے رکھنا** بہت جلد کتاب گھر پر پیش کیا جائے گا، جسے **رومانی معاشرتی ناول** سیکشن میں پڑھا جائے گا۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

## یاسمین

احمد ترسون کے پہنچنے سے پہلے ہی اس کے آرڈر سنائی کی میز پر پہنچ چکے تھے۔ اور وہ غصے سے کھول ہوا بڑا بڑا ہاتھ تھا:

”کبخت یہاں بھی آن مرا۔“

اور یمن اسی لمحے احمد بھی وہاں آ گیا جب سنائی نے اس کی فائل اپنے سامنے میز پر زور سے ٹخ دی تھی۔ احمد نے دروازے کے نزدیک رک کر اسے استراہم دیا اور مژدوب ہو کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ سنائی نے بڑی فیصلی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔

”جب تمہارا واسطہ کبھی ان کاموں سے پڑا ہی نہیں تو یہاں آنے کیا کیا ضرورت تھی؟“

”جناب والا!“ احمد نے بڑے طنز یہ لہجے میں کہا: ”میں اپنی مرضی سے تو یہاں نہیں آیا۔“

CapTrue 1.1  
کراپ بنتا چارہا ہے..... جانے کس منوں گھڑی میں یہ کبخت ہماری قسمت میں لکھا گیا تھا۔“

سنائی نے بڑے جلے کئے لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے جناب“..... احمد ترسون نے بمشکل اپنی فنی روکی تھی۔

”میں تو دفتر میں، میں تمہارے فرائض کا تعین کرتا ہوں۔“

سنائی نے ہتھیار ڈالنے ہوئے اسے باہر جانے کو کہا۔

سنائی جلی بھن کر ہی تورا گیا۔ اس کی احمد ترسون سے کبھی نہ بن سکی تھی۔ سنائی چونکہ ”خاؤ“ کے دائرہ کیٹر اسفند یار کا رشتہ دار تھا۔ اس لیے وہ اپنے ماتحتوں سے توقع سے زیادہ تباہ کاری کی امید کیا کرتا تھا۔ جب کہ احمد ترسون نے کبھی سنجیدگی سے اس کی کسی بات کو نوٹس ہی نہ لیا تھا! وہ احمد ترسون کا اور تو کچھ نہ بگاڑ سکا۔ البتہ اس کی فائل اس نے اتنی بگاڑ دی کہ اگلے دو تین سال تک اس کے ”سینئر ضابطہ“ بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

احمد ترسون کے فرائض کی نوعیت کبھی ایسی نہیں رہی تھی کہ اسے اتنی ”حساس ڈیوٹی“ سونپی جاتی۔ سنائی نے سوچا ضرور وہ اسے تنگ کرنے کے لیے شرارتیں یہاں چلا آیا ہے۔ اب وہ احمد ترسون کو اس شرارت کو مزادینے کے چکر میں تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس طرح اسے ذک پہنچائے۔

”بلا خرابی کہ جو اس کے ذہن میں آئی اور وہ دل ہی دل میں جھوم اٹھا:

”اب دیکھوں گا بر خوردار“ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

تھوڑی دیر بعد احمد ترسون تک نئے فرائض کا حکم نامہ پہنچا تو زیر لب مسکرائے بنانا نہ رہ سکا۔



سنائی نہ تو انتقام اس کو اتنی گھلیا جتنی بچہ نے زہریلے زہر کے ذریعے اس کے سر پر مار دیا تھا۔ Capture and PDF by: Qamar Abbas  
تھا: احمد ترسون کو زیرِ تفتیش ملزموں کے باورچی خانے کا انچارج بنا دیا گیا تھا! ایک لحاظ سے یہ بڑی اہم ذمہ داری بھی تھی اور سنائی اس کی وضاحت بھی افسرانِ اعلیٰ کے سامنے کر کے بآسانی کسی الزام سے بری الذمہ ہو سکتا تھا۔

اس سے پہلے یہاں دو تین ایسے واقعات دیکھنے کو ملے تھے کہ کسی باورچی نے میس انچارج کی نظر بچا کر کسی ملزم کے کھانے میں نشہ آور شے ملا کر کھانا اس تک پہنچا دیا۔ اس طرح زیرِ تفتیش ملزم بآسانی ”وقتی مار پیٹ“ کے اثر سے محفوظ ہو جاتا تھا..... اور ایک مرتبہ اگر خاصے تشدد کے بعد بھی کوئی ملزم جرم کا اقرار نہ کرتا تو اس پر بے گناہ ہونے کا ”شک“ کیا جاسکتا تھا۔

اس کے بعد سے میس انچارج کی ڈیوٹی خاصی سخت قسم کی ہو گئی تھی۔ وہ عموماً کھانا پکتنے کے بعد اسے ڈاکٹر سے ٹیسٹ کرواتا اور پھر اپنی نگرانی میں تقسیم کرواتا تھا۔

☆☆

احمد ترسون نے بڑی فراخ دلی سے اپنی نئی ذمہ داریوں کے پروانے پر دستخط کئے اور باورچی خانے کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاں تھوڑی دیر بعد 1.1 CapTrue سامنا پکٹنے والا تھا۔ زیرِ تفتیش ملزموں کی کوششیں جہاں وہ بند کئے جاتے تھے، دو قطاروں کی صورت میں زیرِ زمین بنائی گئی تھیں۔

دونوں قطاروں کے دروازے بھی ایک دوسرے کے سامنے نہیں کھلتے تھے بلکہ ان کی پشت آپس میں ملی ہوئی تھی۔ اس طرح یہاں بند لوگوں کو زیادہ سے زیادہ وقتی اذیت پہنچانے کا سامان کیا گیا تھا، تاکہ انہیں ایک دوسرے کی شکل بھی نظر نہ آ سکے۔

ان کوٹھڑیوں سے جب کسی ملزم کو تفتیش کے لیے لے جایا جاتا تو اس کے منہ پر کیمبل ڈال دیا جاتا تاکہ وہ دوسروں کو اور دوسرے اسے نہ پہچان سکیں۔ اسی حالت میں بعد از تفتیش انہیں یہاں لاکر بند کر دیا جاتا تھا اور مبینوں ایک دوسرے کے نزدیک رہنے کے باوجود بھی یہاں گرفتار لوگ ایک دوسرے کی شخصیت سے بے خبر رہتے تھے۔

اس خطرے کے پیش نظر کوئی ملزم اونچی آواز سے ساتھ والوں کو اپنی شناخت نہ کروا دے، انہیں آپس میں گفتگو کرنے یا اونچی آواز میں بولنے کی سختی سے ممانعت کی گئی تھی۔ عموماً اس جرم کے مرتکب ملزموں کو بڑی غلامانہ سزا دی جاتی تھی، تاکہ دوسروں کو صیحت ہو۔ انہیں اچھی طرح مارنے پینے کے بعد ان کا منہ کالا کر کے ان کو کوٹھڑیوں کے آگے گھمایا جاتا اور ان کو مجبور کیا جاتا کہ اپنے بارے میں انتہائی بے ہودہ الفاظ کی نگرار کریں۔

ان تمام اقدامات کے باوجود آئے دن کوئی نہ کوئی ملزم ضرور اس ”گناہ“ کو مرتکب ہو جاتا۔ اس سلسلے میں انہیں پہریداروں کی ہمدردیاں بھی حاصل تھیں۔

یہاں مختلف گروپوں سے تعلق رکھنے والے مجاہدین نظر بند تھے، لیکن وہ سب ہی فیضانِ اوغلو سے عاتقانہ تعارف رکھتے تھے۔ فیضانِ اوغلو زیرِ زمین دنیا کے لوگوں میں پراسرار اور جری مجاہد کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا۔ اس نے قلیل عرصے ہی میں اتنے زیادہ کارنامے انجام دے لئے

Capture and PDF by Qamar Abbas

تھے کاب وہ ان مجاہدین کے نزدیک ایک بہترین طبیعت والا اور چمکا تھا۔ اس کی آمد کے ساتھ ہی اس کا ذکر بھی اس چار چریل میں پہنچ گیا۔ جہاں مجاہدین میں پریشانی کی لہر دوڑی تھی وہاں اس کی آمد سے ان کا اعتماد بھی بڑھنے لگا تھا فیضان کو جب پہلی مرتبہ بے ہوشی کے عالم میں یہاں لایا گیا تو ”نعرہ بکبیر“ اللہ اکبر کے قلمک شکاف نعروں سے اس کے جانباز ساتھیوں نے اسے خوش آمدید کہا تھا۔

مسلسل مار پیٹ نے گوکہ جسمانی طور پر اسے مڑ حال کر دیا تھا۔ لیکن اس کے عزائم کو توڑنے والا کوئی انٹیلی یا کیسیادی ہتھیار ابھی تک افغانی یا روسی افواج کے ہاتھ نہ لگا تھا۔ ہر دفعہ جب وہ تشدد کا سامنا کرتے بے ہوش ہونے کے بعد ہوش میں آتا تو ایک نیا ولولہ اور ایک نیا جوش اپنے اندر موجود پاتا۔

☆ ☆ ☆  
امیر دادخان کو چند مہینوں کی صحبت نے اسے گوشت پوست کے معمولی سے انسان سے مرد آہن بنا کر رکھ دیا تھا۔ اگر اس کے جسم کی بوٹی بوٹی بھی افغانستان کی آزادی کے نام پر نوجو لی جاتی تو بھی خود کو خوش قسمت گردانتا اور بخوشی جان سے گزر جاتا۔ یہاں موجود پہریدار اس کے عزیم و استقلال پر سست بعد اس سے رات تک اس نے ہوش میں آنے کے بعد کبھی پانی بھی طلب نہ کیا تھا۔ وہ خود ہی افسران سے چوری چھپے سے پانی کے دو گھونٹ پلا دیتے تھے۔

آج پہلی مرتبہ فیضان کے لئے طرموں کے مطبخ سے کھانا آرہا تھا۔ اس نے اس ”نوازش“ کو بھی دشمن کی چال ہی گردانا اور دل ہی دل میں مسکرا کر رہ گیا۔ ”مطبخ“ کا نیا انچارج احمد ترسون اپنی زیر نگرانی طرموں میں کھانا تقسیم کر رہا تھا۔ وہ ایک ایک قیدی کو بڑے سخت گیر لہجے میں مخاطب کرتا اور ساتھ ہی دو چار جھڑکیاں بھی پلا دیتا۔

فیضان اوٹلو کو حاضقی اقدامات کے تحت بالکل آخری سرے والی کوٹھڑی میں بند رکھا گیا تھا۔ اس کے بعد دو تین کوٹھڑیاں بطور احتیاط خالی رکھی گئی تھیں تاکہ وہ چنچ کر بھی کسی کو مخاطب کرنا چاہے تو نہ کر سکے۔ احمد ترسون ٹہلتا ہوا اب اسی کوٹھڑی کی طرف جارہا تھا۔ کوٹھڑیوں کا پہرے دار دروازے پر کھڑا تھا۔ وہ ماحول سے بے نیاز اس راشن پر نظر رکھے ہوئے تھا جو قیدیوں میں تقسیم ہو رہا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ احمد ترسون کسی طرح وہاں سے بڑے تو راشن تقسیم کرنے والے عساکر سے بھی چوری چھپے طرموں کے کھانے میں سے کسی قدر حصہ دے دیں۔ جب احمد ترسون ٹہلتا ہوا آخری کوٹھڑی تک پہنچ گیا تو اس نے بھی اپنی تھالی نکالی کر چپکے سے راشن تقسیم کرنے والے کی طرف بڑھادی۔

”عقاب کو سلام پہنچے“.....

احمد ترسون نے اس کوٹھڑی کے نزدیک پہنچ کر فیضان اوٹلو کو مخاطب کیا۔

”عقاب“ کے لفظ پر فیضان چونکا..... کہیں دھوکا تو نہیں ہو رہا۔

”سیاہ عقاب کی طرف سے سلامتی کی دعا پہنچے۔“



Capture and PDF by: Qamar Abbas

کتاب گھر کی پیشکش

احمد ترسون کے اگلے فترے نے اس کا خیال پورا کر دیا۔  
 ”کوہسار باقی..... افغان باقی.....“ فیضان اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے بولا۔

یہ ایک طرح کا سوال تھا جس کا مطلب دوسرے سے شناخت طلب کرنا تھا۔ احمد ترسون کے اگلے دو تین فتروں کی ادائیگی نے فیضان اوغلو کے تمام دسوے ختم کر دیے۔ وہ بے اختیار آگے کی طرف جھک گیا۔  
 ”سیاہ عقاب کا پیغام ہے۔“

احمد ترسون اس طرف آتے باورچیوں کو دیکھ کر فوراً ایک قدم پیچھے ہٹا اور خواہوا فیضان کو ڈانسنے لگا۔  
 ”تم لوگ اس قابل ہرگز نہیں کہ تمہیں کھانے پینے کو ملے۔ تمہیں تو سکا سکا کر مارنا چاہیے۔ ملاؤں نے تو تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے۔“

اس نے فیضان کے سامنے اچھا خاصا کیچر چھاڑ دیا۔

وہ سر جھکا کر احمد ترسون کی باتیں سنتا رہا.....!

CapTrue 1.1

باورچی ایپ پلاسٹک کی پلیٹ میں اس کے سامنے ترکی اور روٹیاں پھینک کر چلے گئے۔ احمد ترسون وہیں کھڑا رہا۔

یہ بات اس کے فرائض میں شامل تھی کہ وہ کھانا کھاتے ہوئے مضمون پر آخری وقت تک نظر رکھے تاکہ کسی شک کی صورت میں فوراً کارروائی عمل میں لائی جاسکے۔

وہیں کھڑے کھرے احمد ترسون نے اس کاغذ پر لکھا ہوا سارا پیغام جو اس نے پڑھ کر جلا دیا تھا فیضان اوغلو تک پہنچا دیا اور خود اس کے سامنے سے ہٹ کر باری باری باقی گرفتاروں کا جائزہ لینے لگا.....!!

☆☆

رات کے قریب 10 بجے کا عمل تھا۔ فیضان اوغلو اپنی کوٹھڑی کے ایک کونے میں نماز سے فراغت کے بعد اپنی جسمانی تکالیف سے نجات پانے کے لیے اپنا ذہن اگلے ایجنڈے کی تیاری میں مصروف کئے دیوار سے ٹک لگا کر بیٹھا تھا۔ جب یونا کوف کی طرف سے اس کے فریستادہ درندے اسے لینے آ گئے۔

اس مرتبہ خاصہ شریفانہ انداز میں لے جایا جا رہا تھا۔ صرف معمول کی کارروائی کے مطابق اس کے منہ پر کسبل ڈالا گیا تھا۔ پہلے کی طرح اس کی سمجھا جاتی نہیں کی جا رہی تھی۔ اسی ہال کے کمرے کے اندر پہنچ کر اس کے چہرے سے کسبل الگ کر کے اسے اندر دھکیل دیا گیا۔

ہال کے کمرے کے ایک کونے میں چھت کے ایک کنڈے سے ایک رسلنگ رہا تھا۔ میجر یونا کوف نے اس سمت میں اپنی چھڑی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”تمہیں اللہ کا کمرے پہلے مرحوں کی دعوتی دی جائے گی، اس کے بعد جسم کا بند بند کاٹ کر الگ کر دیا جائے گا..... یہ عمل اس وقت تک

Capture and PDF by: Qamar Abbas دو ٹک نہ بک دو

”میرا“ فیضان اولٹو نے پہلی مرتبہ اسے نرم لہجے میں مخاطب کیا۔ ”اس سزا سے میں ڈرنے والا نہیں۔ نہ میں تمہارے ڈرانے دھمکانے سے کوئی بات کہنے والا ہوں میرا خیال ہے کہ اس کھیل کو ختم کر کے ہم دوسرے ماحول میں کوئی بات کریں..... لیکن تمہارے ساتھ نہیں..... اس لیے کہ مجھے بہر حال کچھ ضمانت درکار ہوگی۔ اور وہ تم نہیں دے سکتے.....“

میرجیو ناکوف کی مکارانہ اور گہری نظریں فیضان پر گڑی ہوئی تھیں۔ وہ اس کے چہرے پر کچھ تلاش کر رہا تھا۔ شاید جھوٹ یا چالاکی کے تاثرات..... لیکن فیضان اولٹو جیسے ملزم سے اس کا سامنا شاید اس سے پہلے کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔

ایک ڈیڑھ منٹ تک اس کی طرف ہلکی لگا کر گھورنے کے بعد جب اسے وہاں چالاکی ہو شکاری دور دور تک نظر نہ آئی تو اسے فیضان کی پیش کش سے متعلق کچھ سوچنا پڑا۔ دوسرے ہی لمحے وہ کسی نتیجے پر پہنچ چکا تھا۔

”اس بات کی ضمانت کیا ہوگی کہ تم ہمارے ساتھ تعاون کر رہے ہو؟“.....

اس نے فیضان اولٹو کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

CapTrue 1.1

فیضان نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

”میرا خیال ہے اس سلسلے میں تم میری کوئی مدد نہیں کر سکو گے۔“ اس کے لہجے کا سکون برقرار تھا۔ وہ اپنے کسی بھی غیر معمولی عمل سے کے جی بی کے تربیت یافتہ اس میجر کو شک میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ اس کی کامیابی کا راز اس کی شاندار انکسٹنگ ہی کے مرہون منت تھا۔ کیونکہ وہ کے جی بی کو دوسری مرتبہ دھوکا دینے جا رہا تھا۔

”کچھ بولو گے بھی.....“

یو ناکوف نے بڑی جدوجہد سے اپنے لہجے کو نارمل بنائے رکھا۔

”میں سوائے کرل شولوف کے اور کسی سے اس مسئلے پر بات نہیں کروں گا۔“ فیضان نے قسمی اور دو ٹوک لہجے میں جواب دیا۔

میرجیو ناکوف پریشان ہو کر رہ گیا۔ اس سے تو وہ صورت حال زیادہ بہتر تھی جب وہ اپنے جرم کا اقرار نہیں کر رہا تھا۔

اس نے اچانک ہی گیند میرجیو ناکوف کے کورٹ میں پھینک کر اسے بری طرح الجھا دیا تھا۔ اگر وہ خود اس معاملے کو زبردستی چنڈل کرنے کی کوشش کرتا تو ممکن تھا کہ فیضان اولٹو دوبارہ اسے اکھڑ جاتا۔ اگر کرل شولوف تک معاملہ پہنچا تو اس کی ناراضی کا خطرہ اپنی جگہ موجود تھا۔

تیسرا خیال سب سے زیادہ پریشان کن تھا: کہ کہیں فیضان اولٹو سے ڈاج تو نہیں کر رہا..... اس نے ماضی میں یہی کچھ تو کیا تھا۔

میرجیو ناکوف کو ان تمام اذیت ناک سوچوں سے فرار کا صرف ایک ہی راستہ نظر آیا کہ وہ سارا معاملہ کرل شولوف تک پہنچا کر خود اس سے الگ ہو رہے۔ اس طرح کم از کم آئندہ پیش آنے والے منفی حالات سے تو وہ خود کو بری الذمہ ثابت کر سکتا تھا۔ بات اس تک محدود ہی نہیں رہ

Capture and PDF by: Qamar Abbas

سکتی تھی۔

فیضان اوٹلو کی پیش کش کو یہاں موجود تمام عساکر نے سن لیا تھا اور ان میں سے کوئی بھی کرل شلوخوف تک یہ بات پہنچا سکتا تھا۔ وہ خود کے۔ جی۔ بی کا میجر تھا اور جانتا تھا کہ ہر بڑا افسر ہر چھوٹے افسر پر آنکھ رکھنے کے لیے اس کے پیچھے اس سے چھوٹے افسر کو لگا دیتا ہے۔

”ٹھیک ہے..... اسے واپس لے جاؤ۔“

اس نے انہی عساکر کو حکم دیا۔ جو اسے یہاں تک لائے تھے۔

جب فیضان اوٹلو اپنی کوٹھڑی کی طرف واپس جا رہا تھا تو اسے اس بات کی خوشی ضرور تھی کہ اس نے کم از کم کچھ عرصے ہی کے لیے کسی میجر یونا کوف کو ڈپٹی اذیت میں مبتلا تو کر دیا ہے۔

دوسری طرف فیضان کے رخصت ہوتے ہی میجر یونا کوف نے اپنے سامنے رکھے انٹرکام پر کرل شلوخوف کو مخاطب کر کے اس تک یہ سارا معاملہ پہنچا کر گویا اپنے سر سے بوجھ اتار دیا۔

کرل کی طرف سے ہدایت وصول ہونے پر اس نے مطبخ کے انچارج سے رابطہ قائم کیا اور اپنا سرکری کی پشت سے سہلاتے ہوئے اسے فیضان 1.1 CapTrue کے کرلسلہ منقطع کر دیا۔

☆☆

تھوڑی دیر بعد احمد ترسون میجر یونا کوف کے خصوصی حکم پر اس کے لیے کافی تیار کر کے لے جا رہا تھا۔ جب وہ فیضان اوٹلو کے سامنے پہنچا تو دونوں ہی زیر لب مسکرا دیئے۔

صبح تک فیضان نے کسی سے رابطہ قائم نہ کیا۔ کافی کالگ ختم ہونے تک کوٹھڑیوں کا منتظم اس کے لیے دو فالتو کبیل بھی لے آیا تھا۔ احمد ترسون نے چوری چھپے اس تک درد سے نجات کی دو گولیاں بھی پہنچا دی تھیں۔

صبح اس کی آنکھ قمری کوٹھڑی سے بلند ہوتی اذان کی آواز کے ساتھ کھلی۔ ایک ”ضابطہ“ کو آواز دے کر اس نے اپنے دھوکہ کرنے کے لیے پانی طلب کیا اور تھوڑی دیر بعد وہ خدائے بزرگ و برتر کے حضور سجدہ ریز ہو کر اپنے منصوبے کی کامیابی کے لیے دعا گو تھا۔

نماز کی ادائیگی کے بعد گرفتار شدگان کو کھانچ ضروریہ سے فراغت کے لیے ایک ایک کر کے لے جایا جاتا تھا۔ آج فیضان اوٹلو کو نہ صرف خصوصی طور پر غسل کرنے کی اجازت تھی بلکہ اس کے لیے ایک پرائیویٹ کپڑوں کا جوڑا بھی موجود تھا اور اس کے ضبط شدہ ادنیٰ کپڑے بھی لوٹا دیئے گئے تھے وہیں سے عساکر اسے کرل شلوخوف کے کمرے کی طرف لے گئے۔ وہ اس حالت میں اسے دوبارہ کوٹھڑیوں میں لے جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔

کرل شلوخوف ایک میز پر ناشتہ سہائے اس کا منتظر تھا۔

”خوش آمدید.....“ اس نے فیضان کو سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

کمرے کے ایک کونے میں صرف ایک ہی صوفی پر سے دو موٹی بوڑھی لڑکیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ Capture and PDF by: Qamar Abbas

”اپنے دوستوں کے لیے ہمارے پاس بے شمار محبت ہے مسز اوٹلو۔!“

اس نے کافی گلاب خود بنا کر اس کی طرف بڑھایا۔

”شکریہ جناب۔“ فیضان اوٹلو نے نہایت عاجزی کا مظاہرہ کیا۔

”ان ملاؤں کے ورغلانے میں کوئی کب تک آ سکتا ہے۔ مسز اوٹلو! ہم تمہارے دشمن نہیں۔ ہم غیور افغانوں کے دوست ہیں۔ ہم چاہتے ہیں ہمارے دوست ترقی کریں۔ اس بورژوائی نظام سے نجات حاصل کریں جو ملاؤں اور سرداروں نے ان پر صدیوں سے مسلط کر رکھا ہے۔ ہم شخصی آزادی کے تقدس کی بحالی کا عزم لے کر آئے ہیں۔ ہم ان پہاڑوں سے دودھ کی مہریں نکال دیں گے تاکہ ہمارے عظیم دوست دنیا کی ہر نعمت سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اس کے عوض ہم صرف دوستی چاہتے ہیں صرف دوستی۔!“ جانے وہ اور کیا کیا کہتا کہ اوٹلو نے اسے روک دیا۔

”کرٹل مجھے تمہاری باتوں پر پورا یقین ہے۔ افسوس میں ان لوگوں کی چٹکی چڑی باتوں میں آ گیا۔“ پھر اس نے اچانک بڑی پرامید نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا: ”کرٹل مجھے کیا دوبارہ ماسکو نیورشی میں داخل مل جائے گا۔“

CapTrue 1.1  
”یوں نہیں۔ ہمارے دروازے واپس آنے والوں کے لیے ہمیشہ سے کھلے ہیں۔!“

”آپ واقعی ہمارے عظیم دوست ہیں کرٹل۔“

ماسکو نیورشی میں حاصل کی گئی سٹیج ڈرامے کی ایکٹنگ اس کے صحیح معنوں میں آج کام آ رہی تھی۔

”اپنی پچھلی زندگی کو بھلا دو۔“ کرٹل نے اسے بظاہر بڑی شفقت سے کہا۔

”شکریہ جناب والا! بہت شکریہ۔ میں اپنی وقاداری کا ثبوت آپ کی توقعات سے بڑھ کر دوں گا۔“ اس نے خاصے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔

کرٹل شلوخوف نے زبان سے کچھ کہنے کے بجائے صرف نظریں اٹھا کر استغماہیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے پر ہی اکتفا کیا:

”میں امیر دادخان اور اس کے گروہ کو گرفتار کروادوں گا کرٹل۔“ اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ کر تھوڑا سا سسپنس پیدا کیا۔

کرٹل شلوخوف نے بے یقینی کے عالم میں اس کی طرف دیکھا۔

”آج ہی کرٹل۔ آج رات ہی۔ میں نے کہا تھا کہ آپ کو یقین نہیں آئے گا۔“

”اور اگلے ہفتے آج ہی کے دن تم ماسکو میں زندگی کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو رہے ہو گے۔“

کرٹل نے بڑے وثوق سے اسے یقین دلایا۔

”مجھے صرف آپ کی زبان پر یقین ہے کرٹل۔ صرف آپ کی زبان پر۔ میں افغان انتظامیہ سے بات بھی نہیں کروں گا۔“

فیضان کا لہجہ خاصا جذبہ بانی ہو رہا تھا۔

”تم مطمئن رہو کا مرید.....“ Capture and PDF by: Qamar Abbas

کرٹل شولوفوف نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔

فیضان اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے مصافحہ کرنے میں کچھ زیادہ ہی گرجبوشی کا مظاہرہ کیا تھا۔

کرٹل شولوفوف کے چہرے سے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ وہ فیضان اوغلو کی بات سے خاصا متاثر نظر آ رہا ہے۔ اس نے آنکھ کے اشارے سے وہاں موجود واحد پہرے دار کو بھی باہر جانے کا حکم دے دیا۔ یہ واحد پہرے دار جو ابھی تک یہاں موجود تھا۔ روسی فوج کا سپاہی تھا اسے پشتو زبان آتی ہی نہیں تھی جس میں کرٹل شولوفوف اور فیضان اوغلو اب تک باتیں کر رہے تھے۔ پھر بھی کرٹل شولوفوف کسی بھی قسم کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے یہ بھی محسوس کر لیا تھا کہ فیضان اوغلو کو بھی اس کی یہاں موجودگی کھٹک رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد فیضان اوغلو ایک کانڈ پر الٹی سیدھی لیکریں کھینچ کر شولوفوف کو کچھ سمجھا رہا تھا۔ دونوں قریباً دو گھنٹے تک اسی نقشے پر بحث کرتے رہے جو فیضان کی انہی الٹی سیدھی لیکروں سے وجود میں آیا تھا۔ بالآخر وہ ایک نتیجے پر پہنچ گئے۔

”کرٹل.....“ نتیجے پر پہنچنے کے بعد فیضان اوغلو نے اسے مخاطب کیا۔ ”میں آپ کو کوئی مشورہ دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ نہ ہی ظاہر ہے آپ میرے حورے پر اس رنے کے پابند ہیں۔ میں آپ کی حکمت عملی بھی دریافت کرنا نہیں چاہتا۔ صرف ایک احتیاط کی طرف توجہ دلاؤں گا.....“

CapTrue 1.1

”کیا؟“ کرٹل نے بے صبری سے پوچھا۔

”اگر آپ نے حملہ کرنے سے پہلے وہاں کمانڈوز چھپانے کی کوشش کی تو ہماری ذرا سی بے احتیاطی سے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ آپ تصور نہیں کر سکتے کہ وہ لوگ کتنے محتاط اور خبردار ہیں۔ اس علاقے کے چپے چپے پر ان کی نظر ہے اور ایک مرتبہ اگر امیر داود خان ہاتھ سے نکل گیا تو سارے کابل کی فوج مل کر بھی اس کی گرد کو نہ پاسکتی گی۔“

اس نے اپنا آخری انسیاتی حربہ بھی آزمائے کا فیصلہ کر لیا اور حیرت زانیے پر لگا۔

کرٹل نے گہری نظروں سے اس کے چہرے کو منٹولا جہاں سنجیدگی کے سوا اور کچھ اسے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

”تم بے فکر ہو جاؤ مسٹر اوغلو.....“

”میرے خیال سے آپ پریشن بھی رات ہی کے وقت ترتیب دیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔“ اوغلو نے مشورہ دیا۔

”ٹھیک ہے..... فی الوقت تم وہیں رہو گے جہاں میں تمہیں بھیج رہا ہوں۔ تم سے کوئی کچھ دریافت نہیں کرے گا۔ اگر کوئی سوال بھی کرے

تو اسے دانت دینا۔ تم سوائے میرے اور کسی کی بات کا جواب دینے کے پابند نہیں.....“

کرٹل شولوفوف خود اسے آس آس کر دیکھتا رہا۔ جہاں اسے رات دس بجے تک کا وقت گزارنا تھا۔



آپریشن روم میں اسفندیار کرئل **Capture and PDF by: Qamar Abbas** سے سننے دیوار پر وہ نقشہ دنگ ہوا تھا۔ جس میں فیضان اوغلو کو نشان زدہ جگہ اور اس تک پہنچنے والے ممکنہ راستوں کی نشاندہی کی گئی تھی۔ ان لوگوں نے چھاپہ مارنے کے لیے رات کا وقت منتخب کیا تھا کیونکہ فیضان اوغلو کی اطلاع کے مطابق دن کے اوقات میں وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اس نے انہیں یہ بھی بتایا تھا کہ تخریب کا صرف اسے دیکھ کر سامنے آئیں گے۔ اگر فوراً حملہ آوروں نے بے صبری کا مظاہرہ کیا تو ہازی الٹ کر رہ جائے گی۔

”ایک بات ذہن میں آئی ہے فیضان ہمیں جس راستے سے لے جا رہا ہے۔ وہاں اچھی خاصی جمعیت چھپ سکتی ہے اور اس علاقے کی پوزیشن ایسی نہیں کہ ہم ان لوگوں کو گھیرے میں لے لیں پھر کسی ممکنہ مداخلت پر ان کے گرد گھیرا تنگ کرتے چلے جائیں اگر مکمل کر کارروائی کی گئی تو شہری آبادی زد میں آ جائے گی..... ہوائی حملے کے امکانات ہی نہیں.....“

ایک اعلیٰ افسر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“ شولوخوف نے چونکتے ہوئے کہا۔

سرا میرا مطلب ہے کہ یہ کوئی دھوکہ ہی نہ ہو..... اس جگہ گھیرے میں آنے کے بعد کسی بھی فوج کے بچ نکلنے کے مواقع کم رہ جاتے ہیں۔“

اسی **CapTrue 1.1** پر

اس کی بات پر شولوخوف تو ابھڑ گیا تھا لیکن اسفندیار نے زوردار قبضہ لگایا..... ”بیوقوف!“..... اس نے اس افسر کو مخاطب کیا..... ”تخریب کار کیا مکملی سڑکوں پر کنڈھوں پر راکٹیں سجائے گھوما کرتے ہیں۔ ان کا ٹھکانا کسی ہی کسی پناہ گاہ میں ہوگا۔“ افسر کسماسکرہ گیا۔

”کوئی رپورٹ آئی ہے ان لوگوں کی طرف سے.....“ کرئل شولوخوف نے اس گفتگو کا رخ دوسری طرف موڑنا چاہا۔ وہ منحنی نتائج کا تصور بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”ابھی تک تو نہیں..... ہمارے آدمی وہاں پھیل رہے ہیں۔“ اسفندیار نے جواب دیا۔

اس سے پہلے کہ اگلی کوئی بات ہو آپریشن روم کا بنگا بی ریسور چلانے لگا۔ ”ضروری پیغام“..... اسفندیار نے آگے بڑھ کر ایک ریڈیو سیٹ کے قریب رکھا چونکا منہ سے لگا لیا۔

”ڈائریکٹر آن دی لائن۔“ اس نے کسی کو مخاطب کیا۔

”جناب والا کنٹرول روم سے بات کیجئے“..... دوسری طرف سے کہا گیا۔

ٹھک کی آواز کے ساتھ کنٹرول روم سے رابطہ مل گیا۔ اس مرتبہ آواز بنگا بی ریسور سے بلند ہو رہی تھی۔

”ایڈوائس پارٹی کی رپورٹ ہے جناب کہ مشینہ نقل و حرکت نوٹ کی گئی ہے۔“

حالات پر کڑی نظر رکھی جا رہی ہے۔“

کنٹرول روم سے پیغام آ رہا تھا۔

”آؤت“..... کہہ کر ڈائریکٹر اس کی طرف اشارہ کیا۔

اس کے ساتھ ہی اس کا قبضہ گونجا۔ کرل شلوخوف کے کچے ہوئے اعصاب بھی نرم پڑنے لگے۔ اسفندیار نے اسی افسر اعلیٰ کی طرف رخ کیا۔ جس نے اس سے پہلے اندیشہ ظاہر کیا تھا۔

”اب کیا خیال ہے!“

وہ بے چارہ شرمندہ سا نظر آ رہا تھا۔

اس اطلاع کا مطلب یہ تھا کہ فیضان اوغلو اسے دھوکہ نہیں دے رہا تھا۔ بات واقع کچھ ضرورتی، ڈائریکٹر اسفندیار نے اس طرح کرل شلوخوف کی طرف دیکھا جیسے یہ کارنامہ بھی اسی نے انجام دیا ہو۔ اس نے دوبارہ ریڈیو سیٹ کے نزدیک پہنچ کر اس ”ایڈوانس پارٹی“ سے رابطہ قائم کیا۔ جنہیں پہلے اس علاقے میں ”لاچ“ کیا گیا تھا تا کہ وہ لوگ یہاں ”رکی“ کر کے تازہ ترین صورت حال کی اطلاع ان لوگوں تک پہنچا سکیں۔

☆☆

## CapTrue 1.1

یہ یار نے ایڈوانس پارٹی کو حکم دیا کہ وہ صورت حال پر کڑی نظر رکھیں اور بجائے کنٹرول روم کے براہ راست اسے رپورٹ کریں۔ ان لوگوں نے اس آپریشن روم کو آپریشن کے لیے ہنگامی بیڈ کوارٹر کی شکل دے لی تھی کیونکہ یہاں سے وہ ہر جگہ رابطہ قائم کر سکتے تھے۔

یہ آپریشن روم ”قوائے دوست“ کی آمد کے بعد سے کے۔ جی۔ بی۔ کی زیر نگرانی جدید ترین خطوط پر استوار کر دیا گیا تھا۔ اب یہاں سے کوئی بھی ”حکم“ جاری ہونے کے محض چند منٹ بعد متعلقہ محلے کے لوگ حرکت میں آ سکتے تھے اور اسی آپریشن روم کے کسی بھی ہنگامی حکم پر عمل پیرا ہونے کے لیے مختلف مقامات پر ”تیار بر تیار“ (Stand to) دتے موجود تھے جو صرف ”خاؤ“ کی کارروائیوں کے لیے مختص کئے گئے تھے۔

فیضان اوغلو کی کہی گئی بات کے حق میں ایک دلیل بھی کرل شلوخوف کے لیے نعمت غیر متزقہ سے کم نہ تھی کیونکہ وہ خوف کو خاصا پرسکون محسوس کرنے لگا تھا۔ یہ حقیقت تھی کہ اس افسر اعلیٰ کی طرف سے اٹھائے گئے پرازدخشات نکات پر وہ بھی پچھلے ایک گھنٹے سے مغز ماری کر رہا تھا لیکن نہ جانے کیوں وہ اپنے خدشات کا اظہار ان لوگوں کے سامنے نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”خدمت اطلاعات دولتی“ کے بیڈ کوارٹر میں فوراً افغانی کمانڈرز کا ایک دستہ تربیت پا گیا۔ جس کی کمان ایک روسی مہجر کو سونپی گئی۔ ”جہیں صرف فیضان پر نظر رکھنی ہے۔ اگر وہ فرار ہونے کی کوشش کرے تو اسے گولی مار دو“..... کمانڈرز میں سے ایک خوالدار کو جس کے سچے نشانے کا مظاہرہ اس سے پہلے بھی کرل شلوخوف کی مریدہ دیکھ چکا تھا۔ الگ کر کے اس نے ہدایات دیں۔

سورج غروب ہونے کے بمشکل چندہر منٹ بعد ہی آپریشن شروع ہو گیا۔ صبح ہی سے ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ سردی کی شدت پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ انہیں یہی امید تھی کہ تخریب کار سردی سے بچنے کے لیے اپنی پناہ گاہوں میں بیٹھے ہوں گے۔



پہلے حملہ رات کو دیر گئے کرنے کا نام Abbas Qamari PDF by Capture and PDF کی چھوٹی چھوٹی جزیات کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنی طرف سے تمام احتیاطیں بروئے کار لایا تھا۔ اس نے اتنا شاندار اور بھرپور منصوبہ ترتیب دیا تھا کہ اس پر شک کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

اسے علم تھا کہ کرفیو کے اوقات میں اس طرف کسی بھی سرکاری یا غیر سرکاری دھمکی کی ”خصوصی آمد“ تخریب کاروں کو شک میں جتا کر دے گی۔ اس نے سوائے ”ایڈوانس پارٹی“ کے چار جوانوں کے اور کسی کو اس طرف پھٹکنے سے سختی سے منع کر دیا تھا۔ کرنل شولوخوف نے اس پرائیویٹ ٹرانسپورٹ کمپنی کی ایک بس حاصل کی تھی جو اس طرف جایا کرتی تھی۔ اس بس میں اس نے کمانڈر کو سولین لباس میں چھپا کر اس طرف روانہ کیا تھا۔

بس کی روانگی کے لیے وہی وقت منتخب ہوا تھا۔ جس وقت پر اس کمپنی کی ایک بس واقعی وہاں سے گزر کر جلال آباد جایا کرتی تھی۔ اس نے اپنی دانست میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ اس بس کو چھپانے کے لئے اور کمانڈر کے چھپ کر اور وہاں موجود تخریب کاروں کی نظروں سے بچ کر چلنے کے لیے جگہ اور راستے ایڈوانس پارٹی نے تلاش کر لیے تھے۔ انہوں نے اس علاقے میں مقامی دیہاتیوں کے روپ میں ریکی کرنے کے بعد تمام حالات پس CapTrue 1.1 ترتیب دی تھی اس پر بحث کرنے کے بعد ہی ان لوگوں نے ایک اٹھ لاکھ مل ترتیب دیا تھا۔

بس ”خاؤ“ کے قلعہ نما دفتر کے صحن میں کھڑی تھی اور اس کی چھت پر بھاری مشین گنیں دونوں اطراف نصب کرنے کے بعد اس طرح کیومرلاج کر دی گئی تھی کہ ان کے نظر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن وہ چند سیکنڈ کے نوٹس پر حرکت میں آ سکتی تھیں۔ ان مشین گنوں کے ساتھ کمانڈر کو کولن کران پر ترپال ڈال دی گئی تھی اور بادی انظر میں یہی دکھائی دیتا تھا کہ بس کے اندر بیٹھے ہوئے مسافروں کا سامان اوپر چھت پر رکھا ہوا ہے۔ کابل سے جلال آباد کی طرف جانے والی بسوں پر رکھے سامان پر اس طرح ترپال ڈال کر باندھ دیا جاتا تھا خصوصاً بوند بادی کے ایسے موسم میں جس میں یہ لوگ سفر کر رہے تھے۔

بس کے اندر موجود کمانڈر نے اپنا اسلحہ سیٹوں کے درمیان رکھا ہوا تھا اور انہوں نے چادریں اوڑھی ہوئی تھیں۔ اگر کوئی کھڑکیوں میں لگے بڑے بڑے شیشوں سے بھی اندر جھانک کر دیکھتا تو اسے اندر کچھ نظر نہ آتا۔

تخریب کاروں پر حملہ کرنے کی رپورٹ ملنے کے بعد دو تین گھنٹوں سے کر رہے تھے۔ ایک مرتبہ پھر انہوں نے کرنل شولوخوف کے سامنے اس رپورٹ کا شاندار مظاہرہ کیا۔ کرنل نے مطمئن انداز میں سر ہلایا اور میجر ششگلن کو بلا کر کچھ خصوصی ہدایات دیں۔ اس کے بعد اس نے فیضان کو کچھ سمجھایا۔

اس کے منہ کے مستقبل کے سپنے کی شاندار جھلک اسے دوبارہ دکھائی اور اس تسلی کے ساتھ کہ اس کی جان ہر طرح محفوظ رہے گی۔ اسے کمانڈر کے ساتھ بس میں سوار کر دیا۔

وہ حوالدار جس نے فیضان اوغلو پر نظر رکھی تھی۔ وہیں سے اس کے ساتھ چپک کر بیٹھ گیا تھا۔ اسے جان بوجھ کر فیضان اوغلو کے ساتھ والی

Capture and PDF by: Qamar Abbas

سیت پر بیٹھا یا گیا تھا۔

☆☆

احمد ترسون نے بس کی روانگی کا نظارہ اپنے ہلاک کی بالکونی سے کیا تھا بس روانہ ہونے سے کچھ دیر پہلے ہی وہ بالکونی سے نیچے اتر آیا۔ اس نے آخری تیاریاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تھیں۔ اس کا رخ سنائی کے کمرے کی طرف تھا:

”جناب والا آج مجھے چھٹی مل جائے گی تھوڑی دیر کے لیے؟“.....

اس نے بڑی ہنسی لگا ہوں سے درخواست کی۔

”نہیں“..... سنائی نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

احمد ترسون کو اس سے اسی جواب کی توقع تھی۔

”جناب! میرا والد شدت سے میرا منتظر ہے۔ مجھے کم از کم ڈیڑھ دو گھنٹے کی چھٹی ہی دے دی جائے تاکہ اس سے.....“

میں نے کہا تاکہ چھٹی نہیں مل سکتی“.....

CapTrue 1.1

سے رپہ راخت لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے جناب..... جو آپ کا حکم“..... کہہ کر احمد ترسون اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اپنے کمرے میں وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتا ہوا جابا رہا تھا۔ اس کے ساتھی اس کی اور سنائی کی معاصرانہ چشمک سے آگاہ تھے۔ اس لیے اسے دیکھتے ہی وہ ساری بات خود بخود سمجھ گئے اور زیر لب مسکرانے لگے۔ اگر سنائی چاہتا تو اسے چھٹی دے بھی سکتا تھا کیونکہ احمد ترسون کوئی ایمر جنسی ڈیوٹی تو دے نہیں رہا تھا۔

اس نے اپنی میز پر رکھا ہوا ٹیلیفون اٹھایا اور باپ کی دکان کا نمبر محمد دیا۔

”ہیلو بابا جان..... خالد میرا انتظار کر رہا ہوگا اسے کہو تھوڑی دیر بعد جانے والی کا بل غزنی فرانسپورٹ کی بس پر بیٹھ کر چلا جائے۔ مجھے آج تو کیا ایک ہفتے تک بھی چھٹی نہیں مل سکتی“..... اس کی بات پر وہاں موجود اس کے ساتھی قہقہہ مار کر ہنس دیے۔

”خاد“ کی ٹیلیفون ایکنجھ میں بیٹھا آپر پر بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ اسے ساری بات سمجھ آ گئی تھی۔ یہاں موجود ہر شخص چھٹی کو خدائی عطیہ جاننے لگا تھا۔ شاید ہی کوئی خوش قسمت ایسا ہوتا جسے ہفتے میں ایک دن گھر جانے کی اجازت مل جاتی۔ جب سے ایمر جنسی کا اعلان ہوا تھا۔ وہ لوگ خود کو اس چارہ دیواری میں قیدی جاننے لگے تھے۔ انہیں سارے دن میں بمشکل لچ کاٹم کے وقت ہی ایک گھنٹہ فرصت کا میسر آتا تھا۔ جس دوران وہ یہاں سے باہر نکل کر کھلی فضا میں سانس لے سکتے تھے۔ وہ تو بے چارے سارا سارا دن وہیں اپنے اپنے کمروں میں بیٹھے رہتے تھے۔

خادے خان کے پاس دو پہری سے احمد ترسون کا کوئی دوست جلال آباد سے آیا بیٹھا تھا۔ احمد ترسون نے اپنے والد کو بتا رکھا تھا کہ وہ آج شام کو اسے ملنے آئے گا کہ اب اچانک اس کا فون آ گیا۔

اس کا بیٹا اتنے غصے میں دکھائی دے رہا تھا کہ اس نے اپنے چچا جلال آباد کے اپنے دوست سے بات کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔ خادے خان اس کی اس بے دردی پر حیران رہ گیا۔ یہ بات اس کی پٹھانی روایات کے سراسر خلاف تھی۔ اسے اپنے بیٹے پر غصہ آ رہا تھا۔ سرکار کی نوکری کرتے کرتے وہ اپنی روایات کو بھی فراموش کرنے لگا تھا۔

خادے خان نے بڑے معذرتی لہجے میں اس کے دوست کو اطلاع دی اور اس کا پیغام بھی دھرا دیا۔  
 ”وہی ٹرانسپورٹ بیٹا..... جس کی بیس یہاں سے غزنی اور دوسری طرف جلال آباد کے لیے چلتی ہیں۔“

خادے خان نے اسے مکمل اطلاع بہم پہنچائی۔  
 ”کوئی بات نہیں..... اصل میں سرکاری نوکری ہے ہی بری چیز.....“

خالد نے اظہارِ افسوس کیا۔  
 ”ہاں بیٹا! لیکن اس نالائق کو سمجھائے کون.....“

خادے خان بولا۔

CapTrue 1.1

”چراغِ برور سے پتہ چاہئے شاید توڑی دیر بعد مجھے لاری بھی منل سکے۔ کرفیو لگ جاتا ہے نا۔“  
 خالد نے اٹھنا چاہا۔

”نہیں بیٹا۔ تم میرے ساتھ گھر چلو..... یہ مناسب نہیں لگتا.....“  
 خادے خان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”نہیں بزرگوار۔ پھر کبھی سہی..... احمد کو ظلم ہے کہ مجھے آج رات واپس پہنچنا ہے۔ وہاں بھی کام کا ہرج بورہا ہوگا۔ اسی لیے اس نے کہا ہے..... آپ برا نہ منائیں۔ وہ میرا بہت بے تکلف دوست ہے۔“ خالد نے بوڑھے خادے خان کو تسلی دی۔ ”اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے دوست کو فون کروں۔“

”کیوں نہیں بیٹا..... کہتے ہوئے خادے خان نے فون اس کی طرف بڑھا دیا۔

خالد نے ایک نمبر ملا کر اپنے کسی دوست کو اپنی آمد اور روانگی کی اطلاع دی اور بتایا تھا کہ وہ کابل غزنی ٹرانسپورٹ کی بس سے جلال آباد جا رہا ہے۔ فون کرنے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ آخری لاری کی روانگی کا وقت ہو رہا تھا۔ اس کے ”نا“ ”نا“ ”نا“ کرنے کے باوجود خادے خان اسے لاری اڑے تک چھوڑنے کے لیے اس کے ساتھ جانے پر تیار ہو گیا۔

ابھی وہ لوگ بمشکل وہاں سے ایک ڈیڑھ فرلانگ چل کر لاری اڑے کے قریب ہی پہنچے تھے جب اچانک احمد ترسوں کے دوست کو نزدیکی بازار میں کوئی ”ضروری کام“ یاد آ گیا اور اس نے خادے خان کا شکریہ ادا کر کے اس سے جان چھڑالی۔

”الحمد للہ..... پیغام سننے ہی بے اختیار امیر داود خان کے منہ سے نکلا۔“ اللہ نے فضل کیا اور فیضانِ اوقلو کا منصوبہ کامیاب رہا۔“

”الحمد للہ“..... اس کے نزدیک **Capture and PDF by Qamar Abbas**

”قاسم!..... ساتھیوں کو چوکس کر دو..... آج اللہ نے ہمیں دشمن سے کامل میں براہ راست دودو ہاتھ کرنے کا موقعہ دیا ہے..... اس موقع کو قیمت جانو..... اللہ ہمارا مددگار رہو.....“ اس نے قاسم ایٹان زاوے کو مخاطب کیا۔

”بے شک یا امیر۔“

مختصری دعا کے بعد مجلس برخواست ہو گئی۔

جس جگہ وہ لوگ بیٹھے تھے وہ پہاڑی سلسلے سے ملتی ایک جدید اور ماڈرن آبادی تھی جہاں کامل کے رؤسا اور افسران قیام پذیر تھے۔ عام شہری تو اس کالونی کے نزدیک پھٹکنے کی جرات بھی کر سکتا تھا۔

اس ماڈرن کونٹری کے ایک تہ خانے میں رکھے ایک ٹرانسمیٹر کے ذریعے یہ پیغام مجاہدوں تک پہنچ گئے۔

قاسم کے بعد اس کے باقی ساتھی بھی ایک ایک کر کے باہر نکل گئے۔ قریب آدھ گھنٹے بعد وہ لوگ اپنی اپنی جگہ پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے یہاں تک پہنچنے کے لیے جو راست اپنایا تھا وہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔

**CapTrue 1.1**

پہاڑوں کے مشکل ایک فرلانگ بعد ہی مجاہد مورچہ بند ہونا شروع ہو گئے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ انہیں محیر العقول کارنامہ انجام دینا ہے: افغانستان کے سب سے بڑے شہر میں..... رومی افواج کے مرکز میں..... حکومتی طاقت کے گڑھ میں بیڑہ کر انہیں حکومت سے نکرانا تھا۔

غیر ملکی خود ساختہ قاتل کو بتانا تھا کہ پہاڑوں کے بیٹے آزاد فضاؤں کے مکین ہیں۔ غلامی کا لفظ ان کی کسی..... لغت میں موجود نہیں۔

وہ آزاد پیدا ہوتے اور آزادی سے زندہ رہ کر مرنے کے قائل ہیں۔ غلامی کی زندگی سے وہ باوقار موت کو ہر حال میں بہتر جانتے ہیں۔ یہ آزادی، احوت، جہانپانی اور جائیداد کی ان کے فیر میں رنج بس چکی ہے۔ انہوں نے سر جھکانا سیکھا ہی نہیں۔

وہ سر پہ فلک کی چوٹیوں جیسے بلند اور ناقابل تغیر عزائم سینوں میں رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں:

”کوہسار باقی..... افغان باقی“..... اور کوہساروں کو موت نہیں۔

☆☆

کابل غزنی ٹرانسپورٹ کی بس کمانڈر واپس پینٹ میں سیٹے بڑی تیز رفتاری سے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی۔ ”مہاجر ششکلن“ وڈ سکرین کے باہر سڑک پر نظر میں جمائے بیٹھا تھا۔ ہلکی ہلکی پھوار کے بعد اب دھند پھیلنا شروع ہو گئی تھی۔ بس کی تیز لائٹس اور اس کے ماتھے سے بندھی سرق لائٹ کی روشنی میں بھی وہ لوگ بمشکل پندرہ بیس گز دور تک ہی دیکھ سکتے تھے۔

آہستہ آہستہ دھند گہری ہوتی جا رہی تھی..... ”سہرا اور جنرل موت کی طرح بے رحم سردی کی تیز لہر کامل کو اپنے دامن میں لپیٹ رہی تھی۔ بس ایئر کنڈیشنر تھی اور اس کے بیئر پوری رفتاری سے چل رہے تھے اس کے باوجود مہاجر ششکلن کو سردی اپنی ہڈیوں میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ

سوج سوچ کر بلکان ہو رہا تھا کہ جب بس سے باہر نکل کر وہ لوگ کسی خطا میں ساجیوں سے تو اس سرسبز برکاتی ہواؤں کا سامنا کر پائیں گے۔

فیضان اولو بھی باقی مسافروں کی طرف سوچوں کے گہرے بخسور میں ڈوب ڈوب کر ابھرتا اور ابھرا بھر کر ڈوب رہا تھا۔ وہ دل ہی دل میں جانے اب تک کتنی مرتبہ اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر چکا تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کی توقعات پر پورا اتر رہا ہے۔ اسے اس بات کا بالکل خوف نہیں تھا کہ گہرے میں آنے کے بعد خود اس کی اپنی حالت کیا ہوگی؟

اسے تو صرف ایک بات کی خوشی تھی کہ وہ جس جگہ ان لوگوں کو لے جا رہا تھا۔ وہاں سے ان میں سے کسی کے زندہ سلامت بچ آنے کے ایک فیصد امکانات بھی باقی نہیں تھے۔ اسے اگر کوئی سوچ پریشان کر رہی تھی تو یہی کہ اس کے اپنے کچھ لوگ بھی مارے جائیں گے! کچھ بھی تھا۔ آخر یہ سب تھے تو افغانی۔

بس اب پہاڑی سلسلے کے نزدیک پہنچ چکی تھی۔ ایک پہلے سے مخصوص شدہ مقام پر پہنچ کر کرک گئی اور میجر ششکن نے کمانڈر کو باہر نکلنے کا حکم دیا۔ کرک شلوخوف کی ہدایات پر اس نے دھند میں لپٹی پہاڑیوں کے ساتھ ساتھ کمانڈر کو اس طرف بڑھنے کی ہدایت کی جس طرف فیضان اولو کے کہنے کے مطابق تخریب کار چھپے ہوئے تھے۔

اب پورے نچوڑ کر اس طرح ہو گئی تھی کہ نہتا فیضان اولو آگے آگے تھا۔ میجر ششکن اور دو حوالدار اس کے پیچھے پیچھے اور ان تینوں کے پیچھے کمانڈر کا دستہ آ رہا تھا۔ وہ سب لوگ اس طرح آگے بڑھ رہے تھے کہ سوائے فیضان اولو کے اور کوئی دور سے دیکھنے پر دکھائی نہ دیتا تھا اور یہاں موجود لوگوں کو بھی احساس ہوتا کہ جیسے ایسا فیضان ہی اس طرح آ رہا ہے۔ راستہ بڑا دشوار اور کٹنا پھٹا تھا۔ وہ لوگ پہاڑیوں اور چھوٹی چھوٹی ٹکریوں کو پھلانگتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔

اچانک ہی وہ حادثہ ہو گیا۔ میجر ششکن کو یوں محسوس ہوا جیسے چلتے چلتے فیضان اولو کا پاؤں رپٹ گیا ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ لڑھکتا ہوا پہاڑی ڈھلوان سے نیچے گرنے لگا۔ میجر ششکن زبردست قوت ارادی کا مالک تھا۔ اس نے بغیر کسی خوف و جھجک کے اپنے لمبے کوٹ کی جیب سے نارنجنگالی اور چاکر اس کی روشنی میں حالات کا جائزہ لے۔

ابھی نارنج بھسکل روشن ہی ہوئی تھی کہ ایک گولی مین اس کے سینے میں آن گئی۔ اس کے منہ سے آہ نکلی اور وہ الٹ کر پرے جا گر۔ نارنج اس کے ہاتھ سے نکل کر پہاڑی سلسلے میں لڑھکتی گئی تھی۔

قاسم ایٹان زادہ نے اپنی رائفل کے اوپر لگے انفراریڈ شیشے میں سے اپنی گولی کو نشانے پر لگتے دیکھ کر خدا کا شکر ادا کیا اور اگلے شکار کا منتظر رہا۔

حوالدار نے گولی کی آواز سننے ہی ایک طرف چھلا کب لگا دی۔ اس کے ہمراہیوں نے میجر کو اس طرح گرتے دیکھا تو فوراً روشنی والے گولے (ٹریسر) فائر کر دیے۔ اس کے ساتھ ہی وہ ادا حد فائرنگ کرنے لگے۔ یہ الگ بات کہ تخریب کاروں کے بجائے پہاڑی سلسلے کے پتھر ان کی گولیوں کا نشانہ بن رہے تھے۔



روشنی راؤ نڈرے رات میں دن کا مہل پاؤں دھو کر صبح کی طرح نظر آ رہی تھی۔ اس نے کہا تھا۔ اللہ ان ہی پر قیامت ٹوٹے گی۔ وہ لوگ تاک تاک کر انہیں نشانہ بنا رہے تھے۔ بالکل یوں دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے جنگ سے زیادہ یہ کوئی ”چاند ماری“ کی مشق ہو۔ کرنل شولوف اور ڈائریکٹر اسفند یار بڑی بے تابی سے آپریشن روم میں بیٹھے کسی خوشخبری کے منتظر تھے۔ جب اچانک ریڈیو سیٹ میں جان پیدا ہوئی۔

”کمانڈ..... کمانڈ..... اوور۔“ سیٹ سے آواز بلند ہو رہی تھی۔

اسفند یار نے پھرتی سے قریب رکھا ٹیک اٹھالیا۔ مین دبا کر اس نے رابطہ بحال کیا۔

”کمانڈ انڈنگ یو..... اوور۔“

”سرا ہم بری طرح گھیرے میں آ چکے ہیں۔ ہم پر زبردست فائرنگ ہو رہی ہے۔ وہ لوگ نظر نہیں آ رہے۔“ اوور۔“

فائرنگ کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔

کرنل شولوف کو یوں لگا جیسے اچانک کسی نے اسے سزائے موت کا حکم سنایا ہو۔ وہ قریب لڑکھڑاتا ہوا سیٹ تک پہنچا تھا۔

CapTrue 1.1

یہاں رہے ہو..... اوور۔“ اسفند یار غصے سے چلایا۔

”سرا..... ٹھاکیں..... گولی کی آواز آئی اور سلسلہ ٹوٹ گیا۔

اسفند یار کے حواس ابھی تک بحال تھے۔ اس نے فوراً دوسری طرف سلسلہ جوڑا۔

”کنٹرول۔ کنٹرول۔ مجھے فوراً مگرام سے ملاؤ۔

”مگرام بات کیجئے جناب“ تقریباً آدھ منٹ بعد ہی کنٹرول سے آواز آئی۔

اسفند یار نے فوراً قریب دھرے ٹیلیفون کا ریسیور اٹھالیا۔

”ہیلو۔ لائن پر کون ہے؟“

اس نے بے تابی سے پوچھا۔

”ایڈ جونٹ“..... جواب ملا۔

”مجھے فوراً کمانڈنگ آفیسر سے ملاؤ..... میں اسفند یار بول رہا ہوں۔“

”او۔ کے سرا۔“

دوسرے ہی لمحے ایک رومی کرنل لائن پر تھا۔

”فوراً کوہ صافی کی طرف گن شپ ہیلی کاپٹر بھیجو۔“

”جناب والا! اتنی دھند میں یہ کیسے ممکن ہے؟“..... آواز خاصی بلند تھی۔

کرنل شولوفوف نے اس کے ہاتھ سے ہون بچت لیا۔ اس نے روسی زبان میں اپنا تعارف کرا کر اسے ڈانٹ پلائی اور فوراً حکم کی تعمیل کے لیے کہا۔

☆☆ http://kitaabghar.com

تھوڑی دیر بعد ہی مجرام کے فوجی اڈے سے ایک گن شپ ہیلی کاپٹر اور کوہ صافی کے نزدیکی علاقے سے ”سٹینڈ ٹو“ افواج کا چاق و چوبند دستہ تیزی سے کوہ صافی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جہاں کمانڈرز کی تعداد ایک ایک کر کے گھٹتی چلی جا رہی تھی۔

کمانڈرز کی سوگولیوں کے جواب میں تخریب کاروں کی طرف سے بمشکل دس گولیاں فائر ہوتی تھیں۔ لاری پر مورچہ بند کمانڈوز نے جب فائرنگ کی آواز سنی تو انہوں نے اس کی چھت پر لگی مشین گنوں سے اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی، لیکن انہیں بھی کچھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ آخر کس ”بدف“ پر نشانہ لگائیں۔ ان کی یہی حرکت ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی۔

شاید اس طرف ابھی تک کسی کا خیال نہیں گیا تھا۔ جب بس کی چھت سے فائرنگ شروع ہوئی تو ”تخریب کار“ اس طرف بھی متوجہ ہو گئے۔ چھت پر موجود کمانڈوز اسے کام میں مصروف تھے انہیں خبر ہی نہ ہوئی کہ کب ان کے سروں پر قیامت ٹوٹی کیے بعد دیگرے تین ہینڈ گرنیڈز ان کے درمیان پڑے اور لاری سمیت ان کے پر نچے اڑ گئے۔

CapTrue 1.1

اگر وہ لوگ روشنی راؤنڈ فائر نہ کرتے تو اس غضب کی دھند میں ان کی پہپائی کے امکانات قدرے روشن تھے لیکن انہوں نے اب اپنے لیے اچھی خاصی مصیبت کھڑی کر لی تھی یہ لوگ روسی افواج کے تربیت یافتہ تھے اور انہیں جدید خطوط پر لڑنے مرنے کی تربیت دی گئی تھی۔ اس صورت حال سے وہ گھبرائے تو نہیں تھے لیکن انہیں کچھ نہ سوچتا تھا کہ وہ کریں تو کیا؟

جس سمت سے ایک گولی بھی ان کی طرف آتی وہ اس طرف گولیوں کا میدہ برسا دیتے لیکن نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ انہیں اور کچھ تو نہ سوچا اب وہ لوگ فائرنگ کرتے کرتے ایک طرف سمٹنے لگے تاکہ اس طرف خود کو ایک ڈھلان کی اوٹ میں محفوظ کر لیں۔

قاسم ایٹان زادہ نے اپنی رائفل پر لگے گیشے سے فیضان اوغلو کو گرتے دیکھ لیا تھا۔ اسے شاید گرنے سے چوٹ آ گئی تھی کیونکہ وہ اٹھنے میں وقت محسوس کر رہا تھا۔ قاسم نے چاہا کہ اس ٹیلے کے گرد پیکر کاٹ کر جس پر وہ مورچہ زن تھا اس جگہ تک پہنچے جہاں فیضان اوغلو گرا ہے تاکہ اسے اٹھنے میں مدد دے سکے۔

اچانک وہ ٹھنک کر رک گیا۔ اس نے ایک ٹھنک کوٹھن گن لہرا تے چھلانگ لگا کر اس کی طرف پلٹے دیکھا تھا۔ وہ ٹھنک مختلف ٹیلوں پر پھلانگتا انداز سے اسی سمت آ رہا تھا۔ جس طرف فیضان گرا ہوا تھا۔

حوالدار نے گر کر اٹھنے میں خاصی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا وہ جانتا تھا کہ فیضان اوغلو کو مارنے کی ڈیوٹی اس کے ذمے کرنل شولوفوف نے لگائی ہے اور اگر اسے صبح ان لاشوں میں فیضان کی لاش نہ ملی تو کچھ بعید نہیں کہ وہ حوالدار ہی کو گولی مار دے۔ وہ مختلف ٹیلے پھلانگتا انداز سے اس سمت جا رہا تھا جہاں اس کے خیال کے مطابق فیضان کو ہونا چاہیے تھا۔ جلد ہی اسے ایک دھندلا سا سیاہ ایک پتھر کے نزدیک دکھائی دیا۔



Capture and PDF by: Qamar Abbas

یہ فیضان اوغلو کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ حوالدار نے فوراً اسٹین گن سیدھی کی کہ اس طرف برست فائر کر سکے، لیکن ابھی اس کا ہاتھ ٹریگر تک پہنچا ہی نہیں تھا کہ ایک گولی اس کے ماتھے میں گھس گئی اور وہ لڑکھڑا کر گر پڑا۔

قاسم ایٹان زادہ اور فیضان اوغلو نے ایک ساتھ ہی گمن شپ ہیلی کاپٹر کی آواز سنی تھی۔ اس کے ساتھ ہی انہیں شمال مشرق کی سمت سے روشنی کا ایک بالہ اس سمت بڑھتا دکھائی دیا۔ ہیلی کاپٹر کی تیز سرچ لائٹس اس کے پروں کے نیچے روشن تھیں۔ جن میں سے گنز کی نالیاں باہر جھلکتی دکھائی دے رہی تھیں۔

فیضان اوغلو گر اتوار ادا تھا، لیکن لڑھکنے سے اس کی چوٹوں کا درد جاگ اٹھا۔ پسلیوں سے درد کی تیز دوسارے جسم میں دوڑنے لگی۔ وہ بے حال سا ہو کر وہیں پتھر سے ٹک لگا کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے اپنے عقب میں گولی چلنے کی آواز کے ساتھ ہی کسی کے گرنے کی آواز سنی۔ یہ وہی حوالدار تھا۔

ہیلی کاپٹر کی آواز نے اس کی ضائع شدہ توانائیوں کو جیسے پھر سے اس کے جسم میں لوٹا دیا تھا۔ وہ اٹھا اور ٹیلوں کے عقب میں بنی ماڈرن آبادی 1.1 CapTrue سے ڈیڑھ دو فلائنگ دور نظر آ رہی تھی۔

فیضان اوغلو دیوانہ وار بھاگ رہا تھا۔ اسے اپنے پیچھے گمن شپ ہیلی کاپٹر کی مشین گنوں کا شور بخوبی سنائی دے رہا تھا۔ یہ مقام شکر تھا کہ وہ اس کی روشنی کی زد سے باہر تھا نہ ہی اس طرف کوئی کمانڈر موجود تھا۔ آہستہ آہستہ اس کو مرکز نظر آنے لگی۔ پھر اچانک جیسے زمین نے اسے کے قدم جکڑ لئے۔

سڑک پر ایک دوسرے کے عقب میں روشنیوں کا طوفان وہ بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ گھیرے میں آئے ہوئے کمانڈر کی مدد کو فوج آگئی تھی..... فیضان اوغلو نے اپنا رخ بدلا اور قریبی آبادی کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ اسے وہاں ضرور پناہ مل جائے گی کیونکہ یہ بات اس کے مشاہدے میں آچکی تھی کہ لوگوں کے دل ”تخریب کاروں“ اور زبانیس ”قوائے دوست“ کے ساتھ ہیں۔

بھاگتے بھاگتے وہ بے دم ہو گیا تھا اور اب تو اسے چنانہ دو بھر ہو رہا تھا۔ کرنیو کا وقت ہو چکا تھا۔ جب ہی تو سارا علاقہ سنسان پڑا تھا۔ اس کے پیچھے فائرنگ کی آوازیں اب خاصی تیز ہو گئی تھیں۔ شاید مدد کو آنے والی فوج نے بھی مورچے سنبھال لئے تھے۔ کسی نہ کسی طرح گرنا پڑتا وہ آبادی کے آخری سرے والے مکان تک پہنچ گیا۔ یہ جدید طرز کا مختصر سا بنگلہ تھا۔

☆☆

درو سے بے حال فیضان اوغلو نے دروازے پر ہاتھ مارا تو وہ کھلا ہوا۔ ارد گرد کے مکانوں کی روشنیاں بجھ چکی تھیں۔ فائرنگ اور دھماکوں کی آوازیں یہاں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ پس تو یہ روزانہ کا معمول بن چکا تھا، لیکن آج شاید معاملہ کچھ زیادہ ہی سنگین دکھائی دیتا تھا۔ اسی لئے تو لوگ اپنے گھروں میں دھبک گئے تھے۔

برآمدے میں پہنچ کر فیضان نے دروازے پر ہاتھ دیا۔ کھڑکی پر لکھا تھا: Capture and PDF by: Qamar Abbas۔ اس کے ساتھ ہی دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ فیضان میں اتنا دم بھی نہیں رہ گیا تھا کہ وہ اپنے قدموں ہی پر کھڑا ہو سکے۔ وہ دروازہ کھلتے ہی آگے بڑھا اور لڑکھڑا کر گر پڑا۔ کمر پر لگنے والی لات اتنی ہی زوردار تھی۔

”ہینڈ زاپ.....“ کی آواز پر جب اس نے اٹھ کر بیٹھنے کے بعد پلٹ کر دیکھا تو جگدون ارخان اس کی طرف ہسٹول مٹانے کھڑا تھا۔ فیضان اونٹلو جو سیدھا ایک تخت پوش سے نکرا تھا، اب اسی سے پشت جمائے زمین پر دوڑا تو بیٹا بے بسی سے اپنی بد بختی کا جائزہ لے رہا تھا: جس نے اسے پلازہ ہوٹل سے ”خاؤ“ کے ہیڈ کوارٹر تک پہنچایا تھا اب فرار ہونے کے بعد وہ اسی کے حضور دو پارہ ”خاؤ“ کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچنے کے لیے چلا آیا تھا۔

”خاؤ..... جہاں ایک اذیت ناک موت اس کی منتظر تھی! اچانک ارخان کے پیچھے والا دروازہ کھلا جس کے ساتھ ہی ایک نسوانی آواز بلند ہوئی۔ ”ہسٹول پھینک دیجئے۔ آپ میرے نشانے کی زد پر ہیں۔“

CapTrue 1.1  
بے، حیار بیسان، ہو کی انگریز اس سمت انھیں: بادامی آنکھوں اور لمبے بالوں والی یاسمین شب خوابی کے لباس میں ارخان کی پشت سے ریو اور نکائے کھڑکی تھی۔

”یاسمین.....“ سمجھار خان کی آواز میں حیرت کا عنصر غالب تھا۔  
”یاسمین.....“ فیضان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ بالکل ایسے جیسے کوئی خواب میں بڑبڑا رہا ہو۔



## فاصلوں کا زہر

ظاہر جاوید مغل کا خوبصورت ناول۔ محبت جیسے لازوال جذبے کا بیان۔ دیار غیر میں رہنے والوں کا اپنے دیس اور وطن سے تعلق اور انوث رشتوں پر مشتمل ایک خوبصورت تحریر۔ ان لوگوں کا احوال جو کہیں بھی جائیں، اپنا وطن اور اپنا اصل ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔ ناول فاصلوں کا زہر کتاب گھر پر دستیاب ہے، جسے رومانی معاشرتی ناول ٹیکشن میں پڑھا جاسکتا ہے۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

## سرخ آندھی

”ہاں میں یاسمین ہی ہوں فیضان۔“

یاسمین کی آواز پرسکون اور کسی گہرے کنوئیں سے آتی سنائی دے رہی تھی۔ ”مجھے علم تھا کہ تمہارے استقبال کے لیے میرے بابا نے یہ تیاری کی ہے۔“

”میرے لیے تو تمہارے بابا ہی کافی تھے۔“

فیضان نے طنز یہ لہجہ میں اس کی بات کاٹ کر جلدوں ارخان کی طرف اشارہ کیا۔

”تم غلط سمجھ رہے ہو فیضان! یہ پستول میں نے اپنے باپ پر تانا ہے۔“

**CapTrue 1.1** ریفر محزرزل تھا: ”شاید تمہیں بھی دوسرے لوگوں کی طرح یقین نہ آئے فیضان! کہ میں اب وہ یاسمین نہیں رہی جو

تمہارے ساتھ ماسکو کی ایک یونیورسٹی میں پڑھا کرتی تھی۔“

فیضان اپنی تکلیف بھول چکا تھا۔ اسے بہت سی بھولی ہوئی کہانیاں یاد آ گئیں۔

پہلی مرتبہ جب وہ یاسمین سے اچانک کالج کی سڑکوں پر ٹکرایا تھا تو کئی دن تک کھویا کھویا سا رہا۔ اس کے دوست ناظر خان نے اسی روز کالج کیمپس میں بیٹھے ہوئے فیضان اور غلو سے چستے ہوئے کہا تھا۔

”اس لڑکی کی ملاقات نے ہمیشہ حادثات کو جنم دیا ہے۔“

فیضان اس کی بات مسکرا کر ہل گیا یاسمین سے اپنے نگر او کو نالاس اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ وہ جلال آباد سے یہاں تعلیم حاصل کرنے آیا تھا اور جلد ہی اس نے محسوس کر لیا کہ جلال آباد اور کابل کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

ترقی پسندی کے نام پر ایسی ایسی خواہشات یہاں رواج پا گئیں تھیں کہ خدا کی پناہ! اس نے کبھی زندگی میں اس بات کا تصور بھی نہیں کیا تھا کہ کوئی افغان شاعر اسلامی کا مضحکہ بھی اڑا سکتا ہے۔ لیکن یہاں تو قدم قدم پر نہ صرف ایسے واقعات ہو رہے تھے بلکہ ایسا کرنے والوں کی مکمل حوصلہ افزائی بھی کی جا رہی تھی۔

پہلے پہل تو اسے سمجھ ہی نہ آئی کہ وہ افغانستان ہی کے کسی شہر میں ہے یا یورپ میں آ گیا ہے۔ طلباء کے ”محاذ اسلامی“ کے مقابلے میں ”پرچم“ اور ”طلیق“ پارٹی کے کیونست کھل کر آ گئے تھے۔ اس کی ہمدردیاں ضرور طلباء کے محاذ اسلامی کے ساتھ تھیں، لیکن اس نے کبھی سیاست میں سرگرم حصہ نہیں لیا تھا۔

فیضان اولٹو کی دوسری ملاقات یا کھیلوں کے اس وقت ہوئی جب وہ ملے جلے ایک گروہ کی قیادت کرتی وہاں گھس آئی تھی جہاں اسلام پسند طلباء کا جلسہ ہو رہا تھا۔ فیضان یہاں صرف تقریریں سننے آیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہنگامہ شروع ہوتے ہی وہ وہاں سے نکل گیا۔

یاسمین کی نظر اس پر پڑی۔ دونوں کی نظریں آپس میں ملیں تو یاسمین کو اس کی یوگلا بہت پریشانی آگئی۔ فیضان نے اس کی حرکت کو محسوس ضرور کیا لیکن اسے کچھ کہہ نہ سکا۔ اسے یوں لگا جیسے یاسمین نے اس کا تسخیر کر لیا ہو۔

دونوں جماعتوں کے طلباء آپس میں ٹکرائے۔ عورتوں اور مردوں کی تفریق بھی باقی نہ رہی تھی۔ اس روز پہلی مرتبہ فیضان نے سوچا کہ داؤد آخر یہ کیا انقلاب لا رہا ہے جو افغان قوم کی شرم و حیا اور غیرت اسلام کے لیے سم قاتل بنا ہوا ہے۔

جب پرچم اور وطن پارٹیاں نہیں تھیں تو کبھی ایسے واقعات پیش نہیں آئے تھے۔ اب تو تعلیم بھی مخلوط ہو گئی تھی۔ اس ہنگامے میں یاسمین کے علاوہ بھی لڑکیاں بھرپور حصہ لے رہی تھیں۔ لیکن اسے یاسمین کے رویے پر ضرور دکھ ہوا تھا کہ وہ آخر اپنی انسانیت کا تقدس کیوں برقرار نہیں رکھنا چاہتی۔

☆☆

## CapTrue 1.1

رات و شب وہ بوسوں میں آکر اپنی چارپائی پر لیٹا تو نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی ایک محسوس ہی بے کلی اسے لگی رہی۔ اس نے کئی مرتبہ سوچا کہ آخر وہ یاسمین کے متعلق کیوں سوچ رہا ہے۔ اس کا رشتہ کیا ہے یاسمین سے؟ اسے اب اپنے ہی رویے سے الجھن ہونے لگی تھی۔ اس رات کافی دیر گئے تک وہ جاگتا رہا بالآخر نیند کی دیوی نے اسے اپنی آغوش میں سولیا۔

اگلے روز جب وہ کالج کی گراؤنڈ کے ایک کونے میں بنی پتھری بچ پر بیٹھا تھا تو بھی اس کے ذہن پر یاسمین ہی سوار تھی۔ پھر تو جیسے مجروحہ ہو گیا۔ اسے پتہ ہی نہ چلا کہ کب یاسمین اچانک ہی اس کے پیچھے آن کھڑی ہوئی۔

”ہیلو کا مرید“

اسے یاسمین کی آواز سنائی دی اور وہ اس طرف گھوم گیا۔

یاسمین کی اچانک آمد، چہک اور بے تکلفی نے اسے گزیرا کر رکھ دیا تھا اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے کیا جواب دے۔

”السلام علیکم“

وہ بے اختیار کہہ گیا اور یاسمین خواہ مخواہ مسکرا دی۔

”آپ یہاں اکیلے بیٹھے تھے۔ میں نے سوچا آپ کی خیریت دریافت کر لوں“

اس نے فیضان کے چہرے پر نظریں ڈالتے ہوئے کہا جس کے کانوں کی لویر سرخ ہو رہی تھیں۔

فیضان کا دل ایک مرتبہ تواتنی زور سے دھڑکا جیسے ابھی سینے کا جھرہ توڑ کر باہر آگرے گا۔ اسے خیال آیا کہ آخر یہ کیوں اس کا حال دریافت کرنے چلی آئی ہے۔ ابھی تو ان کی کوئی باقاعدہ ملاقات بھی نہیں ہوئی۔ کبھی انہوں نے اکٹھے بیٹھ کر گفتگو بھی نہیں کی۔ بس ایک دفعہ اچانک

نکراؤ۔ پھر اس نے سوچا ممکن ہے جس آگ میں وہ دھس رہا ہے یا نہیں اس کی آگ کا پتہ ملے۔

اس وقت فیضان کا ذہن اتنا پختہ نہیں تھا کہ وہ اس معاملے کے کسی اور پہلو پر بھی نظر رکھتا۔ وہ سیدھا سادا پٹھان تھا اور مضبوط مسلمان اور بس لیکن وہ بھول رہا تھا کہ اس کا طاقتور جسم ہی دراصل ان لوگوں کی کمزوری ہے جن سے یا سکین کا واسطہ ہو رہا ہے۔ وہ اپنے مذموم مقاصد کے لیے اس کی ہمدردیاں ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتے تھے خواہ اس کے لیے ایسی بہت یا سکینیں بھی بھیجتے چڑھ جاتیں۔

اس روز وہ آہستہ آہستہ یا سکین سے کھلنے لگا اس نے واقعی یا سکین سے جی بھر کر باتیں کی اور اسی گفتگو میں اسے یہ بھی بتا دیا کہ وہ پہلے ہی نکراؤ کے بعد اس کی زلفوں کا اسیر ہو چکا تھا۔

فیضان سیدھا سادا پٹھان تھا وہ محسوس کر رہا تھا کہ جب تک اپنے دلی جذبات یا سکین تک نہیں پہنچا لیتا اسے سکون میسر نہیں آئے گا۔ تب یا سکین نے اس کی اس ”کمزوری“ کو اپنے لیے ”بونس“ ہی سمجھا تھا۔

”آپ کو اس طرح سنوڈفٹس سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہئے۔“

اس نے دڑتے دڑتے بالآخر یا سکین سے کہہ ہی دیا۔

**CapTrue 1.1**

اس نے اس بات پر یا سکین نے باز اور دار قبضہ لگا لیا تھا۔ ”تم بھی آہستہ آہستہ سمجھو گے سب کچھ..... فیضان“..... وہ اس کے اتنا قریب جھک گئی کہ فیضان پر بے خودی سی طاری ہونے لگی۔

”یہ ملاں بڑے خطرناک لوگ ہیں۔ ہمارے ملک کے لیے تو یہ کینسر ہیں! یہ کینسر آہستہ آہستہ ہماری جڑیں کھوکھلی کر رہا ہے۔ اس سے پہلے کے ہماری بنیادوں کو زنگ لگ جائے ہمیں اس سرطان کو کاٹ کر پھینکنا پڑے گا۔ آؤ کینٹین پر چل کر بیٹھتے ہیں۔“

اس نے فیضان کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ فیضان کسی حمزدرد معمول کی طرف اٹھ کر اس کے ساتھ ہی چلا آیا۔ کینٹین میں بیٹھنے کئی لڑکوں اور لڑکیوں نے چونک کر یا سکین کے اس ”نئے شکار“ کو دیکھا تھا۔

ایسی ہی چند ملاقاتوں کے بعد وہ یا سکین کی زلفوں کا مکمل اسیر ہو چکا تھا اور یا سکین کو اس کے ترقی پسند دوستوں نے ایک ”ملاں“ کو راہ راست پر لانے پر خوب مبارکباد دی تھی۔

جس روز اسے اطلاع ملی کہ وہ اعلیٰ کارکردگی کی بنا پر ماسکو یونیورسٹی میں وظیفہ پانے والے طالب علموں میں منتخب ہو گیا ہے تو بجائے خوش ہونے کے وہ اداس ہو گیا: ”کہ یا سکین کے بغیر اتنی مدت کیسے گزارے گا۔“ لیکن اس کی حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی جب یا سکین نے اسے اس کے کمرے میں آ کر خوشخبری دی کہ وہ بھی اس کورس پر جانے کے لیے منتخب ہو گئی ہے.....!

☆☆

فیضان کے والد نے بیٹے کے شوق کے پیش نظر اسے پڑھائی جاری رکھنے کی اجازت دی تھی ورنہ وہ جانتا تھا کہ بالآخر اس کے بیٹے کو اس کا کاروبار سنبھالنا ہے لیکن جب اس کے چھ ماہ کے لیے روس جانے کی خبر اسے ہوئی تو وہ تذبذب کا شکار ہو گیا۔ اس کا جی نہیں چاہتا تھا کہ وہ اپنے بیٹے



کو ”کافروں کے ملک“ میں جانے دے لیکن چاروں کو یہ پکارا: **Capture and PDF by Qamar Abbas** یہیں نظر تھی کہ آج تک فیضان نے اس کا ہر حکم مانا ہے۔ اب وہ اس سے علیحدہ تھے۔ خصوصاً اس ماحول میں جواب ”مشاوروں“ کے آ جانے اور ان کے ساتھ ہی ان کا بے تحاشا لٹریچر پھیل جانے کے باعث اس کی توقعات سے بھی زیادہ تیزی سے لادینیت کی طرف مائل تھا کچھ بھی متوقع تھا۔

وہ خود اپنے بیٹے سے ملنے آیا اور باتوں باتوں میں اس سے پوچھتا رہا کہ وہاں وہ کیا سیکھنے پڑھنے جا رہا ہے۔ فیضان اپنے مذہبی باپ کے خدشات کو جانتا اور سمجھتا تھا اس نے جلد ہی اپنے والد کو مطمئن کر کے واپس بھیج دیا۔ جاتے ہوئے اس کا والد اسے دوبارہ ترکستان سے اپنی ہجرت کی کہانی سنا کر گیا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ فیضان اوغلا اس کہانی کو کبھی نہ بھولے۔

ایر و فلوٹ کے اس جہاز میں دونوں کی نشستیں ساتھ ساتھ تھیں۔ اپنے کالج سے ایئر پورٹ تک کا فاصلہ انہوں نے یونی ٹے نہیں کر لیا تھا۔ اس دوران فیضان کو بھی اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح معتد بہار مختلف روی افسران کے سامنے انٹرویو کے لیے پیش ہونا پڑا۔ اسے حیرت ہوتی جب یہ لوگ اس کے ساتھ پشتو اور فارسی بالکل اپنی زبان کی طرف بولتے تھے۔

ہر انٹرویو کر نیوالے نے بڑی گہری اور تنقیدی نظروں سے لیکن مسکراتے ہوئے اس کا جائزہ لیا۔ ایک دوسرے اس سے مذہبی قسم کے سوالات بھی **CapTrue 1.1** سے لے کر لے رہے تھے۔

فیضان یہ کبھی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ جہاز میں اس کے ساتھ یا سیمین کی سیٹ بھی اسی منصوبہ بندی کا حصہ ہے جس کا وہ فکارتا رہا ہے۔ ایر و فلوٹ کی وہ خوبصورت اور انتہائی مناسب اعضاء والی ایئر ہوٹل تو جیسے اس کے لیے مخصوص ہو کر رہ گئی تھی اس نے فیضان اور یا سیمین کی ”بھرپور مہمان نوازی“ کی تھی اور ماسکو پہنچنے تک فیضان کو یقین ہو چکا تھا کہ دنیا کی سب سے زیادہ مہذب قوم روس میں رہتی ہے۔

اس دوران یا سیمین نے بھی اپنی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال کیا تھا۔ اس نے اپنے قرب کے کلس اور گفتگو کے سحر سے فیضان کو جکڑ لیا تھا۔ جہاز جب ماسکو کے ہوائی اڈے پر اترا تو فیضان ذاتی طور پر تسلیم کر چکا تھا کہ روس سے بڑا افغانوں کو کافی دوست نہیں اور ملاؤں سے بڑا افغانستان کا کوئی دشمن نہیں۔

ماسکو ایئر پورٹ پر آنے والی اس ”خصوصی فلائیٹ“ کو ایک الگ مقام پر چکی کیا گیا تھا۔ فیضان نے جہاز کی کھڑکی سے باہر جھانکا۔ ہوائی اڈہ سرخی میں رنگا دکھائی پڑا۔ چاروں طرف سرخ پھیرے لہر رہے تھے۔

وہی ایئر ہوٹل ایک مرتبہ پھران کے نزدیک آئی اور جھک کر فیضان سے مسکراتے ہوئے کہنے لگی:

”کامریڈ اگر مہمان نوازی میں کمی رہ گئی ہو تو معاف فرمادیں۔“

”نہیں انہیں شکریہ۔ آپ نے تو.....“ شدت جذبات سے مغلوب سادہ لوح پٹان بچہ اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

☆☆

جہاز کی میز چیاں اترتے ہوئے ایک بے نام سے اس پرانی کیپٹان کی طرف سے اس کی میز پر آکر بیٹھا۔ میز پر چیاں اترنے پر وہ باری باری آگے جاتے اور ماسکویو نیوٹر کی طرف سے ان کے استقبال کے لیے آئی ہوئی قطار میں کھڑی لڑکیوں سے ہاتھ ملاتے۔ فیضان نے آج تک سوائے یاسمین کے کسی اور لڑکی کا ہاتھ چھو کر بھی نہیں دیکھا تھا وہ خاصی جھجک محسوس کرتا تھا کسی خاتون سے ہاتھ ملانے میں۔ لیکن اس کو اتنی مہلت میں کب میسر آتی تھی۔ اس کے ہاتھ آگے بڑھانے سے پہلے ہی مسکراتی ہوئی لڑکی اس کا ہاتھ گرجوٹی سے دبا کر اسے خوش آمدید کہہ دیتی۔

ان کا جہاز باقی جہازوں سے بالکل الگ تھلک کھڑا تھا۔ فیضان اور اس کے ساتھیوں کو اپنے جلو میں لیے میزبان لڑکیاں ایک نزدیکی عمارت میں چلی آئیں جہاں ان کے لئے پر تکلف چائے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ اس عمارت کے دروازے پر ایک خاصا بڑا بیئر "روس افغان دوستی زندہ باؤ" کے ساتھ سجایا گیا تھا۔

اس ہال نما کمرے میں جہاں انہیں لایا گیا تھا، اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے نمائندے اپنے کیمروں اور مائیک کے ساتھ سرگرم تھے۔ روس میں موجود افغان سفارتخانے کے علاوہ دوسرے روسی حمایتی ممالک کے سفارتی نمائندے بھی وہاں موجود تھے۔ دو ڈھائی گھنٹے تک وہ لوگ ایک دوسرے کے ساتھ سانس لے کر باتیں کرتے اور پر تکلف چائے سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

ان کے گروپ میں کامل سے میں لڑکے اور دو لڑکیاں آئی تھیں۔ قریباً سبھی لڑکیاں یاسمین کی طرح بڑی "آزاد خیال اور سلیبی ہوئی لڑکیاں" دکھائی دے رہی تھیں وہ یہاں موجود روسی اور دوسرے کیونٹ ممالک کے سفارتکاروں کے ساتھ بڑی بے تکلفی اور بے باکی سے مصروف گفتگو تھیں۔

نجانے فیضان کو کیوں آج کسی بھی افغان لڑکی کے بے باکی پر غصہ نہیں آ رہا تھا.....؟

جہاز سے فیضان اور اس کے ساتھیوں کے نیچے اترتے ہی جہاز میں موجود عملہ اپنے کام میں جت گیا۔ باقی لوگوں کی طرح ایئر ہوسٹس جو خاص طور سے فیضان اور یاسمین کی خدمت پر مامور تھیں اپنے ہاتھوں میں مختلف اوزار پکڑے مصروف عمل ہو گئی۔

اس نے دونوں کی سیٹوں کی پشت کھول کر ان میں نصب ٹیپ ریکارڈروں میں سے کیسٹ نکال لئے اور جب اس نے دوبارہ سیٹ کی پشت کو بند کیا تو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا کہ یہ پشت بھی سیٹ سے الگ بھی رہی ہوگی۔ وہ تو مکمل سیٹ کا ہی ایک حصہ دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے باقی ساتھیوں نے بھی یہی عمل دہرایا تھا۔ وہ سب کسی مشین پر زور دکھائی دے رہے تھے۔

ایک دوسرے سے خوفزدہ..... اپنے اپنے کام میں مصروف!

اس دوران جہاز کا کپٹن کا کپٹ سے نکل کر وہاں آچکا تھا۔ اس نے سرسری نظر ان سب پر ڈالی اس کی گہری اور سرد آنکھوں میں نجانے کیسی پراسرادی چمک موجود تھی کہ کسی کو اس سے آنکھ ملانے کی ہمت نہیں پڑتی تھی۔

کپٹن کے وہاں آنے تک وہ لوگ اپنے آپ پریشن مکمل کر چکے تھے۔ کام ختم ہونے پر وہ سب مؤدب نگاہیں جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ ایک



چھٹی ہوئی نظر ان سب کے چہروں پر ڈال کر کپٹن دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ سب اس سے متنبہ ہو گئے۔ کپٹن نے اپنے قدموں پر دھڑکیا اور اس کی طرف بڑھنے لگے۔ کپٹن سیز جوں سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ ہوائی اڈے کا دوسرا عملہ اپنے کام میں مصروف تھا۔ جہاز کا پیٹ کھل چکا تھا اور اس میں مسافروں کا سامان ایک گاڑی پر لا دیا جا رہا تھا۔

جہاز کے عملے کو لینے کے لیے ایئر فلوٹ کی ایک ویگن وہاں آ کر رک گئی۔ کپٹن تو باہر رہا۔ عملے کے باقی لوگ ایک ایک کر کے ویگن میں سوار ہونے لگے۔ وہ ایئر ہوسٹس جو فیضان ویا سینن کے سر پر مسلط رہی تھی جیسے ہی ویگن کے دروازے کے طرف بڑھی کپٹن کی آواز سنائی دی۔

”ویٹلینیا.....!“

ایئر ہوسٹس اپنی جگہ پر جم کر رہ گئی۔ خوف کی ایک سرد لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرایت کر گئی وہ بمشکل ہی اپنے قدموں پر کپٹن کی طرف گھومی تھی۔

”تم ترک جاؤ.....“

کپٹن کی آواز سنائی دی اور وہ مودب ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

☆☆

CapTrue 1.1

ویگن کا انجن بمشکل ابھی اسٹارٹ ہی ہوا تھا۔ جب دن وے کے ایک کونے سے ایک چھوٹی سی تیز رفتار کار ویٹلینیا کو اپنی سمت آتی دکھائی دی کار کپٹن کے نزدیک آ کر رک گئی۔ ڈرائیور نے پھرتی سے دروازہ کھولا اور مستعد فوجیوں کی طرف ایڑیاں بجا کر جہاز کے کپٹن کو تعظیم دے کر ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

کپٹن سر ہلاتا ہوا آگے بڑھا اور ڈرائیور کی سیٹ سنبھالی لی۔ ڈرائیور نے فوراً دوسری طرف آ کر اگلا دروازہ ویٹلینیا کے لیے کھول دیا۔ اس کے اندر بیٹھے ہی ڈرائیور نے دروازہ بند کر دیا۔ کپٹن نے ایکشن میں چابی گھمائی اور کار ایک جھٹکے سے فرار ہوئی آگے نکل گئی۔ اس دوران وہاں موجود بھی کبھی شخص نے اس طرف نظر بھر کر دیکھنے کی ہمت نہیں کی تھی۔

ہوائی اڈے کی حدود سے باہر نکلنے تک تین مرتبہ ان کی کار کو روکا گیا لیکن ہر دفعہ وہ لوگ کپٹن کو پہچانتے ہی اسے سیلوٹ مار کر ایک طرف ہٹ جاتے تھے جلد ہی وہ دونوں ہوائی اڈے سے باہر جانے والی سڑک پر نکل آئے۔

اس دوران کپٹن نے بات کرنا تو کیا اس کی طرف نظر بھر کر دیکھنے کی بھی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کی سرد آنکھیں تو جیسے وڈ سکرین پر جم کر رہی گئی تھیں۔ ویٹلینیا کو یوں محسوس ہو رہا تھا ابھی چند لمحوں بعد کپٹن کی تیز اور نوکیلی نظریں اس وڈ سکرین کو چھید کر اس میں سوراخ بنا دیں گی۔

قریباً آدھ گھنٹے کی تیز رفتار ڈرائیونگ کے بعد وہ ماسکو کی جدید آبادی میں پہنچ گئے۔ ایک چھوٹے سے فلیٹ کے سامنے پہنچ کر گاڑی رک گئی۔ یہ عمارت ویٹلینیا کے لیے بنی نہیں تھی۔ اس جیسے کئی کپتانوں کے ہمراہ وہ اکثر یہاں پہنچ چکی تھی۔ فلیٹ کے دروازے پر پہنچ کر کپٹن نے ہارن

بجایا۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

ایک لمبے ترنگے لمبوترے چہرے اور گولوں والے ناکوں سے دروازہ کھولا۔ کان کا راندر لے آیا دروازہ ان کے پیچھے بند ہو چکا تھا۔ کیپٹن نے انجن بند کر کے چابی نکالنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔ وہ ایئر ہوسٹس کے طرف دیکھے اور بغیر ایک لفظ کہے باہر نکل آیا۔ دروازہ اس نے جھٹکے سے بند کیا۔ دروازے سے زیادہ جھٹکا ویلنٹین کو اپنے جسم کو گلٹا محسوس ہوا۔

وہ ہمت کر کے اپنے حواس مجتمع کر کے ابھی اور کیپٹن کے تعاقب میں باہر نکل آئی۔ یہ فلیٹ جہاں وہ لائی تھی گوکہ ایک علیحدہ گھر نظر آ رہا تھا لیکن ویلنٹین کو علم تھا کہ اس بلڈنگ کے دوسرے تمام فلیٹ بھی اس کا ایک حصہ ہیں اس کو یہاں کے اکثر فلیٹ دیکھنے کا تجربہ اس سے پہلے ہو چکا تھا۔

☆☆

کیپٹن نے برآمدے میں پہنچ کر ایک طرف مڑ کر اس پر نظر ڈالی اور ہاتھ سے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ویلنٹین اپنے تلے قدموں سے اس کا تعاقب کرتی اس کے پیچھے پیچھے چلی جا رہی تھی۔

ان کے سفر کا اختتام دوسری منزل کے ایک آرام دہ کمرے کے دروازہ پر ہوا۔ کیپٹن نے دروازہ کھول کر اسے اندر آنے کا اشارہ کیا۔ پھر

**CapTrue 1.1**  
— ۲۰۰۹/۰۹/۰۵ —

”ہیلو“ اس نے ایئر ہوسٹس کو ایک آرام دہ کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

وہ خود ہاتھ روم میں جا چکا تھا.....!

ویلنٹین نے ایک گہری سانس لے کر خود کو قدرے مائل کیا اور آنے والے وقت کے متعلق سوچنے لگی۔ وہ گزشتہ آٹھ برس سے یہی خدمات انجام دے رہی تھیں اس کا تعلق کے۔ جی۔ بی کے اس خصوصی شعبے سے تھا جو روس کے ”غیر ملکی دوستوں“ سے رابطہ رکھتا تھا۔ اس کی گزشتہ خدمات کے پیش نظر ہی اس کو ”فیضان اوغلو“ کا خصوصی مشن سونپا گیا تھا۔

اس نوجوان کے متعلق کامل کے سپائی ماسٹری رپورٹ بڑی شاندار تھی۔ اس نے لکھا تھا کہ اگر فیضان قابو آ جائے تو عظیم انقلاب کے لیے ہمیں ”طاقت کا پیاز“ مل جائے گا۔

وہ فیضان کو جلال آباد اور اس سے آگے پاکستانی علاقے میں واقع افغان مہاجرین کے کیپوں میں استعمال کرنے کے خواہش مند تھے، لیکن اس سے پہلے ضروری تھا کہ اس کے دماغ سے ”ملائیت“ کا بھوت نکالا جائے اور اسے صحیح معنوں میں ”انقلابی“ بنادیا جائے۔

یہی مشن کامل میں یاسمین کو سونپا گیا تھا۔

پندرہ بیس منٹ کے جان لیوا انتظار کے بعد کیپٹن ہاتھ روم سے باہر نکلا۔ اس نے اپنا لباس بدل لیا تھا اور اس کا موڈ بھی لباس کے ساتھ ہی تبدیل ہو چکا تھا۔ چہرے کی وہ کرنٹنگی جس سے اس کے ماتحتوں کی جان جایا کرتی تھی اب غائب ہو چکی تھی۔ اس کے پستے پستے ہونٹوں پر بڑی پر اسراری مسکراہٹ چمکی ہوئی تھی۔

اس سب کچھ کے باوجود جانے آپ کی بیوی نے اس کے آگے کیا کیا؟  
 ”کیسا ہا کامریڈ فیضان۔“

اس نے کمرے میں دھری ایک بھاری میز کے کونے پر لگے ایک پش بن کو دباتے ہوئے ویلنٹینا کو مخاطب کیا۔  
 ”شاندار جنتاب“.....

ویلنٹینا کی بات مکمل ہوتے ہی ایک باادب و بیزار اندر آ چکا تھا۔

”واڈ کا.....“

کیپٹن کے منہ سے نکلا اور وہ لئے قدموں واپس لوٹ گیا۔ ”کیسٹ چلاؤ.....“ وہ لفظ بڑی بخوبی سے استعمال کر رہا تھا۔

ویلنٹینا مشین کی طرح اپنی جگہ سے اٹھی اور اوراسی میز کے ایک کونے میں رکھے شپ ریکارڈ پر اس نے کیسٹ چلا دی۔ اس دوران وہ اپنی جگہ جم کر کھڑی رہی۔ کیسٹ ختم ہونے تک اس نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی تھی۔

”ٹھیک ہے.....“ کیپٹن اس کی طرف متوجہ ہوا۔ ”بیٹھ جاؤ۔“

**CapTrue 1.1**  
 ویسٹس دور رس وہیں ”واڈ کا“ کی بوتل اور سوڈا اور گلاس رکھ کر چلا گیا تھا۔ اس نے ایک لمحہ بھی یہاں رک کر حالات کا جائزہ لینے کی کوشش

نہیں کی تھی..... ویلنٹینا شاید یہاں کے آداب جانتی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے بوجھل قدموں کے ساتھ میز تک پہنچی اور ”واڈ کا“ کا ایک جام تیار کر کے اس نے پہلے کیپٹن کو دیا۔ اس کے بعد اپنے لیے شراب تیار کرنے لگی۔

جام لے کر وہ اس کرسی پر بیٹھ گئی۔ شراب کے دو تین گھونٹ پینے کے بعد وہ خود کو قدرے نادل محسوس کر رہی تھی۔

”تمہاری ڈیوٹی آج سے بدل دی گئی ہے۔ اب تم فیضان پر کام کرو گی۔ جتنی جلدی مکمل ہو اسے تیار کر لو۔ یا سمن ٹھیک ہے..... لیکن نہیں۔ ہم کسی مسلمان اور پٹھان لڑکی کو قاتل اہماد نہیں سمجھتے کسی بھی وقت یہ لوگ اپنی ”بورڈوائی“ ذہنیت کا مظاہر کر سکتے ہیں۔“

”او۔ کے سر.....“

”اس ضمن میں جو ”آپریشن“ تم تیار کرو۔ مجھے آگاہ کر دینا۔“

کیپٹن اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

”نہیں سر.....“

”آج رات تم میری مہمان رہو گی..... کل صبح سے آپریشن شروع۔ رپورٹ میں خود ہی موصول کیا کروں گا.....“

کیپٹن اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو گیا۔

ایسے کئی کیپٹن اس سے پہلے بھی ویلنٹینا کو اس قسم کی ڈیوٹیاں سونپ چکے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ رات یہاں گزارنا بھی اس کی ”ڈیوٹی کا حصہ“ ہے اور کوئی سچا کامریڈ بھی اپنے ڈیوٹی سے انحراف نہیں کر سکتا۔

وہ رات بھی اپنی زندگی کی پچھلی سی راتوں کی طرح اس کے لیے انقلاب کی یاد رکھ دیتی۔ جب وہ کیمپن کے پہلو سے اٹھ کر ہاتھ رو م

تک پہنچی تو اس کا جسم دھکتا ہوا پھوڑا بن چکا تھا۔

ناشتے کی میز پر کیمپن اس کے سامنے اس طرح بیٹھا تھا جیسے وہ ابھی ابھی یہاں آئی ہو۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک تیز رفتار کار میں ماسکو اس آبادی کی طرف جاری تھی جہاں اس کی بوڑھی ماں اور دو چھوٹی بہنیں اس کی منتظر تھیں۔ اس کا بوڑھا باپ تو پچھلے تین سال سے سائبیریا میں اصلاحی قید کاٹ رہا تھا۔ اب یہ ویلنیا کی ”خدمات“ پر منحصر تھا کہ کب اسکی عظیم انقلاب کے لیے خدمات پارٹی کے سامنے آئیں اور اس کے باپ کو ان خدمات کے عوض رہائی نصیب ہوتی۔

فیضان نے ایئر پورٹ سے یونیورسٹی تک کے سفر میں افغان عوام کے لیے روسی دوتی کے ایسے ایسے شاندار مظاہرے دیکھے تھے کہ وہ دنگ رہ گیا۔ اسے یقین ہو چلا تھا کہ واقعی آج تک وہ جھوٹ سنتا آیا ہے۔ یونیورسٹی کے دروازے پر ان کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے گئے اور استقبالیہ نعروں سے ان کا خیر مقدم ہوا۔

رات کے رٹکلف کھانے کا آغاز ”واڈکا“ شراب کی پارٹی سے ہوا۔ کابل سے آئے ہوئے اس کے ساتھی روسی طلباء اور طلبات کے ساتھ مل کر جام دودی پوسر رہے تھے۔ یا سکین فیضان سے لگی کھڑی تھی۔ اس نے گوکہ ابھی تک فیضان کو دعوت نہیں دی تھی لیکن اس کی خواہش ضرور تھی کہ فیضان بھی آگے بڑھ کر دوسروں کی طرح ”جام دودی“ ہونٹوں سے لگے۔

فیضان پہلے سے زیادہ ”آزاد خیال“ ہو گیا تھا، لیکن ابھی اس کا ذہن یہ قبول نہیں کرتا تھا کہ وہ شراب پینی شروع کر دے۔ وہ محفل کے دیگر شرکاء سے ہٹ کر کھڑا تھا یا سکین سامنے کی طرح اس کے ساتھ لگی ہوئی اور ویزو خاص طور سے اس کی حرکات و سکنات نوٹ کر رہا تھا۔ جس کی مستقل ڈیوٹی اس لیے یہاں لگائی گئی تھی۔

”مجھے یہ سب کچھ جانے کیوں اچھا نہیں لگ رہا۔“

اس نے بڑی بیزاری سے لیکن قدرے نیچے آواز میں یا سکین سے کہا۔

”اصل میں ابھی کچھ دیر بعد تم یہ سب کچھ سمجھو گے انقلاب لانے کے لیے یہ سب کچھ ضروری ہے۔ ہمیں مل کر چلنا ہے۔ اکٹھے آگے بڑھنا

ہے۔“

وہ کچھ الجھ گیا، لیکن یا سکین سے کچھ نہ کہہ سکا۔ یا سکین نے بھی زیادہ دیر صبر نہ کیا اور جب فیضان اس سے ”ابھی آیا“ کہہ کر اس ہال کے کمرے کے باہر والے لان کی طرف چلا گیا تو وہ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ جشنِ ناؤ نوش میں شریک ہو گئی۔

دوسرے ہی روز ان کی پڑھائی شروع ہو گئی۔ انہیں ہوسٹل میں اکٹھے ہی رکھا گیا تھا۔ اس ہوسٹل میں جہاں ان کا قیام تھا زیادہ تر غیر ممالک کے طالب علم یا تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ یا سکین کا کمرہ اس کے سامنے والے بلاک میں تھا۔ یہ بلاک وہاں سے صرف چند قدم کے فاصلے پر تھا اور انہیں آنے جانے میں کوئی زیادہ وقت کا سامنا بھی نہیں تھا۔

یاسمین رات کو کافی دیر گئے تک اس کے سرے میں موجود لڑکی اور بچہ حائل پر اس سے بحث کیا کرتی۔ فیضان کبھی کبھی یہ سوچ کر ضرور پریشان ہو جاتا: ”کہ وہ یہاں کیا پڑھنے آیا ہے؟“

اس کی دانست میں تو انہیں ماسکو یونیورسٹی میں انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا، لیکن وہ یہاں صرف نظریاتی تعلیم ہی حاصل کر رہے تھے۔ بمشکل دو پریڈ انٹیم انجینئرنگ پڑھائی جاتی تھی، جبکہ باقی کے چھ پریڈ میں ان کی نظریاتی برین واشنگ کی جاتی تھی۔ کبھی کبھی تو وہ ان مسلسل لیکچروں سے بور ہو جاتا لیکن یاسمین عموماً ایسے وقت آڑے آتی اور اسے اس بات پر قائل کر لیتی کہ سچے انقلابی کے لیے ان باتوں کو سیکھنا ضروری ہے وہ اب تک اتنی مرتبہ انقلاب کا لفظ استعمال کر چکی تھی کہ اب فیضان کو اس لفظ سے چڑی ہونے لگی تھی، لیکن وہ چاہتے ہوئے بھی کبھی اپنی اندرونی کیفیت کا اظہار یا یاسمین پر نہ کر سکا۔

ایک بات وہ خاص طور سے محسوس کر رہا تھا کہ نظم و ضبط کی آڑ میں ان پر بعض بے حد ناروا پابندیاں عائد تھیں۔ انہیں ہر جگہ گھومنے پھرنے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن کسی نے کبھی ان باتوں پر احتجاج نہ کیا۔ یہاں کے طالب علم بھی شاید پختہ ذہن لوگ تھے ورنہ عام حالات میں تو فیضان کے خیال میں طالب علم ایسی سختیوں کے تحمل نہیں ہو سکتے تھے۔

CapTrue 1.1  
یہ دوسرے روز یاسمین اس کے ساتھ ہی گھومنے جایا کرتی تھی۔ یہاں نزدیک ہی ایک دریا کے کنارے بڑی خوبصورت تفریح گاہ بنی ہوئی تھی، لیکن آج جب بہت انتظار کے بعد بھی یاسمین نہ آئی تو وہ خود اس کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ جہاں پہنچ کر اسے علم ہوا کہ یاسمین اپنی ایک مقامی سبیلی کے ساتھ اچانک کسی کام سے چلی گئی ہے۔

فیضان کچھ پریشان سا ہو گیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کام کونسا ہے جس کے لیے یاسمین اچانک چلی گئی ہے اور جب اسے اپنے سوال کا کوئی جواب بھی نہ آیا۔ تو وہ اکیلا ہی اس تفریح گاہ کی طرف چل دیا جہاں دریا کے کنارے ہزار درختوں کی چھاؤں تلے رکھے پتھر کے بنج پر بیٹھ کر اسے بڑا سکون ملا کرتا تھا۔

☆☆

وہ ایک ویران گوشے میں رکھے بنج پر اکیلا دریا کے پانی پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ ابھی چونک صبح کا وقت تھا اس لیے بہت کم لوگ یہاں نظر آ رہے تھے۔ فیضان اچانک ہی اپنے پیچھے پیدا ہونے والی قدموں کی آہٹ پر چونکا تھا۔ اس نے گردن موڑی۔ ایک مقامی تو جوان لڑکی اسے اس طرف آتی دکھائی دی۔ وہ یہاں کئی دفعہ آچکا تھا، لیکن تفریح گاہ کے اس حصے کی طرف پہلی مرتبہ آیا تھا۔ لڑکی بڑی باوقار چال چلتی اس کی طرف آ رہی تھی۔ فیضان نے چاہا کہ نظریں اس پر سے ہٹائے لیکن خدا جانے لڑکی میں ایسی کوئی کشش تھی جس نے اسے جکڑ لیا۔

زیدادہ قریب آنے پر اب اس کے نعوش نمایاں ہونے لگے۔ فیضان کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے پہلے بھی کبھی یہ چہرہ نہیں دیکھا ہے، لیکن کہاں؟



پھر جیسے یکدم اس کی کھوٹی ہوئی یادداشتوں کو اٹھانے لگا۔ اسے یاد آیا یہ تو وہی ایریٹو سٹریس ہے جو ایریٹو فلوٹ میں ان کی میزبان رہی تھی۔  
 ”ہیلو کا مرید۔۔۔۔۔“

اس نے فیضان کو اچانک وہاں دیکھ کر حیرت اور خوشی کے ملے جلے خدمات کا مظاہرہ کیا۔

”ہیلو۔۔۔۔۔“

فیضان اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”کمال ہے، آپ سے اچانک یوں دوبارہ ملاقات ہو گئی میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔“  
 وہ اتنی صاف فارسی بول رہی تھی کہ خود فیضان کو بھی اس کے روی انسل ہونے پر شک گزرنے لگا۔

”آپ یہاں آتی ہیں۔۔۔۔۔؟“

فیضان کو اور تو پوچھنے کو کچھ نہ سوچا۔

”ہاں! ہاں۔۔۔۔۔ میں اکثر یہاں آتی ہوں اور اسی بیٹنج پر بیٹھا کرتی ہوں۔ آج جب ایک انجینی کو یہاں دیکھا تو یونہی اس طرف آ گئی، لیکن میرے ویرو۔۔۔۔۔“

CapTrue 1.1

فیضان کو بالکل اجراتی نہ ہوئی کیونکہ وہ اب تک جان چکا تھا کہ یہ لوگ فوراً بے تکلف ہو جاتے ہیں۔ کم از کم یونیورسٹی کی حد تک تو اس نے یہی کچھ دیکھا تھا۔

ایئر ہوسٹس نے اسے اپنا نام و پٹنیا بتایا اور اس کے ساتھ کافی دیر تک بے تکلفی سے باتیں کرتی رہیں۔ و پٹنیا اس سے عمر میں چند سال بڑی ہی ہوگی۔ فیضان کو اس کے قرب میں ایک عجیب سی طمانیت کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے یا سمین کی طرح اب تک ایک لفظ بھی انقلاب کے بارے میں نہیں کہا تھا۔۔۔۔۔!

دوپہر کے وقت وہ فیضان کو اپنے گھر لے گئی۔ اس کا گھر یہاں سے قریب ہی ایک آبادی میں تھا۔ فیضان کو پہلی مرتبہ کسی روی آبادی میں آنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس نے محسوس کیا یہاں صفائی کا بہت خیال رکھا گیا تھا۔ چھوٹا سا دو کمرہ کا فلیٹ تھا۔ و پٹنیا نے بتایا یہ فلیٹ اسے ایئر لائن کی طرف سے ملا ہوا ہے اور وہ اکیلی ہی یہاں رہتی ہے۔

فیضان نے اس کے گھر بار کے متعلق اس سے جی بھر کر باتیں کیں اور جب سہ پہر کو وہ اس گھر سے نکلا تو خود کو ہکا پھکا محسوس کر رہا تھا۔ یہاں کی مروجہ اخلاقیات کے بالکل برعکس نہ تو و پٹنیا نے اسے شراب پینے کو کہا تھا نہ ہی اس پر قلعہ انقلاب کی موخہ نمایاں واضح کی تھیں اور نہ ہی اسے سچا انقلابی بننے کا مشورہ دیا تھا۔

اس نے سیاست کے متعلق ابھی تک ایک لفظ ادا نہیں کیا تھا۔ بس کبھی کبھی جب فیضان اس سے کابل کا ذکر کرتا تو وہ اس بات پر فخر کا اظہار کرتی کہ کابل اور ماسکو کے درمیان مضبوط دوستی قائم ہے اور اس خواہش کا اظہار بھی کرتی کہ افغانستان خوب ترقی کرے گا۔



واپسی پر وہ اپنی گاڑی پر اسے پورے طور پر چڑھائی۔ یہ اس کے لیے ایک نیا تجربہ تھا۔ اس نے فیضان کو بتایا کہ عموماً اس کی ڈیوٹی اندرون ملک پروازوں پر لگتی ہے۔ بتایا تھا کہ چھٹی والے روز اسے ذاتی استعمال کے لیے گاڑی مل جاتی ہے اس نے فیضان کو بتایا کہ عموماً اس کی ڈیوٹی اندرون ملک پروازوں پر لگتی ہے۔ اور وہ رات اپنے فلیٹ میں ہی بسر کرتی ہے۔ کبھی کبھی اسے کابل والی فلائیٹ پر جانا پڑتا ہے۔ ویلنٹینا کی متانت اور زندگی سے قریب تر باتوں نے فیضان کو پہلی مرتبہ دیر غیر میں اپنے وطن کی یاد دلادی۔ اس سے الگ ہونے کے بعد ایک بے نامی بایسٹ نے اسے جکڑ لیا۔

شام کو ان لوگوں کے لیے کھیل کے میدان میں پہنچنا اور کوئی نہ کوئی کھیل کھیلنا ضروری ہوتا تھا، لیکن آج وہ اپنے انچارج سے طبیعت کی ناسازی کا بہانہ کر لے لیٹا رہا۔ رات کا کھانا بھی اس نے اپنے کمرے ہی میں منگوا لیا تھا۔ اس کے دوست بھی اس کی عیادت کو آچکے تھے لیکن ابھی تک یا سمین نہیں آئی تھی۔ فیضان کچھ پریشان سا ہو گیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا یہ اچانک یا سمین کو کیا ہو گیا ہے؟ اب تک کئی مرتبہ اس کا جی چاہا کہ چل کر یا سمین کا حال دریافت کر آئے لیکن بہر حال وہ چٹان تھا۔ ہر مرتبہ اس کی انانیت آڑے آئی اور وہ جانتے ہوئے بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ اسے اس بات پر الجھن ہو رہی تھی کہ وہ یا سمین کے پاس یہ پیغام بھی چھوڑ آیا ہے کہ وہ یہاں آیا تھا۔ ہر دن یہ سن سکتی تھی؟

رات دس گھنٹہ تک وہ مختلف کتابوں کی ورق گردانی کرتا رہا بالآخر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اٹھا اور اپنے کمرے سے باہر آ گیا۔ بلاک کے دونوں سروں پر لگے کھمبوں سے لٹکتے بلب روشن تھے۔ اور دور دور تک کسی پہریدار کا نام و نشان دکھائی نہیں دیتا تھا۔ یہاں کسی لڑکی کے کمرے میں اگر وہ تمام رات بسر کر دیتا تو اس پر کوئی اعتراض نہ کیا جاتا۔ بس یہ ضروری تھا کہ وہ مطلوبہ وقت پر مطلوبہ جگہ پر ضرور حاضر ہو، لیکن اس کی یہ خواہش تھی کہ اسے یا سمین کے کمرے میں جاتے ہوئے کوئی نہ دیکھے۔ اس نے ناسکوبی برقی ہواؤں سے بچنے کے لیے لمبے گرم کٹ پر بھی چادر اوڑھ لی اور بڑی احتیاط سے پھونک کر قدم دھرتا یا سمین کے کمرے کی طرف چل دیا۔

☆☆

اس نے اس بلاک تک پہنچنے کے لیے اندھیرا راستہ اختیار کیا تھا۔ اسے اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی۔ واقعی کسی نے بھی ابھی تک فیضان کو نہیں دیکھا تھا۔ اس بلاک کے اکثر کمروں میں اندھیرا تھا، لیکن یا سمین اور دو تین اور افغانی لڑکیوں کے کمروں میں ابھی تک بلب جل رہے تھے۔ فیضان یا سمین کے کمرے سے کچھ فاصلے پر رک گیا۔ ایک عجیب سا خیال اس کے ذہن میں آ رہا تھا۔ اس نے چاہا کہ آج چھپ کر دیکھے کہ آخر اتنی رات گئے تک یا سمین کیا کر رہی ہے؟ اس ارادے سے وہ یا سمین کے کمرے کی پشت پر آ گیا۔ اس بلاک کے تمام کمروں کی کھڑکیاں جس سمت کھلتی تھیں وہاں ایک خوبصورت نظارہ ان کا منظر ہوتا تھا۔

اس طرف پھولوں سے لدے پھندے درخت اور پودوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں۔ یا سمین کے کمرے کی کھڑکی کے ساتھ ساتھ ایک خوبصورت پھولوں سے لدی پھندی بیل لپٹی ہوئی تھی اور فیضان اس کی آڑ میں چھپا کھڑا تھا۔ اس غیر اخلاقی فعل پر اس کا ضمیر گونگ ملامت کر رہا تھا،

Capture and PDF by: Qamar Abbas

لیکن وہ ایک انجانے تجسس سے جس بری طرح بھر اہوا تھا اس سے فیضان کا گھٹا محسوس تھا۔

کھڑکی بند تھی، لیکن شیشوں کے پیچھے پردہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ اندر کا منظر آسانی و کچھ سکتا تھا۔ فیضان نے ایک لمبے کے لیے اپنے بچوں کے بل کمرے ہو کر اندر چھاٹکا اور پھر جیسے سن ہو کر رہ گیا۔

کمرے کے اندر کا منظر دیکھ کر اسے وحشت ہوئے لگی تھی۔

وہ یہ تو ضرور جانتا تھا کہ یاسمین آ زاد خیال ہے اور ضرورت سے زیادہ مازن بھی لیکن فیضان خود کو یہ کہہ کر تسلی دے لیا کرتا تھا۔ “کہ جدید کاہل کی تقریباً ہر دوسری لڑکی اس رنگ میں رنگی جا رہی ہے۔“ لیکن آج یہاں اس کی آنکھوں نے جو گھٹاؤنا منظر دیکھا تھا اس کے بعد سے تو اسے یاسمین سے نفرت ہونے لگی۔

اس نے یاسمین کے ساتھ ایک اور افغانی لڑکی کو دیکھا جو اپنے روی دوستوں کے ساتھ شراب نوشی کرتے ہوئے ضرورت سے زیادہ ہی غیر اخلاقی حرکات کر رہی تھیں۔

فیضان کے سننے میں ایک آگ سی دھک اٹھی اس کا جی تو یہی چاہا کہ اندر جائے اور کم از کم ان دونوں کا گلا گھونٹ ڈالے، لیکن وہ بہت کچھ چاہتے ہوئے ہی پھرتے رہا۔ وہ بچہ تو نہیں تھا۔ اس تھوڑی مدت ہی کے قیام نے اس پر بڑے اسرار منکشف کئے تھے۔

پہلے روز کے تمام تاثرات جو ہوائی آڈے سے ماسکو یونیورسٹی پہنچے تک اس کے ذہن میں قائم ہو چکے تھے اب وہ حرف فلط کی طرح منٹے لگے تھے روز روز کے نظریاتی لیکچروں نے اسے بتا دیا تھا کہ حقائق وہ نہیں جو انہیں بتائے گئے بلکہ وہ ہیں جو اسے دکھائی دیتے ہیں۔

فیسے سے اس کا رواں رواں کانپ رہا تھا، لیکن اس نے واپسی پر بھی اس احتیاط کو ملحوظ خاطر رکھا کہ اسے یہاں آتے ہوئے کوئی دیکھ نہ لے۔ جس طرح چپ چاپ وہ گیا تھا اسی طرح خاموشی سے لوٹ آیا۔ جاتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی بقی بھجا گیا تھا تا کہ دور سے دیکھنے والا یہی سمجھے کہ وہ سو چکا ہے۔

اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے فیضان اوٹلو کو اپنا جسم جھٹا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اسے بہت تیز بخار نے آ لیا تھا۔ ساری رات وہ کروٹیں بدلتا رہا۔ اس کے اندر ایک آگ سی لگی ہوئی تھی۔ فجر کے وقت اسے نیند آ ہی گئی۔

صبح انہیں وقت کے مطابق جگا دیا جاتا تھا۔ بمشکل وہ دو دو ڈیڑھ گھنٹہ ہی سونے پایا تھا۔ جب اسے گراؤنڈ میں ورزش کے لیے لے جانے آ گئے لیکن فیضان نے معذرت کر دی۔ تھوڑی دیر بعد ہی ایک مستعد ڈاکٹر اس کے کمرے میں موجود تھا۔ جس نے بڑی توجہ سے اس کا معائنہ کیا چند دوائیاں دے کر اور انجکشن لگا کر ڈاکٹر چلا گیا۔

فیضان جانتا تھا کہ اب ڈاکٹر کی اگلی رپورٹ تک یونیورسٹی جانے سے اس کی جان چھٹی رہے گی۔

☆☆

Capture and PDF by: Qamar Abbas

دو پہر کی چھٹی کے بعد یا سمین سید کی اس کمرے میں چلی آئی تھی۔

وہ شکل ہی سے خاصی پریشان دکھائی دے رہی تھی۔ پہلے تو اس نے نکل نہ آنے پر معذرت کی پھر بے اختیار فیضان کا ہاتھ تھام کر اس کی نبض دیکھنے لگی۔ فیضان نے جگہ سے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ اس کا خلاف توقع رد عمل یا سمین کے لیے بڑا پریشان کن تھا۔

وہ قدرے حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

”کیا بات ہے فیضان خیریت تو ہے.....؟“ اس کی آنکھیں سارے چہرے پر پھیل گئی تھیں۔

”کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔“..... فیضان اور کیا کہتا۔

اس کا جی چاہتا تھا کہ پھٹ پڑے اور اپنے اندر کا سارا غبار نکال دے لیکن وہ مصلحتاً خاموش رہا۔ فیضان کے لیے ناممکن تھا کہ دل میں چھپی بات زبان پر نہ لائے، لیکن آج پہلی مرتبہ وہ محسوس کر رہا تھا کہ زندگی میں کبھی کبھی انسان کو منافقت بھی اپنانا پڑتی ہے۔ اس نے یا سمین سے کوئی گلہ نہیں کیا نہ ہی اسے اس بات کی خبر ہونے دی کہ وہ کل رات اس کے کمرے میں جھانک کر اس کی اصلیت سے آگاہ ہو چکا ہے۔

یا سمین، کافی دیر تک اس کے پاس بیٹھی رہی۔ اس نے محسوس کیا کہ فیضان آج کچھ کھنچا کھنچا نظر آ رہا ہے اس نے لاکھ کریدنے کی کوشش کی کہ فیضان نے دل کی بات جان لے لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی۔ فیضان اتنا گہرا لنگے گا اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

دو پہر کا کھانا اس نے فیضان کے کمرے ہی میں منگوا لیا تھا۔ فیضان نے اس کے بعد ہونے پر دو چار لقمے زہر مار کر لئے۔ اس کے رویے نے یا سمین کو اتنا دل برداشتہ کر دیا تھا کہ اس کی بھوک ہی اڑ گئی۔

سہ پہر کے بعد وہ فیضان کے کہنے پر اٹھ کر آ گئی..... فیضان کو اس کے وجود سے اب گراہت ہی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس نے آرام کرنے کا کہا نہ کر کے اسے بڑی خوبصورتی سے ترخا دیا۔

رات گئے تک باری باری اس کے ہم وطن اس کی عیادت کو آتے رہے۔ یہ بات کوئی بھی نہ جان سکا کہ یہ غیور افغان زادہ غیرت کی جس آگ میں پھنک رہا ہے اس کا سبب کیا ہو سکتا ہے۔

وہ لوگ معمول کے مطابق اس کی تیمارداری کرتے رہے یا سمین بھی رات گئے تک اس کے سر ہانے بیٹھی رہی۔ فیضان کے رویے نے اسے خاصا الجھا دیا تھا۔ وہ بڑی پریشان نظر آ رہی تھی۔ وہ رہ کر ایک ہی خیال اسے ستانے لگا تھا کہ آخر فیضان اس سے کھل کر بات کیوں نہیں کرتا۔ ضرور اس کے دل میں کوئی ایسی بات تھی جسے وہ زبان پر لانے میں پس و پیش کر رہا تھا۔

دو روز تک وہ خاصا ناراض ہو گیا۔ اس دوران یا سمین سائے کی طرح اس سے چھٹی رہی۔ اس نے فیضان کی ہر طرح دلجوئی کرنی چاہی لیکن وہ محسوس کر رہی تھی کہ اب وہ پہلے والا فیضان نہیں رہا۔

تیسرے دن جب وہ نیورسٹی گیا تو اس نے اپنے ایک پروفیسر کو خاص طور سے خود میں دلچسپی لیے محسوس کیا۔ چیریل سے فراغت کے بعد وہ فیضان کو اپنے ساتھ نیورسٹی کی ایک گراؤنڈ میں لے آیا۔ وہ یوں غائب کر رہا تھا جیسے اس سے بڑا فیضان کا کوئی ہمدرد روئے زمین پر موجود نہیں۔

فیضان اب بچہ نہیں رہا تھا۔ اس نے یہاں رہ کر اپنے دل کی باتیں بیان کر دی تھیں۔ Capture and PDF by Qamar Abbas  
اسے یقین ہو چلا تھا کہ اس کی قوم کسی گہری سازش کا شکار ہونے والی ہے۔

پروفیسر پہلے تو فیضان کی تیار داری کرتا رہا۔ پھر باتوں ہی باتوں میں اس نے یہ اندازہ لگانا چاہا کہ فیضان کی نفسیاتی حالت کیا ہے۔ فیضان نے اپنی کسی حرکت یا لہجے سے اسے کوئی شک نہ ہونے دیا پروفیسر نے اسے سمجھایا کہ سچا کامریڈ وہی ہے جو کسی جسمانی یا معاشرتی مشکل کو خاطر میں نہ لائے اور جو عظیم انقلاب کے لیے اپنا سب کچھ نچھاور کر دے۔

دو پہر کے بعد جب وہ چھٹی کر کے واپس آیا تو کھانا کھانے کے بعد میس سے اپنے کمرے کی طرف نہ گیا۔ اسے علم تھا کہ تھوڑی ہی دیر بعد یاسمین اسے ملنے آ جائے گی اور شام تک اس سے چھٹی رہے گی۔

فیضان نے اپنے کمرے کے بجائے ہوٹل میں لگے ٹیلیفون بوتھ کا رخ کیا اور اگلے ہی لمحے ویلنٹینا کا نمبر ڈائل کر رہا تھا۔



اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب دوسری طرف ویلنٹینا ہی نے فون اٹھایا۔ فیضان کی آواز سن کر اس نے خاصی گریبوشی کا اظہار کیا تھا۔  
CapTrue 1.1  
فیضان نے اس سے سرتابی پوچھا تھا کہ وہ آج فارغ ہے یا نہیں۔ جواب میں ویلنٹینا نے اسے یونیورسٹی کے باہر والی سڑک پر اسی جگہ ملنے کو کہا جہاں اس نے چند روز پہلے فیضان کو ڈراپ کیا تھا۔

ویلنٹینا کی اس فراخ دلی نے اسے خاصا متاثر کیا۔ اس نے چاہا کہ ویلنٹینا کا شکریہ ادا کرے لیکن دوسری طرف سے ویلنٹینا نے ”او۔ کے“ کہہ کر فون بند کر دیا۔

فیضان انفلو اپنی دھڑکنیں سنہٹاتا جب سڑک کے اس موڑ پر پہنچا تو اس نے دور سے آتی ویلنٹینا کی کار کو دیکھ لیا تھا۔ اس کی چھوٹی سی سرخ رنگ کی کار فیضان کے ذہن سے چپک کر رہی گئی تھی۔

فیضان نے خود کو سنبھالا اور کوشش کی کہ وہ ناٹل ہی نظر آئے۔ سڑک پر اکا دکا کاریں ہی آتی جاتی تھیں۔ دنیا کے دیگر ممالک کی طرح یہاں بے تحاشا کاریں نہیں تھیں ویلنٹینا کے پاس بھی ذاتی کار نہیں تھی۔ اس نے پہلی ہی ملاقات میں فیضان کو بتا دیا تھا کہ یہ کار اسے انٹیر لائن کی طرف سے ملی ہوئی ہے۔

ویلنٹینا نے اس کے نزدیک پہنچ کر گاڑی کھڑی کر دی۔ اس نے اگلی نشست کا دروازہ کھول دیا اور قدرے آگے کی طرف جھک کر فیضان سے ہاتھ ملایا۔ اس طرح اچانک آگے جھکنے سے اس کے جسمانی خطوط جس خوبصورتی اور بے باکی سے اچانک نمایاں ہوئے تھے۔ اس حادثے نے فیضان کو ہلا کر ہی تو رکھ دیا تھا۔ اپنی سیٹ سنبھالنے اور دروازہ بند کرنے کے بعد کافی دیر تک وہ اس ”خوبصورت حادثے“ کے اثرات محسوس کرتا رہا۔  
”کیسے ہو؟“ ویلنٹینا نے اس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ اس کی جہانم دیدہ نظروں نے فیضان کے چہرے پر آتے جاتے رنگوں سے بخوبی اندازہ کر لیا تھا کہ اس کی پہلی ہی ضرب کاری لگی ہے۔



بہت اچھا.....“ فیضان نے مختصر جواب دے کر اپنے سر پر پیرا پیرا Capture and PDF by: Qamar Abbas لکھنے لگا۔  
 ”شکریہ تم نے مجھے یاد رکھا۔“

ویٹنیا نے اس مرتبہ خاصی بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

فیضان اس کے ہاتھ کے لمس سے لرز کر رہ گیا.....!

وہ اس سے پہلے ویٹنیا سے مل چکا تھا، لیکن آج وہ اسے ضرورت سے زیادہ ہی حسین نظر آ رہی تھی۔ گو کہ اس نے بیہودہ لباس نہیں پہنا ہوا تھا لیکن فیضان کئی دفعہ کن اکھیوں سے اس کے جسمانی خدوخال کا چوری چھپے جائزہ لے چکا تھا۔

ہر دفعہ اس کی طرف دیکھتے ہی اسے اپنے خون کی حدت خاصی بڑھتی ہوئی محسوس ہوتی تھی.....

وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ اس کی نظروں کی چوری شاید ویٹنیا نے نہیں پکڑی، لیکن ”بھولا بھنجی“ یہ نہ جان سکا کہ اس کا واسطہ ہے جی بی کی ایک تربیت یافتہ ایجنٹ سے ہے جب ویٹنیا نے کار چلائے چلائے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو فیضان نے محسوس کیا جیسے اس کے ہاتھ سے برقی لہریں خارج ہو کر فیضان کے جسم میں داخل ہو رہی ہوں۔

CapTrue 1.1

وہ سمجھا ہی رہا تھا کہ اس کے لیے جان لیوا ہوتا جا رہا تھا.....؟

سڑک پر سامنے سے آتا ایک ٹرک دیکھ کر ویٹنیا نے سٹیرنگ دوڑا تو اس کے سامنے دو بارہ قابو کر لیا تو فیضان نے قدرے سکون محسوس کیا۔

”کیا خیال ہے آج میرے گھر چل کر نہ بیٹھا جائے۔“

ویٹنیا نے اس کی طرف گھما کر دیکھنے والے انداز میں دیکھا۔

”ہاں! ہاں ٹھیک ہے۔“

فیضان کو اس کے اس فیصلے سے بڑی روحانی مسرت حاصل ہوئی تھی۔

ویٹنیا نے گھر کے دروازے پر کار روک کر اس کی طرف بھرپور نظروں سے دیکھا۔ اس لمحے ویٹنیا کی آنکھیں پٹھان زاوے پر فوس ہو چکی تھیں۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ اس کے سحر میں یونہی ڈوبنا چلا جائے۔

”آؤ..... اس نے کار کا انجن بند کرتے ہوئے اسے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ فیضان محرومہ سا اٹھ کر اس کے ساتھ ہی باہر آ گیا۔ گھر میں

سوائے ان دونوں کے اور کوئی نہ تھا۔ ویٹنیا نے اس کے لیے چائے بنائی۔ دونوں کافی دیر تک ایک دوسرے کے آگے آگے بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اس مرتبہ بھی ویٹنیا نے اس سے ”انتخاب کے بجائے“ انسانوں کی باتیں کی تھیں۔ وہ فیضان کی آتش شوق کو مسلسل بجڑاتی چلی جا رہی تھی۔

اور فیضان ایک مرتبہ پھر انہی جذبات کا اسیر ہونے لگا تھا جن سے اس کا پالا اس سے پہلے یا سمین سے پہلی ملاقات کے دوران پڑ چکا تھا۔

ایسے ہی جذبات اس نے بھی یا سمین کے متعلق بھی محسوس کئے تھے اور کھل کر اس کے سامنے اعتراف محبت بھی کیا تھا لیکن اس مرتبہ وہ جتنا دھڑکا رہا تھا

تھا۔ اسے علم تھا کہ روی لڑکی کسی غیر ملکی سے **Capture and PDF by: Qamar Abbas** سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ ویٹنیا کو جلال آباد لے جائے..... واقعی وہ ایسی ہی عورت تھی.....!

ویٹنیا نے آج بھی اس سے اس کے گھر بار، خاندان اور شہر کی باتیں کی تھیں پھر اچانک اس کی ایک بات نے فیضان کو زبردست ذہنی

جھکا لگایا۔

☆☆

”فیضان! وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر صوفے پر فیضان کے بالکل ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے فیضان کو ٹھوڑی کے پیچھے ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اپنی طرف کیا۔ ویٹنیا کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ فیضان تڑپ کر رہی تو رہ گیا۔

”مجھے اپنے ساتھ لے چلو فیضان! ہم یہاں سے دور تمہارے گاؤں میں چلے جائیں گے۔ میرا جی چاہتا ہے۔ میں بھی انہی پہاڑیوں کے دامن میں بکریاں چراؤں جہاں تمہارا بچپن گزرا ہے۔ تمہارے لیے اپنے ہاتھوں سے کھانا پکاؤں..... تمہارے.....“ جذبات سے اس کا گلہ رندہ گیا تھا۔ وہ خاموش ہو گئی۔

**CapTrue 1.1** اس کی آنکھوں سے نکل کر اس کے گالوں پر موتیوں کی طرح دکنے لگے تھے۔

اس کی آواز تھرا گئی۔ پہلے تو اس نے قمیض کی آستین سے اپنے آنسو پونچھے پھر اچانک اٹھ کر ”محاف کرنا“ کہتی ہوئی ہاتھ روم میں چلی گئی۔ فیضان کٹ کر رہ گیا۔

وہ مرد تھا اور اس طرح آنسو بہانا اپنی بزدلی سمجھتا تھا۔ ورنہ شاید وہ بھی رو پڑتا۔ فیضان نے وہیں بیٹھے بیٹھے خود سے عہد کیا کہ وہ ضرور ویٹنیا کو اپنے ساتھ لے جائے گا..... بہر صورت.....!!

دوسری طرف ویٹنیا اپنے ہاتھ روم میں لگے شیشے کے سامنے کھڑی سوچ رہی تھی کہ آج زندگی میں پہلی مرتبہ اسے اداکاری کرتے ہوئے ”حقیقت“ کا گمان کیوں گزرنے لگا تھا۔ ”کہیں وہ ”واقعی عورت“ تو نہیں بنے گی۔“ اس نے سوچا۔

اور یہ سوچ ہی بڑی جان لیوا تھی۔

فیضان اس روز بڑے پوجصل دل سے لوٹا تھا وہ ویٹنیا کے ساتھ کار میں بیٹھا اسی سوچ میں گم رہا کہ آخر اتنا کمزور کیوں ہو گیا کہ اب یہ روی لڑکی بھی اس کے حواس پر چھانے لگی ہے۔ اس کے ساتھ ڈرائیور کی سیٹ پر بیٹھی ویٹنیا یہ سوچ رہی تھی کہ آج وہ اچانک ایک فاحشہ اور ”کھلوٹا عورت“ سے اتنی ”معصوم بیٹی“ کیسے بن گئی ہے۔

اس نوجوان میں ضرور کوئی ایسی بات ہوگی۔ پر اسرار قوت۔ اس نے سوچا جیسی تو کے جی بی ہا تھا دھوکہ اس کے پیچھے پڑ گئی ہے۔ یہ بات ویٹنیا سے زیادہ اچھی طرح کون جانتا تھا کہ ایک مرتبہ کے جی بی جس کے پیچھے پڑ جائے اس کا بچپنا پھر ناممکن ہو جاتا ہے۔

فیضان کی آنکھیں بچوں کی طرح تجسس اور چمکیلی تھیں اور ویٹنیا نے محسوس کیا تھا کہ یہ آنکھیں اس کے دل میں اندر ہی اندر اترتی چلی



Capture and PDF by: Qamar Abbas

جاتی ہیں۔ فیضان کے نزدیک بیٹہ کرا سے بیٹہ بچا چھین یاد آ رہا تھا۔

☆☆

اس کی ماں کسی سکول میں پڑھاتی تھی۔ باپ ایک ریسٹورنٹ میں منیجر تھا۔ کتنی اچھی زندگی بسر ہو رہی تھی ان کی بس ایک روز جب اس کا باپ گھر آیا تو غصے میں منجانے وہ کیا کیا کہہ گیا۔ اس روز رات گئے تک دونوں میاں بیوی آپس میں بحث کرتے رہے۔ اس واقعے کے تیسرے روز جب ویٹنیا کالج میں واپس گھر آئی تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے والد کو پولیس لے گئی ہے اس کی ماں کی آنکھیں رو رو کر سوچ گئی تھی۔ اور اس میں اچھی طرح بات کرنے کی سکت بھی باقی نہیں رہی تھی۔

پھر ایک روز کچھ لوگ رات کو ان کے گھر آئے پہلے وہ اس کی ماں سے علیحدگی میں باتیں کرتے رہے پھر اس کی ماں نے ہی اسے کہا تھا کہ اگر اسے اپنے باپ کی زندگی منظور ہے تو ان لوگوں کے ساتھ چلی جائے اور ان کی باتوں پر عمل کرتی رہے۔ ویٹنیا کو انہیں لوگوں نے ”ازدھلوٹ“ میں بھرتی کر دیا تھا۔ بطور ایئر ہوسٹس اس کی ٹریننگ کے جی بی بی کے ایک تربیتی مرکز میں ہوئی تھی جہاں اسے اس کے نئے میٹھے کے اسرار و رموز سے آگاہی بہم پہنچانے کے بعد اسے ڈیوٹی پر بھیج دیا گیا تھا۔

پہلے پہل وہ ”میڈیا و حاضی“ الجھن محسوس ہوتی تھی لیکن آہستہ آہستہ وہ نائل ہوتی چلی گئی۔ اسے یوں لگا جیسے یہ سب کچھ اب اس کی معمول کی زندگی کا ایک حصہ بن چکا تھا۔ اس دوران تین یا چار مرتبہ اس کی ملاقات اس کی ”خصوصی خدمات“ کے اعتراف میں اس کے باپ سے بھی کروائی گئی تھی۔

جب پہلی مرتبہ اس کے باپ کو ماسکو ویٹنیا سے ملاقات کے لیے لایا گیا تو ویٹنیا اسے پہچان ہی نہ سکی۔ اس کا صحت مند باپ ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکا تھا۔ لیکن یہ بڑی عجیب بات تھی کہ کے جی بی کے افسران کی موجودگی اور غیر موجودگی دونوں ہی میں اس نے ویٹنیا کے ساتھ کوئی گلہ نہیں کیا تھا۔ وہ اپنے حال سے مطمئن نظر آ رہا تھا۔

اس نے اپنی بیٹی کو بتایا تھا کہ بورڈ وائیوں کے ریڈیو پروگرام سننے سے اس کا دماغ خراب ہو گیا تھا۔ اور وہ عظیم انقلاب کے خلاف باتیں کرنے لگا تھا۔ اب اس کا ذہن دوبارہ راہ راست پر آ رہا ہے۔ اس نے اپنی بیٹی کو بھی یہی تلقین کی تھی کہ وہ عظیم انقلاب کے لیے اہانتا من دھن قربان کر دے اور اس کی بالکل پروا نہ کیا کرے۔

وہ سائبریا میں بہت خوش ہے۔

لیکن..... ویٹنیا سمجھتی تھی کہ اس کا بدقسمت باپ اس بری طرح ان لوگوں کے غلبے میں جکڑا جا چکا ہے کہ وہ خود پر ہونے والے مظالم کے خلاف احتجاج بھی نہیں کر سکتا۔ اسے ہر دم یہی خوف لگا رہتا تھا کہ اس کے منہ سے نکلی ہوئی بات اس کی بیٹی اور بیوی کے لیے باعث عذاب نہ بن جائے۔ اپنی بیٹی سے ملنے اور پھر جد ہوتے ہوئے اس کے دل پر چھریاں چل رہی تھیں۔

لیکن دم رخصت بھی وہ جبر کر کے اپنی بیٹی کے سامنے سکراتا رہا۔ اور پھر ایک ہندوین میں بیٹہ کر دیا بارہ ”عظیم انقلاب“ کی تکمیل کے لیے

سائبریا کے برف زاروں کی طرف چلا جاتا Capture and PDF by: Qamar Abbas

اس روز بمشکل ویٹنیا کے گھر سے یہاں یونیورسٹی آنے تک ان کے درمیان دو تین باتوں کا تبادلہ ہوا تھا۔ دونوں خود ایک دوسرے کا چور محسوس کر رہے تھے۔

ویٹنیا سے الگ ہوتے ہوئے اس نے اس کی آنکھوں میں سوگاری اور یاسیت کی جو پر چھائیاں لرزتی محسوس کی تھیں انہوں نے فیضان کو ترپا کر ہی تو رکھ دیا تھا!

☆☆

واپسی پر وہ دیکھ رہا کہ یاسمین سرک کنارے لگے درختوں کی قطار میں چھپی اسے کار سے اترتے دیکھ چکی تھی اور اس کا تعاقب کرتی ہوئی ہی فیضان کے کمرے تک آئی تھی۔ فیضان ماسکوں میں آکر خاصا حقا ہو چکا تھا۔ احتیاط کر اپنے سائے سے بھی چو کنار ہٹا تھا، لیکن اس روز فیضان کی جذبہ باقی حالت کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ اسے اپنے ارد گرد کا بھی ہوش نہیں تھا۔

یاسمین اس کے کمرے میں داخلے کے بمشکل دو تین منٹ بعد ہی وہاں آدھمکی۔

CapTrue 1.1

”دیکھو یاسمین! تمہیں ایسے سوالات کرنے کا کوئی حق نہیں مجھ سے میں کسی کے حکم کا پابند نہیں اور نہ ہی یہ چاہتا ہوں کہ کوئی میرے ذاتی معاملات میں خواہ مخواہ اداغلت کرے۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ یاسمین کو اس کے جواب نے بوکھلائی تو دیا تھا اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کا مقابلہ وہی فیضان ہے جو کبھی یا

سمین کے ایک اشارے پر جان دینے کو بھی تیار ہوتا تھا۔ جس نے اس کی محبت کے عوض اپنے اصول اور روایات کا بھی سودا کر لیا تھا۔

”اب میں کوئی ایسی زبان بھی نہیں بول رہا۔ فارسی میں بات کر رہا ہوں جو تمہاری مادری زبان ہے۔“

فیضان کے لہجے میں ابھی تک رعد زک رہی تھی۔

”تو اس کے مطلب یہ ہے کہ اس فاحشے نے تمہارا دماغ بھی خراب کر دیا ہے۔“

یاسمین غم اور غصے کی تاب نہ لائی اور پھٹ پڑی۔

اس کی اس بات پر فیضان چونکا اور اسے سمجھ آ گئی کہ ویٹنیا اور اس کی ملاقاتیں یاسمین سے پوشیدہ نہیں رہیں۔

”دیکھو یاسمین!“ اس نے خود پر بڑے ضبط سے قابو پالیا تھا: ”تمہیں اب اس بات سے کوئی غرض نہیں ہونی چاہئے کہ میں کہاں جاتا

ہوں کس سے ملتا ہوں؟ کیونکہ تمہارے متعلق اگر میرے دل میں کوئی عزت تھی تو وہ جذبہ اب اسی روز میرے تھے جب میں نے تمہیں اپنے انتہائی

نظریات سمیت اپنے انتہائی دوستوں کے ساتھ بیہودہ حالت میں دیکھا تھا، لیکن میں نے تمہاری طرح اس بات کا طعنہ بھی نہیں دیا!!

یاسمین دیا لگی کے سے عالم میں اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور اس سے پہلے کہ

Capture and PDF by Qamar Abbas

فیضان مزید کچھ کہے وہ روتی ہوئی اس کے کمرے سے باہر نکلی۔  
فیضان کو انفسوس تو ضرور ہوا کہ اس نے یاسمین کو یہ بات کیوں بتادی، لیکن وہ اپنے ضمیر پر اب کوئی بوجھ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ یہ تو بہر حال ایک روز ہونا ہی تھا لیکن اس طرح اور اچانک اس کے منہ سے یہ بات نکلے گی، اس کا تو فیضان نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔  
یاسمین کو خود سے گھن آنے لگی تھی.....!

اپنے پبلگ پر اوندھے منہ گر کر کافی دیر تک اکیلی روتی رہی۔ جب دل کا بوجھ قدرے ہلکا ہو گیا تو اس نے اپنے طرز عمل کا جائزہ لیا۔ جو بات آج فیضان نے اس سے کہی تھی وہ بات تو کوئی اور بھی اسے بہر حال کہہ سکتا تھا۔ کیونکہ وہ ترقی پسندی اور انقلاب کے چکر میں ضرورت سے زیادہ ہی آگے نکل گئی تھی۔

☆ ☆ ☆  
اس روز پہلی مرتبہ اس نے سوچا یہ کیسا انقلاب ہے جو اس سے اس کی نسوانیت چھیننے پر تلا ہوا ہے۔ اسے زندگی میں پہلی مرتبہ خود سے نفرت ہوئی تھی اور اس نفرت کا احساس ہی اس کے لیے جان لیوا تھا۔ اب تک وہ اپنی پارٹی کے حکم پر فیضان کو انگلیوں پر نہپاتی آئی تھی، لیکن اب اسے محسوس ہوا، یہ عرصہ تو عرصہ ہے۔ زندگی میں پہلی دفعہ اس نے اپنے اندر یہ تبدیلی محسوس کی تھی ورنہ تو آج تک اس نے زندگی میں کسی معاملے کو بھنجیدگی سے لیا ہی نہیں تھا۔

بس یہ انقلابی نظریات ایسے ہی تھے جنہوں نے اسے متاثر کیا اور اس نے محسوس کیا تھا کہ افغانستان کی ترقی کے لیے ضروری ہے کہ وہاں سوشلسٹ انقلاب برپا ہو.....!

وہ خود ایک بڑے خاندان کی بیٹی تھی اور جانتی تھی کہ اس کے ملک میں خواتین اور ملک اپنے ملازموں کو کیا حیثیت دیتے ہیں۔ اپنے عوام کی غربت پر اس کا دل کڑھتا تھا اور ان سرخ جلدوں والی کتابوں کے مطالعے نے اسے یہی بتایا تھا کہ کمیونسٹ اور سوشلسٹ انقلاب برپا کیے بغیر کبھی مزدوروں اور کسانوں کی قسمت نہ بدل سکے گی۔

اپنے کمزور اور سرداری نظام کے شکنجے میں جکڑے غریب اور جاہل عوام کی قسمت بدلنے کے لیے وہ اس میدان میں نکل گئی تھی لیکن آج اسے پہلی مرتبہ احساس ہوا کہ وہ انقلاب کے راستے پر ضرورت سے زیادہ ہی آگے نکل آئی ہے۔ آج اس نے شدت سے محسوس کیا تھا کہ اس کی نجات اسی میں ہے کہ وہ واپس مڑ جائے وہ پہلے ایک غیور مسلمان افغان زادی تھی اور اس کے بعد کچھ اور.....  
پھر ایک عزم کر کے دو انٹھی اور ہاتھ روم میں گھس گئی۔

اس روز نہانے سے فراغت کے بعد یاسمین نے محسوس کیا جیسے اس کے بدن پر لدا امنوں بوجھ اتر گیا تھا۔  
وہ خود کو خاصا ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ فیضان کے چمن جانے کا بچپتا وہ اسے ضرور دلا رہا تھا لیکن اس بات کی خوشی بھی بہر حال تھی کہ وہ راہ راست پر آگئی ہے۔

اس رات یاسمین نے پارٹی کی بات میں دلچسپی نہ لی تھی۔ اسے دوسرے بعد ایک ”خصوصی لیکچر“ سننے کی دعوت دی گئی تھی، لیکن یاسمین طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے لپٹی رہی۔ جب ایک کامریڈ جس نے اس کے ساتھ لیکچر میں شامل ہونا تھا اس کے کمرے میں معمول کی بے تکلفی سے داخل ہوا تو یاسمین نے اسے ڈانٹنے کے سوا انداز میں لیکن مہذب لہجہ اپناتے ہوئے کسی خاتون کے کمرے میں داخل ہونے کے آداب سمجھا دیے۔

کامریڈ نے بظاہر ہنس کر اس کی بات ٹال دی لیکن اندر سے وہ خاصا الجھ گیا تھا۔ یاسمین کی طرف سے اچانک طبیعت کی ناسازی کی اطلاع اور خصوصی لیکچر میں شامل نہ ہونے کے فیصلے نے اس کے ذہن میں کچھ شکوک و شبہات کو جنم دے دیا۔ اور..... اس نے اپنے ”اٹھابی“ ہونے کے فرائض کا احساس کرتے ہوئے۔ اپنے محسوسات اور یاسمین سے ملاقات کا حال خصوصی لیکچر کے انچارج پروفیسر صاحب تک پہنچا دیا.....! <http://kitaabghar.com> <http://kitaabghar.com>

پروفیسر نے بڑی گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا اور بغیر کوئی تبصرہ کئے آگے بڑھ گیا۔

صبح جب یاسمین کالج گئی تو کلاس کے خاتون پروفیسر سے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ وہ یونہی گراؤنڈ میں ایک درخت کے نیچے کھڑی تھی۔ سر پہ بڑی بے تکلفی سے اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔ لیکن اس نے واضح طور پر محسوس کر لیا تھا کہ یاسمین کا رویہ آج کچھ بدلا ہوا ہے اور اس نے پروفیسر کی اس بے تکلفی کا برا مانا ہے۔ لیکن منہ سے کچھ نہ کہا۔ **CapTrue 1.1**

وہ یاسمین سے یونہی ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ جان بوجھ کر اس نے یاسمین سے متعلقہ موضوع پر بات نہیں کی تھی۔ دوران گفتگو وہ اس بات کا اندازہ لگا چکا تھا کہ یہ ”شکار“ بھی ہاتھ سے نکلتا دکھائی دیتا ہے۔ یاسمین نے اسے پیاری سی کا بہانہ کیا تھا..... اور پروفیسر نے اس کے سامنے بظاہر اس کا یہ بہانہ قبول کر لیا تھا۔

اس نے یاسمین کو آرام کا مشورہ دیا اور اس کے لیے ٹیکسٹس تیار کرنا اٹھ کھڑا ہوا۔

شام تک اس نے یاسمین کی ”کیس رپورٹ“ اپنے انچارج ماسٹر تک پہنچا دی تھی اور رات گئے تک وہ لوگ یاسمین کی قسمت کے متعلق ایک فیصلے پر پہنچ چکے تھے۔ وہ اس بہترین شکار کو کسی صورت ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اگر یہ شکار ہاتھ سے نکل گیا تو انہیں نئے سرے سے بہت محنت کر کے اس کا کوئی متبادل ڈھونڈنا پڑتا۔

کے جی بی نے اسے بلیک میٹنگ کے ذریعہ اپنا مطیع کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور اب وہ اپنی مقصد براری کے لیے بلیک میٹنگ سٹف جمع کرنے لگے تھے۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لیے کے جی بی کیا کر گزرتی ہے؟ یہ تو کبھی یاسمین کے وہم و گمان میں بھی نہیں آتا تھا۔



کتاب گھر کی پیشکش کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

Capture and PDF by: Qamar Abbas

## ضمیر کی آواز

خلاف توقع جب رات کے دوسرے پہر ویلینٹینا کے فون کی گھنٹی بجی تو اس کا دل دھک سے رو گیا! اسے آج نیند ہی نہیں آ رہی تھی اور اس نے نیند کی روٹی ہوئی دھوپ کو سنانے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی تھی لیکن سوائے کروٹیں بدلتے رہنے کے اور کچھ اس کے اختیار میں نہیں رہا تھا۔ فون کی اچانک بجنے والی گھنٹی نے اس کے اعصاب میں بجلی دوڑا دی تھی۔ اسے زوردار جتنی جھٹلا لگا اور وہ لرز کر رہ گئی۔ اس بات کا تو اسے یقین تھا کہ یہ فون کے جی بی بی کی طرف سے آیا ہو گا لیکن آخر کیوں؟ اس نے دوسرے ہی لمحے سوچا: ”کہہیں اس کے اندر کل آنے والی فیضان کی موجودگی میں جو تبدیلی تھوڑی دیر کے لیے آگئی تھی۔ اس کا علم تو ان لوگوں کو نہیں ہو گیا؟“

کچھ بھی ممکن تھا: اس نے ایسے سینکڑوں لوگوں کے متعلق دیکھا اور سنا جن کے دل میں ذرا سا شائبہ پیدا ہو تو اس کی خیران لوگوں کو ہوا جاتی۔ 1.1 CapTrue اس کے تصور سے ویلینٹینا کا نپ کا نپ گئی۔

”ہیلو کامریڈ“..... اپنی آواز میں ہونے والی کیکپاٹ اسے اپنے رگ و پے میں سرایت کرتی ہوئی محسوس ہوئی۔

”جاگ رہی ہوا بھی تک؟“

دوسری طرف سے آنے والی آواز کو وہ ہزاروں میں بھی پہچان سکتی تھی۔

وہ اپنی جگہ دھل کر رہ گئی۔ واقعی وہ ابھی تک جاگ رہی تھی اور یہ بات خلاف معمول رشی تھی..... اور معمول کی یہ خلاف ورزی اس کا جرم بھی قرار دی جاسکتی تھی۔

”سر! آج پیٹ خراب ہے۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد سے درد ہو رہا ہے۔“

اس نے مقدور بھر کوشش کی کہ اپنی آواز پر قابو پالے۔

”دوائی لے لی ہوئی“.....

دوسری طرف سے قدرے ہمدردی کا اظہار ہوا۔ یہ لمحے کی سرد مہری ابھی تک قائم تھی۔

”تھوڑی دیر پہلے لی تھی سر۔“

”ٹھیک ہے تم تیار ہو جاؤ۔ ابھی تھوڑی دیر میں کوئی آ کر لے جائے گا تمہیں۔“

دوسری طرف سے یہ حکم دے کر فون بند کر دیا گیا۔

ریسیور کریڈل پر رکھتے ہی ویلینٹینا اچھل کر بستر سے باہر آگئی۔ اتنی سردی کے باوجود اسے پیہ نہ آ رہا تھا۔ اس نے اپنی حالت سنبھالنے



Capture and PDF by: Qamar Abbas

کے لیے ”واڈا“ کا ایک جام تیار کیا اور ایک ہی منٹ میں اسے پینے میں لگا دیا۔۔۔

شراب نے اسے نکھرے اوسان کو سینے میں قدرے مدد دی اور جب وہ منہ ہاتھ دھو کر پڑے بدل رہی تھی تو نابل ہو چکی تھی۔

اپنے کمرے میں رکھی ایک آرام کرسی پر بیٹھی وہ اب کسی کی آمد کی منتظر تھی۔ پندرہ بیس منٹ کے جان لیوا انتظار کے بعد دروازہ پر کھٹکی ہوئی اور ویٹنیا اپنی جگہ سے یوں اٹھی جیسے طاقتور سپر گھوس نے اسے فضا میں اچھال دیا ہو۔

اپنے فلیٹ کا دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے دروازہ کے سامنے کھڑی ایک وین دیکھ لی تھی جس کے اندر روشنی ہو رہی تھی اور باہر کی تمام جتیاں بجھا دی گئی تھیں۔ اسی روشنی میں اگلی سیٹ پر ایک کرخت چہرے اور کچھے ہوئے اعصاب والا ڈرائیور بھی اسے نظر آ رہا تھا۔

ویٹنیا کو لے کر وین اسی دفتر کے سامنے آن رکھی تھی جہاں وہ اس سے پہلے متعدد بار پیش ہو چکی تھی۔

کمرے کا دروازہ حسب معمول بغیر آواز پیدا کئے کھول کر وہ اندر داخل ہو گئی۔ کمرے میں کیپٹن دروازے کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا تھا۔ اس کی نگاہیں کھڑکی کے باہر برف باری پر جمی ہوئی تھیں۔ اس نے ویٹنیا کی طرف گھوم کر دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔

”بہت دیر کر رہی ہو کامریڈ۔“ وہ اچانک ویٹنیا کی طرف گھوما اور اس کی آنکھیں ویٹنیا کو اپنے جسم پر دھنسی ہوئی محسوس ہوئیں۔

CapTrue 1.1

..... میں اس کر رہی ہوں سر.....

ویٹنیا نے اپنے حلق کوڑ کرنے کے لیے تھوک لگا۔

”ابھی صرف کوشش ہی کر رہی ہو.....“

کیپٹن کے لہجے میں تمسخر کے علاوہ بھی ایک ایسی دھمکی پوشیدہ تھی کہ جس کے تصور ہی سے ویٹنیا کی رگوں میں خون منجمد ہو رہا تھا۔ ”اب اس کیس کو ختم کر دو۔ کل شام تک بہر حال.....“ وہ شاید بہت کم الفاظ بولنے کا عادی تھا۔

”ٹھیک ہے سر!“..... ویٹنیا نے ہر ممکن کوشش کر ڈالی کہ اس کی آنکھوں کے حصار سے بچ نکلے لیکن یہ اس کے لیے ممکن نہ تھا۔

”تمہارے فلیٹ میں جینے تک تمام بندوبست ہو چکا ہوگا.....“ کیپٹن یہ الفاظ کہتے ہوئے اس کے قدرے نزدیک بھی آ گیا تھا۔

”نہیں سر“..... ویٹنیا سمجھتی تھی۔ یہ کھیل اس کے لیے ہرگز نیا نہیں تھا۔

”نہیں ایک ہی واڈا آزمانا ہے۔ مہلت نہیں ملے گی..... اور ناکامی کی صورت میں.....“ اس نے مسکراتے ہوئے ویٹنیا کے کندھے پر ہاتھ رکھا تھا لیکن اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے حلقوم میں چھری چل گئی ہو۔

اگر چند منٹ اور اسے اس صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا تو وہ کبھی اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل نہ رہتی۔ وہ دل ہی دل میں دعا مانگ رہی تھی کہ جتنی جلدی ممکن ہو اسے یہاں سے چھٹکارا مل جائے۔

”ٹھیک ہے تم جاؤ“.....



اس نے اپنا ہاتھ ویلینٹینا کے گلے سے لٹکوا کر بڑے سہولت پسندانہ انداز میں اس کے سارے بدن کو چھوڑ ڈالا تھا۔ ویلینٹینا نے بڑی ہمت کر کے کمرے کا دروازہ کھولا اور باہر نکل گئی۔

باہر راہداری میں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر اس نے اپنی سانسوں کا بکھرتا تانا بانا اکٹھا کیا اور پوچھل قدموں سے اس راہداری کے کوئے تک پہنچ گئی۔ جہاں باہر سے آنے والے مہمانوں کے لیے آرام دہ صوفے اور گلدان بڑی نفاست سے سجائے گئے تھے۔ ایک صوفے پر ڈھیر ہو کر وہ ہانپنے لگی۔

اس کے لیے مزید چلنا ناممکن ہو گیا تھا۔ جو کام اسے کیٹینن نے سونپا تھا۔ وہ اس کے لیے نہ تو تیار تھا نہ ہی مشکل۔ لیکن اس کا دل گواہی دے رہا تھا: ”کہہ اس مرتبہ وہ ناکام ہو جائے گا اور ناکامی کا مطلب..... کیا تھا؟“ صرف موت“ وہ آہستہ سے بڑبڑائی۔

آج تک یہ ہوا ہی نہیں تھا کہ جی بی نے اپنے کسی ناکام ہوجانے والے ایجنٹ کو معاف کیا ہو! فیضان سے ملاقات اور بے تحاشا باتیں کرنے کے بعد اس کی جذباتی کیفیت اب خاصی بدلنے لگی تھی۔

اسے یوں محسوس ہونے لگا تھا: جیسے اس کی چھٹی ہوئی نسوانیت واپس آنے لگی ہو۔ فیضان کے نزدیک بیٹھ کر اسے کئی مرتبہ اپنے ”بھوپور عورت“ سے مل کر دیکھا۔

CapTrue 1.1

یہ احساس اس کے ہاں سے کبھی رخصت ہو چکا تھا کیونکہ اب اس نے اپنے جسم کو اپنا بھٹانہ چھوڑ دیا تھا!

..... یوں تو دم پیدا کشی ہی روس میں جنم لینے والے ہر کامریڈ کا جسم اور روح ”عظیم انقلاب“ کے لیے وقف ہو جاتی ہے، لیکن ویلینٹینا نے اس ”حقیقت“ کو اس وقت سے قبول کیا جب اس کے باپ کو سائبریا کی یا تار کے لیے بھیج دیا گیا تھا تا کہ اس کا دماغ اچھی طرح ٹھیک ہو جائے۔ اس کا باپ بوڑھا آدمی تھا۔ زندگی سے اس نے کافی کچھ حاصل کر لیا تھا اور ویلینٹینا کو ابھی بڑی لمبی زندگی گزارنی تھی..... پہاڑ ایسی زندگی۔ وہ اتنی بہادر نہیں تھی کہ اپنے ہاتھوں اپنی جان لے سکی اور زندہ رہنے کے لیے ضروری تھا کہ وہ ”نیٹ“ کے لیے جئے اور مرے۔

☆☆

”کوئی خدمت مادام؟“..... اسے زبردست ذہنی جھٹکا لگا جب اچانک ہی ایک کمرے سے ایک باوردی ویرنکل کر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

”ن۔ن۔ن۔ نہیں..... کچھ نہیں۔ پانی لا دو ذرا“..... اس کے لیے اپنی گھبراہٹ چھپانا ممکن نہیں رہا تھا۔

”او۔ کے مادام“..... باوردی اور مؤدب ویرن نے قریب جھکتے ہوئے کہا اور انہیں قدموں پر واپس گھوم گیا۔

جب ویرن پانی کا گلاس ایک پلیٹ میں سجا کر لایا تو وہ حیران رہ گیا کہ مادام وہاں سے جا چکی تھی۔

وین وین موجود تھی جہاں اس نے ویلینٹینا کو ڈراپ کیا تھا.....!

وہ کچھ ہوئے اعصاب اور کرخت چہرے والا ڈرائیور بھی اپنی سیٹ پر مستعد بیٹھا تھا۔ اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر ڈرائیور نے وین کے

Capture and PDF by: Qamar Abbas

اندر کی لائٹ آن کر دی اور پچھتر آیا۔ ویلینٹینا سے یہ دروازہ اس کے موہنی کھولا تھا۔  
تھوڑی دیر بعد وہ نیم بیہوشی کی سی حالت میں اپنی سیٹ پر بے دم ہو کر گری ہوئی تھی۔ وین کے اچانک بریک لگنے سے پیدا ہونے والے  
جھٹکے نے اسے بیدار کیا اور اس نے دیکھا کہ وین تو اس کے گھر کے سامنے کھڑی تھی۔  
وہ ہمت کر کے اٹھی۔ ڈرائیو نے اس کے لیے دروازہ کھولا تھا۔ اس کے باہر نکلنے پر ڈرائیو نے اسے تعظیم دی اور ویلینٹینا لمبے لمبے ڈگ  
بھرتی اپنے فلیٹ کی طرف چل دی۔ فلیٹ میں روشنی اس نے باہری سے دیکھی تھی اور یہ بھی اسے علم تھا کہ اندر کون لوگ موجود ہیں اور وہ کیا کام کر  
رہے ہیں۔

اپنے کمرے کا دروازہ اس نے کھولا تو دو آدمیوں کو اپنا منتظر پایا۔ دونوں نے اس کی اچانک آمد پر کسی رد عمل کا اظہار نہ کیا۔ بالکل یوں  
جیسے وہ اس گھر کے فرد ہوں۔ دونوں نے کمرے کی ترتیب خاصی بدل دی تھی اور ویلینٹینا کی مشاق نظروں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہاں کیا کیا  
تبدیلیاں عمل میں آئی ہیں۔

”مادام!“..... ان میں سے ایک نے بڑے ادب سے ویلینٹینا کو مخاطب کیا۔ ”دیکھئے“.....

CapTrue 1.1  
وہ اسے سرخ سے سادھ لگے سوچ بوریڈ پر لے آیا۔

”آج سے پہلے جس سوچ بٹن سے آپ گھر کے دروازے والی لائٹ جلا کر تھیں اب اس سے نہیں جلائیں گی۔ جیسے ہی آپ وہ بٹن  
دبا ئیں گی کیمرے حرکت میں آ جائیں گے۔ اور ہاں مادام!“..... اس نے ایک دوسرے سوچ کی طرف اشارہ کیا۔ ”ہم نے باہر والے بلب کا  
کنکشن ادھر کر دیا ہے۔ آئندہ آپ باہر کی روشنی جلائے کے لیے اس بٹن کا استعمال کریں۔ ہم آپ کے معمولات میں اس معمولی سی تبدیلی کے لیے  
معذرت خواہ ہیں لیکن یہ ناگزیر تھا۔“

”ٹھیک ہے۔ آپ لوگ جاسکتے ہیں۔“.....

ویلینٹینا شدت سے تنفیس کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔

”شکر یہ مادام“.....

دونوں نے بندروں کی طرح دانت نکالے اور اپنے بیگ سمجھال کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

یہ دونوں کے جی بی کے ماہر مکینک تھے اور اب اس کمرے میں ایسا بندوبست کر دیا گیا تھا کہ اگر ویلینٹینا اس پیش بٹن کو بادیقی تو اس  
کمرے میں ہونے والی معمولی سی حرکت کو بھی کمرے میں چھپائے گئے کیمرے اپنے اندر موجود فیتے پر منتقل کر لیتے۔

اس کے ذمے یہ ڈیوٹی لگائی گئی تھی کہ وہ فیضان کے ساتھ ”غلا حرکات“ میں اپنی فلم بنوائے تاکہ بعد میں اس فلم کی آڑ میں اسے بلیک میل

کیا جاسکے.....!!

ان لوگوں کے لیے شاید یہی فیضان کو قابو کرنے کا بہترین طریقہ تھا۔

لیکن ویلنٹینا جو اس سے پہلے درجنوں گریز کی حالت میں تھی اب اس کے سامنے اس کا چہرہ ہر بار سوالی بن بن کر اس کے سامنے آتے اور اسے بے طور پر یہ محسوس کرنے لگی تھی کہ فیضان کے ساتھ ایسا کرنا ممکن نہیں ہوگا۔

ساری رات وہ خود سے جنگ لڑتی رہی۔ بوڑھے باپ، معصوم بہن اور ماں کا چہرہ ہر بار سوالی بن بن کر اس کے سامنے آتے اور اسے بے بسی کے آنسو لاتے رہے۔

بہر طور بادل نخواستہ ہی کسی اسے یہ سب کچھ کرنا تو تھا۔

صبح اس نے فیضان کو یونیورسٹی جانے سے پہلے اسے ہوٹل میں ٹیلیفون کیا کہ وہ آج شام اس کے گھر چلا آئے۔

فیضان کو آج سے پہلے اس طرح کی دعوت ویلنٹینا کی طرف سے کبھی ملی نہیں تھی گو کہ وہ اب تک کئی دفعہ اس کے گھر جا چکا تھا لیکن آج ویلنٹینا نے جب اسے اچانک یہ دعوت دی اور مزید کوئی تفصیل بتائے بغیر فون بند کر دیا تو وہ کچھ گڑبڑا کر رہ گیا۔

”کہیں خدا نخواستہ وہ کسی چکر میں تو نہیں پھنس گئی؟“

اس نے سوچا اور پھر خود ہی اس سوچ کو ذہن سے جھٹک کر الگ کرنے کی تدبیریں کرنے لگا۔

یونیورسٹی چائے ہوئے اس نے حتی الوسع یہ کوشش کی تھی کہ اس کا آنا سنا سنا یا سیمین سے نہ ہو اور اسے اپنی کوشش میں کامیابی بھی نصیب

ہوئی تھی۔

چھٹی کے بعد اس نے ایک مقامی تھیمز کا رخ کیا! اسے سب سے زیادہ کوفت اگر کبھی ہوتی تھی تو تھیمز میں آ کر کیوں کہ سوائے سرخ پھریروں اور خونی کھاتے کے اور کچھ اسے سننے یا دیکھنے کو نہیں ملتا تھا۔

☆☆

فیضان نے محسوس کیا کہ آج ویلنٹینا وہ نظر نہیں آ رہی تھی جس سے اس کا اب تک سابقہ رہا تھا۔ اس نے آج سے پہلے نہ تو کبھی ایسا بیہودہ لباس پہنا تھا نہ ہی کبھی خود کو نمائیاں کرنے کے لیے ایسی اوجھلی حرکت کی تھی۔ اپنے فلیٹ کے دروازے پر ویلنٹینا نے گوکہ فیضان کا استقبال مسکراتے ہوئے کیا لیکن اس مسکراہٹ کے پیچھے کیا کیا طوفان پوشیدہ تھے، اس کا احساس فیضان کو نہ ہو سکا۔ وہ تو حیرت سے ویلنٹینا کو کس دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔

”کیا دیکھ رہے ہو فیضان؟“

ویلنٹینا نے اس کے سامنے ایک کرسی پر ڈھیر ہوتے ہوئے کہا۔

”جہیں دیکھ رہا ہوں! کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ تم تو.....“

”ہاں فیضان میں ایسی نہیں تھی.....“

ویلنٹینا نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ ”جی کہنا چاہتے ہو نا تم..... اس کی آواز بھرا گئی۔

فیضان واضح طور پر یہ محسوس کر سکتا تھا کہ اس کا گھارندہ گیا ہے لیکن اس نے بڑی ہمت سے اپنے آپ پر قابو پایا۔

”مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ آخر تمہارے دل پر کون سے اور کون سے اوصاف کا غلبہ ہو گا؟ یہ فیضان لاکھ ضبط کے باوجود بھی پھٹ پڑا۔  
 ہے؟ تم لوگ آخر دنیا کو کیا دینا چاہتے ہو کیا ایسی مصیبت آگئی ہے تم لوگوں پر کہ ایک عظیم مقصد کے لیے ایسے گھٹیا اور خلاف انسانیت راستے اختیار کرنے لگے ہو تم؟“

فیضان لاکھ ضبط کے باوجود بھی پھٹ پڑا۔  
 ویلٹینا اور تو کچھ نہ کر سکی بے بسی سے رو دی۔  
 اسے روتے دیکھ کر فیضان خاموش ہو گیا، نبھانے سے کیوں ایک جھپٹتا وہ سالگ تھا۔ اس طرح کی گفتگو پر۔ اس نے سوچا کہ اسے یہ سب کچھ نہیں کہنا چاہئے تھا۔ لیکن اس لئے واقعی فیضان کو خود پر قابو نہیں رہا تھا۔  
 اس نے ویلٹینا کی گفتگو میں کبھی ایسی ”انٹرایٹ“ محسوس نہیں کی تھی نہ ہی اس نے کبھی یا کمین کی طرح اس کے سامنے فلسفیانہ موضوعات یاں بکھیری تھیں۔ وہ تو ایک سیدھی سادھی لڑکی تھی۔ پھر اچانک یہ تبدیلی.....!

فیضان آخر مرد تھا اور محسوس کر سکتا تھا کہ اس طرح جب کوئی عورت کسی مرد کو اپنی غلط گاہ میں طلب کرے تو وہ اس سے کیا امید رکھتی ہے۔ اسے سمجھ میں آ رہی تھی کہ اس نے اسے کس طرح کرائے۔ بس وہ اس کے نزدیک کدھے پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ شاید عورت کو تسلی دینے کا اس سے بہتر طریقہ اس کے نزدیک اور کوئی نہیں تھا۔

”تم جوتی چاہے کہڑا الو فیضان!“  
 ویلٹینا نے حیرت انگیز ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بالآخر خود پر قابو پالیا تھا لیکن یہ حقیقت ہے کہ تمہارے ساتھ گو کہ میرا انکراؤ قدرتی نہیں بلکہ ایک طے شدہ منصوبے کا حصہ تھا پھر بھی تمہارے ساتھ مل کر تم سے باتیں کر کے میں اپنے ”مقصد“ سے دور رہتی چلی جا رہی تھی اب میں شاید کبھی پہلے والی ویلٹینا نہ بن سکوں گی۔ اور یہی میرا ایک کرناک موت کی طرف پہلا قدم ہوگا.....“

”تم کیا کہہ رہی ہو..... ویلٹینا“  
 فیضان کو ایک دھچکا لگا۔

”ہاں فیضان!“ ویلٹینا نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”میں چاہتی ہوں کہ آج تمہیں سب کچھ بتا دوں۔ میں نہیں چاہتی کہ زندگی کے کسی مرحلے پر تمہیں یہ احساس ہو کہ میں بھی عام قسم کی لڑکی تھی۔ فیضان! کاش تمہیں بتا سکتی کہ میں کس بری طرح اس چنگل میں پھنس چکی ہوں۔“  
 ”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔ کیا کہہ رہی ہو تم“

فیضان نے اس کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا۔  
 ”ہاں فیضان! واقعی تمہارے لیے یہ سب کچھ عجیب ہوگا۔ کیونکہ تم.....“  
 وہ اچانک خاموش ہو گئی اور پھر دے پاؤں چلتی کھڑکی تک پہنچی۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

کھڑکی کھول کر اس نے باہر جھانکا اور جھانکنا بھول کر اس نے کہا۔  
 ”کیا ہوا۔ کیا بات ہے؟“.....

فیضان قدرے گھبرا گیا۔

”کچھ نہیں..... مجھے کچھ شک تھا۔“ ویلینٹینا نے کہا۔ ”اچھا میں ذرا چائے تو بنا لوں تمہارے لیے۔“..... کہہ کر وہ فیضان کے ”نا۔ نا۔“ کرنے کے باوجود روٹکی میں چلی گئی۔

پانچ منٹ بعد روٹکی سے برآمد ہوئی تو پہلے والی ویلینٹینا بن چکی تھی۔ یہ پانچ چھ منٹ اس کی زندگی کے سب سے زیادہ اذیت ناک لمحے تھے۔ اس دوران وہ اپنے آپ سے ایک طویل جنگ لڑنے کے بعد ایک فیصلے پر پہنچ کر مطمئن ہو چکی تھی۔  
 فیضان البتہ ابھی تک انہیں الجھنوں میں گھرا ہوا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ویلینٹینا کے متعلق کیا رائے قائم کرے؟

☆☆

”فیضان امیری ایک بات مانو گے؟“

CapTrue 1.1

وہ سہما سے چائے کی پیالی اس کے نزدیک سرکاتے ہوئے اسے خیالات کے طلم سے باہر نکالا۔

”وو کیا؟“

”تم فوراً واپس چلے جاؤ۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا..... یہ میرے لیے کیسے ممکن ہوگا؟“ فیضان گڑبڑا گیا۔

اور ”مطلب“ سمجھانے کے لیے ویلینٹینا نے اسے شروع سے آخر تک ساری کہانی سنادی۔ یہ بھی بتا دیا کہ آج اسے کس مقصد کے لیے یہاں بلا یا گیا ہے۔

”اس کا مطلب یہ ہے کہ یا یسین کو بھی ان لوگوں نے.....“

وہ بڑبڑا کر رہ گیا۔

”ہاں فیضان! اسے بھی اسی مقصد کے لیے تمہارے ساتھ منتقل کیا گیا تھا، لیکن ان لوگوں کو شک تھا کہ کسی بھی مرحلے پر شاید وہ بھسل سکتی ہے اس لیے میری خصوصی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔“

”اب وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟“

فیضان کے اس سوال نے گوکہ ویلینٹینا کے بدن میں سنسنی کی ایک لہر دوڑا دی تھی، لیکن اس نے اپنے چہرے کے تاثرات نہ بدلنے دیئے۔  
 ”تم فکر نہ کرو۔ میں کوئی نہ کوئی بندہ دوست کر لوں گی۔ زیادہ سے زیادہ میرا تبادلہ یہاں سے کسی اور جگہ کر دیا جائے گا لیکن تمہارے لیے کچھ

بھی ممکن ہے۔“



”لیکن میں..... ویلنٹینا میں تمہیں اس طرح چھوڑنا بڑی بھلاہوں۔ یہ جی چاہتا ہے کہ میں اسے شایان شان نہیں.....“

”جذبائی باتیں مت کرو فیضان..... ہمارے پاس یوں بھی وقت کم ہے تم ابھی بچے ہو! تجربے کے لحاظ سے..... تم انداز نہیں کر سکتے کہ تمہارے ملک پر کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ واپس چلے جاؤ فیضان اور ان لوگوں کو آنے والے عذاب سے بچانے کی کوشش کرو جس کا شکار وہ بہت جلد بننے والے ہیں۔“

ویلنٹینا نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

قریباً ایک گھنٹہ انہوں نے جی بھر کے آپس میں باتیں کی تھیں۔ اس دوران ویلنٹینا نے اسے مطمئن کرنے کے لیے کہہ دیا تھا: ”کہ وہ بہت جلد کا بل میں اس سے ملے گی اور اس کے ساتھ ہی فرار ہو جائے گی۔“

انہوں نے آپ میں بڑے منصوبے بھی باندھ لیے تھے..... فیضان کو یقین تھا کہ ایسا ہی ہوگا، لیکن وہ کبھی نہ سمجھ سکا کہ ویلنٹینا نے تو اسے صرف مطمئن کرنے کیلئے یہ جھوٹ گھڑا تھا۔ وہ کیا کرنے جا رہی تھی۔

اگر اس بات کی ذرا سی ہلک بھی فیضان کے کانوں میں پڑ جاتی تو اس کا ذہن دھماکے سے پھٹ جاتا۔

CapTrue 1.1  
”چاہا بام چوہ..... لیکن میری بات پر ضرور عمل کرنا۔“ ویلنٹینا کی آواز لاگھ ضبط کے باوجود بدل رہی تھی۔ دروازے تک وہ اسے خود

چھوڑنے آئی..... ”آج میں تمہیں ہوش تک چھوڑنے نہیں چاہوں گی۔ مجھے معاف کر دینا..... خدا حافظ۔“

دروازے میں رک کر اس نے ویلنٹینا کی طرف دیکھا جس کی آنکھیں کسی بھی لمحے چمک پڑنے کو تیار تھیں۔

”خدا حافظ ویلنٹینا..... میں تمہیں کبھی نہیں بھلاؤں گا۔ تمہارا انتظار کرتا رہوں گا۔“

اس کی بات مکمل ہوتے ہی ویلنٹینا نے دروازہ بند کر دیا۔

..... اب اس میں ضبط کا یارا نہیں رہا تھا۔ وہ بے سدھ ہی ہو کر صوفے پر گر پڑی اور بچوں کی طرف ہلک ہلک کر رونے لگی۔

☆☆

فون کی گھنٹی بجتے تک وہ بالکل نارمل ہو چکی تھی۔

اس کے دونوں ہونٹ ہچکچ گئے تھے اور ہاتھوں کی مٹھیاں بند ہونے لگی تھیں نفرت کا ایک الاؤ اس کے اندر دھکنے لگا تھا اور وہ بزدل سی ویلنٹینا جو اپنے بوڑھے باپ کو سائبریا کے برف زاروں سے نجات دلانے کے لیے ”جی بی“ کے ہاتھوں میں موسم کی گڑبائی بنی ہوئی تھی۔ اس نے بڑے مضبوط ارادے سے فون اٹھایا۔

”لیں.....“ کسی نے پوچھا اور اسے متعلقہ نمبر دے دیا۔

”کیا رہا؟“

دوسری طرف کی آواز اس کے لیے اچھی نہیں تھی۔ یہی وہ شخص تھا جو اس کی بربادی کا باعث بنا تھا۔ اسی نے اسے سب سے پہلے ہلک میل



کر کے ”جی بی“ کی جھولی میں ڈال تھا۔ Capture and PDF by: Qamar Abbas

”بہت اچھا..... سب ٹھیک ہو گیا۔“

وہ پھٹ پڑنے کو تھی، لیکن اس نے بڑی مشکل سے خود پر قابو پایا ہوا تھا۔  
 ”ویل ڈن..... تم نے سٹیٹ کے لیے، عظیم انقلاب کے لیے بہت عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ میں تمہاری سفارش ہائی کمان سے کروں گا۔ بہت جلد تمہارا باپ تمہیں واپس مل جائے گا۔“ دوسری طرف سے خوشی کا اظہار کیا گیا۔

”سر!“

ویٹنیا کو خود پر قابو پانے کے لئے بڑی زبردست جدوجہد کرنی پڑی تھی۔

”نہیں۔“

”میری خواہش ہے کہ یہ فلم، ”کنسل“ میں خود پیش کروں۔ میں چاہتی ہوں اپنی خدمات کے عوض ان لوگوں سے اپنے باپ کی رہائی کی

اپیل کر سکوں۔“

CapTrue 1.1

یہیں ہیں۔ میں میں..... تم صبح آٹھ بجے بلاک ایف میں آ جاؤ۔ فلم لے کر۔“ دوسری طرف سے جواب ملا۔

”اوہ! شکریہ کا مریڈ!“

سلسلہ منقطع ہو گیا۔

ویٹنیا نے خالی فلم کیمرے سے نکال کر اپنے قبضے میں کر لی تھی۔ اس کے فون کرنے پر وہی مکینک دوبارہ آئے خاموشی سے اپنے کیمرے اور متعلقہ اوزار لے کر واپس چلے گئے۔ ویٹنیا نے ان سے کچھ نہ کہا۔ نہ ہی وہ اس سے کچھ پوچھنے کی جرات کر سکتے تھے۔ ان کے وہاں سے دفع ہوتے ہی اس نے فلیٹ کے تمام کمروں کو ڈبل لاک لگا دیئے۔

اس نے آج بہت عرصے بعد اپنے خصوصی ٹریک سے ہائیڈرولک ڈاؤننگ اسٹول کے باپ نے یہاں ”میں“ تھا۔ دو تین گھنٹے تک وہ عبادت کرتی رہی اور پھر اسے نیند آ گئی۔

صبح جب ویٹنیا بیدار ہوئی تو خود کو خاصا ہلکا سا محسوس کر رہی تھی۔ اس نے معمول کے مطابق ناشتہ کیا۔ ہائیڈرولک ڈاؤننگ اسٹول سے اتر کر ٹریک میں رکھ دیا اور ایک جیسی ٹیلٹ وہاں سے نکال لی۔

اس ٹیلٹ کا استعمال اس سے زیادہ بہتر اور کون جانتا تھا؟ رپورٹ اور ٹیلٹ کے علاوہ بھی اسے کچھ چیزیں دی گئی تھیں جو ”جی بی“ کے ہر قابل اعتماد ایجنٹ کے پاس ہونا ضروری ہوتی ہیں۔

اپنے فلیٹ سے روانگی کے وقت اسے کوئی پشیمانی نہیں تھی نہ ہی کوئی پچھتاوا وہ جو کچھ کرنے جاری تھی اس کا فیصلہ اس نے بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا..... ویٹنیا جانتی تھی کہ بہر حال ایک دن اسے یہی کچھ کرنا تھا۔ جلد یا بدیر۔

وقت مقررہ سے کچھ دیر پہلے اس کی بلیٹ پیسٹ کی اور پھر اس کے لیے پہن لی۔ اس جستی پٹی میں سے ایک انتہائی باریک تار نکال کر اس نے اپنی آستین کے اندر ہاتھ تک پہنچا دیا تھا۔ تار کے سرے پر لگا ایک تھیں کے ٹن ایسا ٹن اس کی ہتھیلی کے اتنا نزدیک تھا کہ وہ کسی وقت بھی اسے درمیانی انگلی سے چھو سکتے تھے۔

اپنی کار میں بیٹھے سے پہلے اس نے ماسکو کے برف کے گالوں میں ڈوبتے ابھرتے شہر کو بالکل اسی طرح دیکھا جیسے ان مناظر کو اپنے اندر سمو لیتا چاہتی ہو۔ پھر دو چار لمبے لمبے سانس بھرنے کے بعد وہ کار میں بیٹھ گئی اب اس کی کار "ایف بلاک" کی طرف اڑی چلی جا رہی تھی۔

ماسکو یونیورسٹی کے نزدیک اس نے گاڑی کو تھوڑی دیر کے لیے روک لیا: اس کی نظر سیرگاہ کے اس بچ پر جمی ہوئی تھیں جہاں وہ اکثر فیضان کے ساتھ بیٹھا کرتی تھی اور اس سے پہلے کہ اس کی آنکھیں ابوروں نے نکلیں۔ اس نے آنکھیں میں چابی گھمائی۔ کار جھلکے سے آگے بڑھ گئی۔

ایف بلاک کے سامنے اس نے ٹھیک آٹھ بیچے میں پانچ منٹ پر گاڑی روکی تھی اور ٹھیک آٹھ بیچے وہ کانفرنس روم میں داخل ہو رہی تھی۔ ایک لمبی میز کے گرد چار چار دیواری کلف لگے کاروں والے روی کرل بیٹھے تھے۔ اس کا اپنا پاس بھی ان لوگوں میں موجود تھا۔ ویلنٹینا نے

احترام گزارنے کے بعد اپنے بیک میں سے کیسٹ نکال کر میز پر رکھ دی اور اپنی جگہ جا کر بیٹھ گئی۔ اس کے خوبصورت ماتھے پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے پھوٹے تھے۔

کیپٹن نے آٹھ کرلم کیسٹ کو پرو جیکٹر میں رکھا اور پرو جیکٹر چلا دیا۔ دو تین منٹ تک جب سامنے لگے پردے پر کوئی ردعمل رونما نہ ہوا تو اسے مشین کی گھر گھر اپنے اندر اترتی محسوس ہونے لگی۔

"یہ کیا ہے ہو گی ہے؟".....

ایک کرل نے غصے سے اپنا ہاتھ میز پر مارا۔

"سراسر!" کیپٹن نے پرو جیکٹر بند کر دیا۔ وہ خوف سے کپکپا رہا تھا۔ "سر شاید غلط رول....."

"یہ صحیح رول ہے ذلیل انسان".....

ویلنٹینا پھٹ پڑی۔

"کیا بک رہی ہو تم؟".....

کرل گلا پھاڑ کر چلا یا۔

"شٹ اپ"..... ویلنٹینا کارواں رواں غصے سے کانپنے لگا۔ "گھٹیا انسانوں..... اصلی فلم تو تب چلے گی جب تھوڑی دیر بعد یہاں

تمہارے جسوں کے جوتے اڑیں گے۔"

"کہہ..... کہہ..... کیا مطلب ہے تمہارا..... تم پاگل تو نہیں ہو گئی؟"..... ایک دوسرے کرل نے بظاہر گھبراہٹ کی ایک ٹینگ کی۔

"کرل اگر کسی نے بھی پستول نکالنے کی کوشش کی تو یا درکھنا پٹی بم پر میری انگلی دب جائے گی....."

Capture and PDF by: @amar Abbas

ویٹنیا کے لہجے میں نبھانے کیا چپکھا کر وہ سب چپکے سن کر رہ گئے۔  
 ”دیکھو پاگل مت بنو! ہم تمہارے باپ کو ہار کرنے کے احکامات جاری کر چکے ہیں۔ اور تمہیں اچانک یہ خوشخبری دینے والے تھے۔“  
 ایک کرٹل نے پانسہ پھینکا۔

”جب تم گھر پہنچو گی تو والد کو اپنے منتظر پاؤ گی۔“

دوسرے نے لقمہ دیا۔

”ہم تمہاری پچھلی عظیم خدمات کے عوض تمہیں معاف بھی کر دیں گے۔ اس واقعے کی کسی کوکانوں کان خبر نہیں ہوگی۔“

تیسرا بولا۔

ویٹنیا نے زوردار تہقید لگایا اور بولی.....

”میرے خیال سے تم موت کے خوف سے پاگل ہو چکے ہو..... ٹھیک ہے، اس طرح موت کی اذیت کم ہو جائے گی۔“

لیکن..... اس سے باتوں کے دوران کرٹل نے اپنا پاؤں ایک سرخ رنگ کے بش ٹین پر رکھ دیا۔ جس کی ویٹنیا کوکانوں کان خبر نہ ہو سکی۔

اور ابھی اس کی بات سبیل ہوئی تھی کہ اچانک کمرے کی لٹنی کھڑکی کھلی:

..... جملہ آورنے بڑی پھرتی دکھائی تھی! اس کی آٹومیک گمن سے یکدم کئی گولیاں ویٹنیا کی طرف لپکیں، لیکن اس کے ٹریگر پر انگلی دبانے

اور ویٹنیا کے بش کو چھونے کا عمل ایک ساتھ ہی وقوع پذیر ہوئے۔

جستی پینی میں نصب ایک طاقتور ایم ایک زوردار دھماکے سے پھٹا۔ ویٹنیا کے جسم کے پرزے توڑنے ہی تھے۔ پورا کمرہ جیسے آتش

فٹاش کی طرح پھٹ گیا۔

چند منٹ بعد ہی وہاں ایک بچے سجائے کمرے کی جگہ طبلہ کا ڈھیر پڑا تھا۔

..... اور اس کمرے کے کمینوں کے جسم اس ڈھیر میں دب کر مختلف ٹکڑوں میں بٹ چکے تھے۔

..... دھماکا اتنا زوردار تھا کہ عمارت کی بہت سی دیواروں میں دراڑیں پڑ گئی تھیں۔ کئی کمروں کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ چکے تھے۔

☆☆

فیضان نے صبح اٹھ کر پہلا کام یہ کیا تھا کہ یونیورسٹی جانے کے بجائے اپنے سفارت خانے پہنچ گیا۔ اس نے سفیر سے صاف صاف کہہ دیا

تھا کہ وہ میکسوئی سے پڑھائی نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی ذہنی سطح اتنی بلند نہیں۔ پھر یوں بھی اس کا شوق ہی یہاں ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اس امر کو اس نے بطور

خاص ملحوظ نظر رکھا کہ اس کی کسی بات سے سفیر ہرگز محسوس نہ کر سکے کہ خدا نخواستہ اس کے ”انتخابی خیالات“ بدل گئے ہیں اور ملائیت اس میں واپس

لوٹ آئی ہے۔ سفیر نے اسے تین چار روز بعد آنے کو کہا اور یہ کہہ کر قلمی دی کہ وہ اس کے متعلق حکومت سے ہدایات لے کر جلد کوئی فیصلہ کر دے گا۔



Capture and PDF by: Qamar Abbas

## حیات جاوداں

فیضان پر صبح ہی سے ایک بے نام سی یاسیت طاری تھی۔ وہ گھبراہٹ سی محسوس کر رہا تھا۔۔۔۔۔ اسی یاسیت سے نجات حاصل کرنے کے لیے وہ اپنے کمرے سے باہر نکل آیا۔ آج چھٹی کا دن تھا اور یہ دن اس کے لیے ہمیشہ کوئی نہ کوئی پریشانی لے کر آتا تھا۔

یونیورسٹی سے ملحقہ باغ میں ٹہلتے ہوئے بھی اس کا ذہن بار بار ویلینٹینا میں الجھ کر رہ جاتا۔ اس سے متعلق سوچنا جیسے فیضان کی عادت بنی جا رہی تھی۔ جس جذباتیت کا شکار وہ آج ہو رہا تھا اس نے فیضان کو خاصا بزدل بنایا۔ کبھی کبھی تو اسے خود پر ترس آنے لگتا۔

پشمان زادہ ہو کر وہ اتنا کمزور ہو جائے گا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔۔۔۔۔! باغ میں بھی سکون نہ پا کر وہ دریا کے کنارے چلا یا پھر دور تک پیدل چلتا چلا گیا۔

**CapTrue 1.1** چپ چاپ اس کے ساتھ ساتھ بہتا چلا جا رہا تھا۔ کبھی کبھی تو فیضان کو دریا کی اس پراسراریت سے چڑی محسوس ہو نے لگتی تھی۔ یہ خواہش بڑی شدت سے اس کے من میں انگڑائی لیتی کہ دریا کے ان پانیوں کو زبان مل جائے اور وہ چیخ چیخ کر وہ سب کچھ فیضان کو بتا دیں جو آج تک ان کے سینے میں گرداب کی طرح تل کھا رہا تھا۔

سورج نے ڈرتے ڈرتے ماسکو کی کھڑ آلود صبح کے پہلو سے جھانکا تھا۔ اس کی سکیپائی روشنیاں خمیدہ ماحول سے دریا کی شوریدہ سرلہروں کی طرح اپنا سرخ رنگی تھیں۔!!

دھوپ کے رنگ میں زردی گھل رہی تھی۔ اس زردی مائل دھوپ نے بھی فیضان کو تازگی کا احساس دلایا۔۔۔۔۔ ویلینٹینا کا خیال پھر اچانک اس کے لاشعور کی گہرائیوں سے نکل کر اس کے شعور پر غالب آنے لگا۔!!

ایک کلی ہی اس کے دل میں چٹنی اور ٹوٹ گئی۔!!

”میں اتنا کمزور کیوں ہو گیا ہوں؟“

اس نے خود سے سوال کیا۔ پھر اس سوال کا کوئی جواب نہ پا کر اس نے اپنی نظریں دوبارہ پانیوں پر رقص کرتی سورج کی کرنوں پر گاڑ دیں۔

دور دور تک کسی ذی ہوش کا نام و نشان دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ماحول پر طاری اس منوسوی خاموشی سے اب اسے وحشت ہونے لگی تھی۔ اس نے شدت سے محسوس کیا کہ روں کے لوگوں کی طرح یہاں کا ماحول بھی بڑا امن فری اور خاموش ہے۔

کچھ دور اب اسے دریا کے کنارے ٹہلتے دو تین بوڑھے نظر آنے لگے تھے۔ لیکن یہ سب لوگ ایک دوسرے سے اس طرح نظریں چرا

رہے تھے جیسے ایک دوسرے کے چور ہوں۔ Capture and PDF by: Qamar Abbas

اس لمحے نہ جانے کیوں شدت سے اس کا جی چاہا کہ دریا کی ان لہروں سے ویلینٹینا نکل آئے اور اسے اپنی آغوش میں سمالے.....! خاصی دیر تک وہ لہروں پر نظریں جمائے اسی سوچ میں مستغرق رہا لیکن پانی اس کی سوچ کے تابع نہ ہو سکا۔

یاسیت کا احساس بڑھنے لگا ایک پڑمردگی اسے اپنے قہقہے میں کسے لگی۔ پھر اچانک ہی ایک خیال سے وہ مہک اٹھا اور اس کے قدم بے اختیار ویلینٹینا کے فلیٹ کی طرف بڑھنے لگے۔ اپنی دانست میں اس نے یہی چاہا تھا کہ اچانک ویلینٹینا کے دروازے پر دستک دے کر اسے حیران کر دے گا..... آج اس کا دل ویلینٹینا سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اس نے شدت سے چاہا کہ اپنا سیدھ کھول کر اس کے سامنے رکھ دے گا.....! اسے بتائے گا کہ وہ کس شدت سے اس کے دام الفت میں الجھ کر رہ گیا ہے۔

تین چار میل کا پیدل سفر اس نے خوابوں کے تانے بانے سلجھاتے اور الجھاتے ہوئے طے کیا تھا..... راستے میں اسے کچھ لوگ ملے ضرور تھے لیکن حسب عادت سب ایک دوسرے کئی کترا کر گزر گئے۔

دھڑکتے دل اور لرزتی تناسوں کے ساتھ اس نے ویلینٹینا کے دروازے پر دستک دی۔ پہلی کے بعد دوسری پھر تیسری دستک پر اسے مہربان.....! پاپا.....! تو اس کے دل کی دھڑکنیں پھر غیر متوازن ہونے لگیں.....!!

دروازہ ایک سپاٹ چہرے والی وطنی عمر کی خاتون نے کھولا۔ اس کا شاب گو کہ استبداد زمانہ کی بھینٹ چڑھ چکا تھا..... لیکن فیضان کے دل نے بے اختیار کہا۔ ویلینٹینا کی ماں اسی کو ہونا چاہئے۔

”تم فیضان ہو؟“.....

مہربان چہرے نے اس کے کچھ پوچھنے سے پہلے ہی اس سے پوچھ لیا۔

”جی! جی! ویلینٹینا کہاں ہے؟“.....

یوں لگتا تھا جیسے خاتون الفاظ کا چٹاؤ بڑی احتیاط سے کر رہی ہے۔

فیضان کا دل دھک سے رو گیا.....!!

”ویلینٹینا کہاں گئی؟“..... اس کی بیقراری چہرے سے عیاں تھی۔

”اندر آ جاؤ“.....

خاتون نے جیسے اس کے سوال سے متعلق جواب نہ دینے کی قسم کھا رکھی تھی۔

عورت کے پیچھے وہ کسی محروم معمول کی طرح اندر آ گیا..... ویلینٹینا کی ماں نے جس کمال ہمت سے اپنے جذبات پر پردہ ڈال رکھا تھا اس کے لیے فیضان کے دل سے بے اختیار رواں کھل گئی۔

”بیٹھو“.....



سٹم رسیدہ خاتون نے اس مرتبہ جب فیضان کی طرف دیکھا تو اس کی آنکھوں میں ٹپکی سی نے فیضان کو بے چین کر دیا۔  
قیص کی آستین سے آنکھیں پونچھتی وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ واپسی پر وہ ہاتھ میں ایک لفافہ تھا ہے ہوئی تھی۔  
”یہ تمہارے لیے ہے۔“

اس نے ہچکچوں کا گلا گھونٹتے ہوئے کہا۔ آنسو بے اختیار اس کے گالوں پر پھیلنے چلے گئے۔  
فیضان کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں لے کر مٹل دیا ہو۔  
کسی غیر مرئی عمل کے تابع اس نے ہاتھ بڑھا کر خط تمام لیا۔

”بینا یہ خط لے کر جتنی جلدی ممکن ہو یہاں سے نکل جاؤ..... دوبارہ کبھی اس طرف نہ آنا“..... آخری فقرے پر اس نے سسکیاں لے کر رونا شروع کر دیا۔

فیضان کٹ کر رہ گیا.....!

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کیا کرے؟ کسی حذر زدہ معمول کی طرح وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔

CapTrue 1.1

اس نے چاہا ہمدردی کے دھول اس محترم خاتون کی نذر گزارے لیکن الفاظ اس کے حلق میں انک کر رہ گئے۔

خاتون جسے صورت حال کی نزاکت کا احساس شدت سے تھا اپنی آستین سے آنکھیں پونچھتی وہ بارہ اس کی راہنمائی کرتی باہری دروازے تک آئی۔ دروازے کے قریب رک کر اس نے فیضان کی آنکھوں میں جھانکا..... اس لمبے فیضان کو وہ یقیناً اس محترم خاتون کی آنکھوں سے جھانکتی دکھائی دی۔

خاتون نے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھے اور سراوٹا کرتے ہوئے اس کے ماتھے پر بوسہ دے کر کہا۔ ”مجھے معاف کرنا بیٹا! تمہیں بیٹنے کو بھی نہیں کہہ سکتی۔“

فیضان کی قوت گویائی چھن چکی تھی۔ اسے کچھ نہیں سوجھ رہا تھا کہ اسے کیا جواب دے۔ خاتون نے آگے بڑھ کر دروازے کا ہینڈل گھمایا..... یہ گویا رخصتی کا اشارہ تھا۔

فیضان کے باہر نکلتے ہی اس نے مزید کچھ کہے بغیر دروازے بند کر دیا۔!!

☆☆

شدت غم سے بے حال ہونے کے باوجود فیضان نے دوسرے ہی لمحے معاملات کی سنگینی کا احساس کر لیا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ کے جی بی نے اسے یہاں نہیں دیکھا تھا ورنہ شاید یہ خط بھی اس تک کبھی نہ پہنچ پاتا۔

یونیورسٹی جانے کا خیال اس کے دل سے نکل گیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ دوبارہ دریائے سرخ کے کنارے پہنچ گیا..... اس مرتبہ اس نے خاص طور سے احتیاط کی تھی کہ کوئی اسے دیکھ نہ سکے۔

ایک محفوظ گونے میں پہنچ کر وہ دروازے کے کنارے بیٹھ پڑا۔ دھڑکنے والی دھڑکیوں نے اس نے لفافہ چاک کیا..... اور سفید کاغذ پر بکھرے الفاظ کے پس منظر سے ویلنٹینا کی شبیہ نکل کر اس سے مخاطب ہو گئی۔

فیضان! <http://kitaabghar.com> تمہیں یہ خط اس وقت ملے گا، جب میں اس دنیا سے جا چکی ہوں گی۔ مجھے یہ سب کچھ لکھتے ہوئے روحانی کرب کے جس شدید احساس سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اس کا شاید تم کبھی اندازہ نہ کر پاؤ۔.....

میں جانتی ہوں تمہیں بہت دکھ ہوگا لیکن میں سب کچھ کرنے پر مجبور ہوں۔  
گہکی بات تو یہ ہے فیضان کہ شعور کی آنکھ کھولنے کے بعد سے میں نے کبھی خود کو عورت جانا ہی نہیں تھا۔ میں نے ابھی جوانی کی ابتدائی منازل طے ہی کی تھیں جب میرا بد قسمت باپ کے جی بی کی زندگی کی بھینٹ چڑھ گیا.....  
وہ بالکل سیدھا سادا انسان تھا..... اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔ اور یہی اس کا سب سے بڑا گناہ تھا۔ جانے وہ کون سی منحوس گھڑی تھی جب میرے باپ نے کسی کے سامنے سوشلزم کو برا بھلا کہہ دیا۔

CapTrue 1.1  
اس دروازے کی طرف سے ہمارے گھر کے دروازے پر دستک ہوئی تو جیسے مجھے خود آنے والی اذیتا کیوں کا ادراک حاصل ہو گیا۔ میری ماں نے اٹھ کر دروازہ کھولا اور سفید کپڑوں میں لپٹوں کے جی بی کے درندے ہمارے گھر میں گھس آئے..... پہلے تو انہوں نے وحشیانہ انداز میں میرے والد کو پینٹا شروع کر دیا۔ پھر انہیں آدھ موکر کے گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئے۔

میری والدہ نے روتے ہوئے جب اپنے بے بس خاوند کی مدد کو آگے بڑھنا چاہا تو دو درندے ان پر بھی پل پڑے..... انہوں نے ہم دونوں بہنوں کے منہ پر بھی تھپڑ مارے..... وہ ہماری بد بختی کا آغاز تھا۔

اگلے روز مجھے وہ لوگ والد سے ملانے لے گئے۔ جس نے مجھے کہا کہ اب اس کی زندگی اس صورت ممکن ہے کہ میں ان بھیڑیوں کے اشاروں پر ناپا جتی رہوں۔

میں آرش کی طالبہ اور خواب دیکھنے والی لڑکی تھی۔ بچپن ہی سے میری ماں نے جو خود بھی اچھا گانے والی عورت تھی مجھے گیت سنانا کر میری روح میں ایک نغمہ گھول دی تھی۔ میں نے زندگی کے اس بھیاں یک روپ کا تو کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا۔  
میں نے اپنی ماں کو تھپڑوں میں گاتے اور ہزاروں لوگوں سے داد وصول کرتے پایا تھا۔ میں تو مغیہ بننا چاہتی تھی..... اپنے گیتوں سے فضاؤں میں دس گھول کر کائنات کے وسیع کیوس میں حسین رنگ بھرنے کے خواب دیکھا کرتی تھی۔

ایک ایک جیسے کسی نے مجھے آسمان کی بلندیوں سے اٹھا کر تھتھکی لڑکی کی گھرائیوں میں پھینک دیا!.....  
ان لوگوں نے اپنے مذموم مقاصد کی بجا آوری کے لیے سب سے پہلے مجھے آبرو باختہ کیا..... وہ درندے تھے مجھ میں نسوانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہے..... سب سے پہلے انہوں نے میری نسوانیت کو کپلا۔ مجھے احساس دلایا کہ میں نہ کبھی عورت تھی نہ ہوں۔ میں صرف ایک

سوشلسٹ روی خاتون ہوں جسے انقلاب کی بجائے دوری سے یہ دم دیا گیا اور اس کی روح کو درجہ ۱ پر اس کا کوئی حق نہیں صرف اور صرف اس کی سٹیٹ کا حق ہے۔

ان لوگوں نے میرے دامن عصمت کو داغدار کیا۔ میری نسوانی حیا کو نوچا کھسوا۔ اتنی بے رحمی سے میرا روحانی پوسٹ مارٹم کیا کہ ساری پاکیزگی کو نوچ کر میرے جسم سے الگ کر دیا۔

میں عورت سے فاحش بن گئی!!

میری روح تو مری پچھلی تھی۔ جسم ان لوگوں کی ملکیت بن گیا۔ میں پانچ سال تک اپنا جسم انسان نما درندوں سے سرخ انقلاب کے لیے نچواتی رہی۔

مجھے ایئر ہوسٹس بنا کر یہ ڈیوٹی سونپی گئی کہ تم جیسے سادہ لوح نوجوانوں کو سرخ انقلاب کا گرویدہ بناؤں۔ مجھے بتایا گیا کہ مرد کے دل میں اترنے کے لیے اسے اپنے جسم کا اسیر بنالو..... اور میں کٹھ پتلی کی طرح ان کے اشاروں پر ہاتھی چلی گئی۔

میں نے جانے کتنے معصوم اور بھولے بھالے لوگوں کا خون کیا۔ انہیں انسانیت کی سطح سے گرا کر "انقلابی درندے" بنا دیا..... خود تو میں قعر ذلت میں ہر یوں میں دن میں۔ ان بے گناہوں کو بھی اپنے ساتھ ہی دن کرتی رہی۔

جس روز میری ڈیوٹی تم پر لگی تھی اور مجھے کہا گیا کہ اس نوجوان کو قباور کر کے کامل میں اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے آلہ کار بناؤ۔ اس روز مجھے یہ احساس قطعاً نہیں تھا کہ مجھ میں مرجانے والی ویلینٹینا کبھی زندہ بھی ہو جائے گی۔

لیکن تم سے پہلی ملاقات پر ہی مجھے یوں لگا جیسے میری ذات پر چڑھا آتھی خول ترخ کر رہ گیا.....!!

میں فاحش سے دوبارہ عورت بننے لگی تھی فیضان.....! جانے وہ کون سا کزور لٹھا جب تم چپکے سے میرے دل کے کسی زنگ آلود در سے بچے کو کھول کر اس میں آن بیٹھے۔!

بکی میری بربادی کا آغاز تھا.....!!

تم نے اپنی معصوم باتوں اور حرکتوں سے مجھے عورت بنانا شروع کر دیا..... اور میں بے بسی سے اپنے نئے کا تمام شاد بکھتی رہی..... جانے کتنی دفعہ میرا جی چاہا کہ تمہیں بھی اپنے جسم کا اسیر بنالوں، لیکن تم تو میری روح کی گہرائیوں میں اتر گئے تھے..... تم نے تو جیسے مجھ پر محبت کا اسم اعظم پڑھ کر چھوٹک دیا تھا۔ تمہیں اپنے نزدیک پا کر بجائے اس کے میری حیوانیت جاگے۔ مجھ میں پاکیزہ نسوانیت زندہ ہونے لگتی تھی۔

فیضان!

میں نے کئی مرتبہ چاہا کہ تمہاری محبت کے ان گہرے پانیوں سے نکل کر دوبارہ اپنی اصلیت کی طرف لوٹ جاؤں، لیکن میرے لیے یہ ممکن ہی نہیں رہا تھا۔ میں تو تمہاری محبت کے سمندر میں غرق ہوتی چلی جا رہی تھی..... بے خودی کا ایسا ان دیکھا عالم مجھ پر طاری ہو رہا تھا کہ جس میں میری اپنی ذات کی تو کوئی حیثیت جیسے رہ ہی نہیں گئی تھی۔ بس مجھ میں تو تم ہی تم تھے۔

کل مجھے سختی سے حکم دیا گیا کہ یہ کتاب صرف قارئین کیلئے ہے۔ اس کے اپنے مالکوں کو پہنچاؤں تاکہ اس کے بل بوتے پر وہ جہیں بلیک میل کر کے اپنے گھناؤنے مقاصد کے لیے استعمال کر سکیں۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

فیضان!

یہ ناممکن تھا.....!

میں ان درندوں کو یہ کیسے سمجھاتی کہ ان کی لاکھ کوششوں پر بھی مجھ میں موجود عورت ابھی مری نہیں.....!!

اب میرے لیے دہری راستے تھے یا تو ساری زندگی کے لیے سائبیریا کے سرد جہنم زاروں میں سزائی رہوں یا پھر موت کو گلے لگا لوں۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

میں نے دوسرا راستہ چنا ہے.....!

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

لیکن میں اکیلی نہیں مروں گی۔ کم از کم چار درندوں کو ضرور اپنے ساتھ جہنم رسید کروں گی۔

میں جاری ہوں فیضان۔ اس دعا کے ساتھ کہ میرا عزم مت ٹرل نہ ہو۔

کاش! تم اس وقت مجھے دیکھتے۔ میں یہ فیصلہ کرنے کے بعد کتنی مطمئن ہوں۔ کوئی پچھتاوا نہیں مجھے..... میں بہت پرسکون ہوں۔ بس

ایک دہریہ CapTrue 1.1

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

تمہیں ہمیشہ کے لیے کھودینے کا دکھ.....!

لیکن سوچتی ہوں زندگی میں سب کچھ پانے ہی کو نہیں ہوتا۔ ہر پھول ایک ہی قسمت لے کر دنیا میں نہیں آتا۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

تم محبت کی خوشبو ہو فیضان.....!

میں نے تمہیں بہت محسوس کیا ہے۔ تمہیں پایا نہیں..... لیکن تمہیں مجھ سے کوئی چھین نہیں سکتا.....!!

کوئی نہیں چھین سکتا.....!

مجھے علم ہے میری موت کا تمہیں دکھ تو ہوگا..... لیکن اسے روگ نہ بنا لینا۔ ورنہ میری روح کو کبھی قرار نہ آئے گا۔ میں تمہارے لیے صرف

ایک پیغام چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ یہ پیغام اپنے ملک کے کونے کونے میں پہنچا دو..... اپنے ملک کے بچے بچے کو بتا دو کہ انقلاب کی آڑ میں ان کی

غیرت کا سودا کیا جا رہا ہے..... اگر خدا خواستہ اس انقلاب نے افغانستان میں بھی قدم جمائے تو ان لوگوں کا حال بھی دوسرے سے مختلف نہیں ہوگا۔

غلامی کا ایک ایسا طوق ان کے گلے میں پڑ جائے گا جسے اتارنا پھر کبھی ممکن نہیں رہے گا۔

فیضان! میرے لیے کبھی نہ رونا..... کوئی پچھتاوا کبھی تمہارے نزدیک نہ پہنچے گا اگر تم نے میرا پیغام اپنے ہموطنوں تک پہنچا دیا تو میں سمجھوں

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

گی تم نے محبت کا حق ادا کر دیا.....!

میں تو مر کر یہ قرض اتار رہی ہوں۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

خدا کے لیے جتنی جلد ممکن ہو ماسکوے نکل جاؤ!

Capture and PDF by: Qamar Abbas

تمہاری ویلنٹینا

وہ خط پڑھ رہا تھا اور آنسو اس کا چہرہ بھگور رہے تھے..... اخط کے خاتمے پر فیضان بچوں کی طرح سسکیاں لے کر رونے لگا.....! اسکی آنکھوں کا سارا پانی دریا بننا رہا..... جانے کتنی دیر تک اسکی آنکھیں خون رونی رہیں۔

پھر جیسے اسے قرار آ گیا..... وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ خط کو مقدس دستاویز کی طرح اس نے تہہ کر کے اپنی جیب میں چھپا لیا۔ اب یہ خط اس کا سرمایہ حیات تھا۔

اچانک ہی ایک کرب اس کے اندر جاگ اٹھا..... اس نے اپنی خوش نظریں دریائے سرخ پر گاڑ دیں۔ ویلنٹینا اس نے دل ہی دل میں اپنی محبوبہ کو نذر عقیدت گزار دی۔ خدائے لم یزل کی قسم! جب تک میرے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی باقی ہے۔ میں سرخ لیروں کے خلاف لڑتا رہوں گا۔ میں ان کے قدم کبھی اپنی مقدس پر جتنے نہیں دوں گا۔ تمہارے خون کا ایک ایک قطرہ آج سے مجھ پر قرض ٹھہرا۔

خدا کرے اس قرض کی مکمل ادائیگی سے پہلے مجھے کبھی موت نہ آئے..... ایک ولولہ تازہ.....

CapTrue 1.1

یہ رات..... ایک چند بہ جہاد لے کر وہ اٹھا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا یونیورسٹی کی طرف چل دیا۔ اس کے قدم بڑی مضبوطی سے زمین پر جم رہے تھے۔ ویلنٹینا کی مسکراتی آنکھیں راستے کے دونوں اطراف کے پھولوں میں سے جمناکتی اسے صاف دکھائی دے رہی تھیں۔



## مقید خاک

ساحر جمیل سید کا ایک اور شاہکار ناول..... مقید خاک..... سرزمین فراعنہ کی آغوش سے جنم لینے والی ایک تخریر خیز داستان۔ ڈاکٹر شکیل ظفر:- ایک ہارت اسپیشلسٹ، جو مردہ صدیوں کی دھڑکنیں ٹٹولنے نکلا تھا..... یوسف بے:- دو ساڑھے چار ہزار سال سے مضطرب شیطانی روجوں کے عذاب کا شکار ہوا تھا..... یوسا:- ایک حرماں نصیب ماں، جسکی بیٹی کو زندہ ہی حنوط کر دیا گیا..... مریاتس:- اسکی روح صدیوں سے اس کے جسد خاکی میں مقید تھی..... شلندر رائے بریج:- ایک پرائیویٹ ڈیپلکٹر، اسے صدیوں پرانی میکی تلاش تھی..... مہرجی:- پرکالہ آفت، انسانی قالب میں دھلی ایک آسمانی بجلی..... ایکشن، سسپنس اور تھرلر کا ایک ندرکنے والا طوفان..... یہ ناول کتاب گھر پر جلد آرہا ہے، جسے ایکشن ایڈیٹر مجرم جونی ناول سیکشن میں پڑھا جاسکے گا۔



Capture and PDF by: Qamar Abbas

## گم شدہ اوراق

دریائے موسکوا کی تڑپتی بل کھاتی لہروں پر نظریں جمائے وہ کب سے کھڑا تھا۔

دریا اپنے جو بن پر تھا..... شور یہ سر لہریں شور مچاتی ساحلوں سے ٹکرا رہی تھیں اور فیضان کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان لہروں کی تمام تر شور یہ دوسری اس کے اندر در آئی ہے۔

اس کی رگوں کے کھولتے خون میں دریا کی لطیفانی سے زیادہ جوش و خروش چل رہا تھا۔ اسے رہ رہ کر وہیلینا کے وہ الفاظ یاد آ رہے تھے جو اس نے فیضان کو اس کے ملک افغانستان کی بد قسمتی سے متعلق کہے تھے۔

وہ سوچنے لگا تھا: ”کہ اس کے آباؤ اجداد نے جب ان سرکش لہروں کو سر کیا تھا، تب بھی دریائے موسکوا کی لطیفانیوں میں یہی جوش و جلال

## کافر 1.1 CapTrue

اس کا ذہن پانچ سو سال پیچھے لوٹ گیا اور اسے تاتاریوں کے گھوڑوں کی ٹاپیں ریڈ سکوائر کے ان دفاتر کے سامنے گونجتی سنائی دی جہاں بیٹہ کراچ زار روس کے پیر و کار کا رہنے چروں پر امن و آشتی کا لبادہ اوڑھ کر تیسری دنیا کے کمزور ممالک کے عوام کے خون سے ہونی کھیل رہے ہیں۔ اس کے استاد نے کئی برس قبل کابل کے اس سکول میں تاریخ کا سبق پڑھاتے ہوئے اسے بتایا تھا: ”کہ عثمانیوں کے گھوڑوں نے مشرقی اور مغربی یورپ کے قریباً ہر ملک کو اپنے سموں تلے روند ڈالا تھا، اور.....

تیمور لنگ نے جب روس کا رخ کیا تو یہاں بستیاں اس کی دہشت سے خالی ہو گئی تھیں اس کے بوڑھے استاد نے یہ بھی کہا تھا: ”بیٹے! تم یہاں سے جب فارغ ہو کر کالج میں جاؤ گے تو تمہیں ایک دوسری خود ساختہ اور جعلی تاریخ پڑھنے کو دی جائے گی لیکن تم اپنی جستجو سے اصلی سچی اور کھری تاریخ تلاش کرنا..... اسے پڑھنا اس تاریخ کو پڑھنا جو استعماری کا دو گری سے محفوظ رہی ہو! یہ تاریخ تمہیں استعماری قوتوں کے جھکنڈوں سے روشناس کرائے گی اور ان کے ہاتھوں زخم خوردہ اقوام کے بچپنوں میں پڑنے والے لگھاؤ بھی دکھائے گی۔“.....

دریائے موسکوا کے کنارے کھڑے فیضان اوٹلو کو آج شدت سے اپنا وہی بوڑھا استاد بار بار یاد آ رہا تھا جسے اس نے نہ جانے لاشعور کے کن کوٹوں کھدروں میں دفن کر رکھا تھا۔ اس کے سینے سے ایک ہوک سی اٹھی: خدا جانے وہ آج زندہ بھی ہے یا انقلاب کی جھینٹ چڑھ چکا ہے.....؟

اس کے معزز استاد نے کہا تھا: ”بیٹا!..... استحصال کا ٹکڑہ اتنا زبردست ہوتا ہے کہ زیر دستوں کے زخم ناسور میں بدل جاتے ہیں..... غصہ شدہ قوموں کے اجسام اور درویش گل سڑ جاتی ہیں..... ان کے افکار، نظریات اور عظیم روایات سب ہی کچھ سامراج کی جھینٹ چڑھ جاتا ہے اور سامراج اگر کوئی ملک چھوڑ کر بھی چلا جائے تو اپنے پیچھے وہ انسانوں کی بجائے غلاموں کی ایک ایسی بھیڑ چھوڑ جاتا ہے جو اس کی غیر موجودگی میں

بھی اس کے نظریات و افکار کے گن گاتی رہتی ہے..... Capture and PDF by: Qamar Abbas

آج، وہ سکا: ”..... یہی کچھ ہونے والا ہے میرے ملک میں بھی.....!“

لیکن آخر یہ سب کچھ کیوں ہوتا ہے؟ کیا وہ اس قوم کا ایک فرزند تھا۔ جس نے خیر کی چوٹیوں کو سر کرتے ہوئے..... پنجاب کی ہریالیوں کو زیر کیا! سندھ کے چتے ریگزاروں کو پاٹ کر سونما کے غرو کو بھی اپنے پاؤں تلے روند ڈالا تھا؟

اسکے اجداد نے صدیوں برصغیر پر حکومت کی تھی..... اسلام کے ادبی پیغام کو اس کماری سے کیا کماری تک پہنچایا تھا..... سرقد و بخارا..... اسکی تاریخ تھی! وہ یاد کرنے لگا:

”یہ بہت پرانی بات نہیں تھی..... اکتوبر 1917ء کے انقلاب سے پہلے روس کی بیشتر آبادیاں مکمل طور پر مسلمان بستیاں تھیں..... زار ان روس کے جبر و تشدد کے باوجود انہیں اس وقت بھی اپنے داخلی معاملات میں کچھ نہ آزادی بہر حال حاصل تھی.....!!“

اسے آج بڑی شدت سے تاریخ کا فراموش کردہ وہی باب یاد آ گیا تھا..... وہ بھولا نہ تھا کہ: ”روس کی سولہ جمہوریوں میں سے پہلی آٹھ خالصتاً مسلم آبادیاں ہیں۔ اور باقی 16 جمہوریوں کے اندر بھی خاصی تعداد میں مسلمان موجود ہیں۔“ وہ انہیں اسی طرح دیکھ رہا تھا۔

CapTrue 1.1  
سور یہ روئیں سے، اندر شمالی قوقاز، جزیرہ نمائے قرم اور ایدل اورال (والگہ کے گرد پیش کے علاقے) میں اس کے آباؤ اجداد تار اور  
پاکر آباد ہیں.....“

ازبکستان، تاجکستان، ترکمانستان، قرغیزستان، شمالی آذربائیجان اور شمالی قوقاز..... یہ سب اس کے اپنے لوگ ہیں۔  
روسی ترکستان میں ماوراء النہر کا دوآبہ مسلمانوں کے تاریخی نقوش، مراکز بخارا، سرقد خیوہ (خوارزم) اور قوقد کے نقوش اپنے سینے پر

سجائے آج بھی نشانِ عبرت بنا کھڑا ہے۔ امام بخاری، ترمذی، نسائی، حنفی اور قاضی عظام فارابی و ابن سینا اسی خطے میں نمودِ خواب ہیں۔

ابن قتال، ابو عبد الرحمن سلمی، حافظ ابن مندہ، ابن نصر، عمر بن قناف، حافظ ابو سعید، شمس بن کلب شاشی..... اسے ایک ایک بھولی ہوئی کہانی یاد آ رہی تھی۔

سرقد تیورنگ کا دارالحکومت تھا۔ جسے ”جنتِ روئے زمین است“ کہا گیا..... ”مہر نیلہ“ مہر بی بی خانم اور خاندانِ تیور کے آخری  
حکمران الف بیک گورگان کا مردستہ ”الف بیک گورگانی“ سرقد کی عظیم اسلامی درسگاہیں اور مساجد اس کے لاشعور میں انگڑائیاں لے لے کر جا گئے  
گلیں.....!

دریائے موسکوا کی طغیانی سے اس کی رگوں میں کوئنی، بجلیاں بہت زیادہ قوت کے ساتھ اس کے شعور کو ڈنسنے لگیں۔  
تیور کے چیتے پوتے ولی عبد سلطان محمد گورامیر کا مقبرہ جس کی نظیر ایشیائے کوچک میں نہیں ملتی۔

سرقد کی خاک ہی سے امام الہدی، ابوالیث نصر بن محمد السمرقندی، علمِ اخلاقیات کے موجد ابو یزید بوہی سرقدی، حافظہ جاء، امام ابو داؤد (ابن ماجہ کے مشہور شاگرد تھے) صاحبِ یفت القہار علاؤ الدین محمد بن احمد سرقدی، علم الکلام کے شاہوار۔ ابو منصور ماتریدی سرقدی۔

Capture and PDF by: [Qamar Abbas](#) مخدوم قمار عباس

بخارا ہی کا مدرسہ عبدالعزیز، مدرسہ کلتاش وہ عظیم درس گاہیں تھیں جن سے لاکھوں نے اکتساب فیض کیا جنہیں آج کے زاروں نے کھنڈ  
رات کا ڈھیر بنا دیا ہے۔

مسجد مغنی عطاء مسجد مصلیٰ اور سلسلہ نقشبندیہ کے بانی خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی کا مہفون۔

سرقت کے مضامین میں محدث جلیل امام محمد بن اسماعیل بخاری صاحب "المعجم الصحیح البخاری" مشہور نقیہ ابو جعفر محمد بن عبد اللہ ہمدانی علیہ السلام کے آئمہ جنہیں فقہ میں غیر معمولی دسترس کی وجہ سے چھوٹے ابو حنیفہ کہا جاتا ہے۔

ماورائے انہر کے عظیم امام ابو بکر خواہر زادہ محمد بن حسین، شمس اللہ عبد العزیز بن احمد الحلو انی، قافی خان کے استاد ابو اخلق ابراہیم بن اسمعیل..... ان سب نے خاک بخارا ہی سے جنم لیا تھا۔

خوارزم کے ابو بکر خوارزمی۔ محدث محمد بن محمود خوارزمی (علم کلام، طب، حساب، ریاضی اور فلکیات پر محمود خوارزمی نے ہی سب سے پہلے انسائیکلو پیڈیا تالیف کیا)

1.1 CapTrue  
یہ پاکستان میں "مرء" کے ہزاروں علمائے کرام۔ جمہوریہ قریغیرستان کے "اوش" شہر کے امام الحرمین، جمہوریہ قازقستان کے قازق ترک شہسوار اور علماء اسے فراموش کردہ ساری کہانیاں یاد آئیں۔

تاریخ زندہ ہو کر اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔

وقت نے دست سوال اس کے سامنے دراز کر کے اس کے ضمیر کو جھنجھوڑتے ہوئے بوجھا تھا..... کہ

تھے وہ آما تمہارے ہی مگر تم کیا ہو؟

☆☆

اس سوال کا جواب نہ پا کر وہ گور کی پارک میں چلا آیا.....!

یہاں سے اس کی یونیورسٹی نزدیک ہی تھی..... یونیورسٹی میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے اس کی نظر مرکزی علوم شریفہ پر پڑی..... اس کا خون کھول اٹھا۔ اسے اچھی طرح سمجھ آ گئی: ”کہ 1953ء میں یہ یونیورسٹی اس لیے قائم ہوئی تھی کہ یہاں تیسری دنیا کے بھولے بھالے، جذباتی اور بد قسمت نوجوانوں کو اکٹھا کر کے ان کے ذہنوں میں مسموم نظریات انجیکٹ کیے جائیں اور انہیں عالمی انقلاب کے بے ہودہ سبق اور جذباتی غرض سے دے کر ان کے ملکوں میں موجود نظام ہائے زندگی کی تضحیک کے لیے واپس بھیج دیا جائے!“

اس علوم شریف کی عمارت سے اسے ایسے کئی بد قسمت ممالک کے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں نمودار ہوتے دکھائی دیئے۔ جن کی شکلیں، عادات، اطوار اور مذاہب تو مختلف تھے لیکن اس ڈیپارٹمنٹ میں ان سب کو انقلاب کی ایک ہی تصویر پر رنائی جاری تھی۔

.....ایک ہی طرح کا زہر ان سب کی رنگوں میں اتارا جا رہا تھا.....!!

Capture and PDF by: Qamar Abbas

..... ایک ہی قسم کے نظریات ان کو اپنی میں لکھنے جا رہے تھے۔  
 اور یہ سب تیسری دنیا کے وہ بد قسمت اور بد بخت نوجوان لڑکے اور لڑکیاں تھے جو ترقی پسندی کی مذبح گاہ میں بڑی خوشی سے اپنے جسم و جان کا بلی دان دے رہے تھے۔ ان کی حکومتیں جو بلا شرکت غیرے ان کے دل و دماغ پر بھی حکومت کرنے کی دعوے دار تھیں نے، ان بے چاروں کو چند ٹیکوں، ہوائی جہازوں، سڑکوں، پلوں اور خوراک کے عوض..... غیروں کے ہاتھ گروہ رکھ دیا تھا۔  
 ”برودہ فروشی کی ایسی ہیما نیک تصویر اس سے پہلے انسانی تاریخ میں کس نے دیکھی ہوگی۔“  
 اسے ان نوجوانوں کے آقاؤں سے کراہت سی محسوس ہونے لگی۔

اسکی نظریں یونیورسٹی کی عظیم الشان عمارت کے مختلف بلاکوں کا جائزہ لیتی ہوئی آخر سائنس بلاک پر آ کر جم گئیں۔ ایک زہر خندہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر خود بخود پھیلنے لگی تھی۔  
 وہ جانتا تھا اس بلندہ بالا عمارت میں..... تعلیم کی آڑ میں تخریب کاری کا سبق پڑھایا جا رہا تھا۔ یہاں نوجوانوں کو اپنے ہی ملک، اپنے ہی لوگوں کو تباہ و برباد کرنے کی تربیت دی جا رہی تھی۔  
 یہاں پہلے اور عرصے سے بنائے گئے بجائے انہیں اڑانے کے طریقے بتائے جاتے تھے۔ انہیں تعمیر کے بجائے تخریب کاری کا درس دیا جا رہا تھا۔

CapTrue 1.1

اس نام نہاد درس گاہ میں تاریخ کا وہ شعبہ بھی قائم تھا جہاں تاریخ کی دجھیاں بکھیری جاتی تھی۔ جہاں دنیا کے تمام عظیم انسانوں کو محض اس گناہ کے پاداش میں عظیم نہیں سمجھا جاتا تھا کہ وہ کمیونسٹ نہیں تھے۔ جہاں مذاہب کی تضحیک یہ کہہ کر کی جاتی تھی کہ یہ امرا کا ہتھیار ہے۔ انیون ہے جو غریب عوام کو کھلا کر ہمیشہ کی نیند سلا دیا جاتا تھا۔  
 اس کا دل کلاس روم میں جانے کو نہیں چاہتا تھا۔ وہ سیدھا لاہوری میں ٹھس گیا۔

آج اس کا رخ لاہوری کے ان گوشوں کی طرف تھا جس طرف کسی کو بھولے سے بھی جانے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ جہاں الماریوں میں کتابیں محض اس لیے چھائی گئی تھیں کہ انہیں صرف غیر ملکی وفود دیکھ سکیں اور بس.....  
 فیضان کے قدم بے اختیار اس سمت اٹھ رہے تھے۔

اس کی نظریں قد آدم الماریوں میں بھی کتابوں پر چلتی ہوئیں بالآخر ایک کتاب پر آ کر ٹھہر گئیں۔ یہ کتاب مٹانیوں کے دور حکومت سے متعلق تھی اس کتاب نے کرب جب وہ لاہورین کے پاس اندراج کروانے لگا تو اس نے گھور کر صرف ایک نظر فیضان کی طرف دیکھا اور کتاب اس کے نام جاری کر دی۔

فیضان جب لاہوری کے دروازے سے باہر نکل رہا تھا تو اسی لمحے لاہورین بھی اس کے ”ماسٹر“ کو فیضان کے گمراہ ہونے کی خبر دے رہا تھا۔

اس کتاب کی حالت بتا رہی تھی کہ اسے صرف کتاب فروش کی پکڑ میں لے لیا گیا تھا مگر کسی نے آج تک اس کا مطالعہ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی.....

اپنے کمرے میں آ کر اس نے ہولے سے کتاب کا سینہ چاک کیا۔ عثمانیوں کے گھوڑے اس کو مشرقی اور مغربی یورپ کو روندنے کے بعد روس کے دروازوں پر دستک دیتے صاف سٹائی دے رہے تھے..... یہ اس کے اسلاف کی قابلِ فخر تاریخ تھی..... ایک ایسا تابناک باب تھا جو اب گرد آلود ہو گیا تھا۔

☆☆

رات کے آخری پہر تک وہ کتاب کی ورق گردانی کرتا رہا۔

ایک ایک ورق پر اس کو رونما آ رہا تھا..... اس کا جی چاہتا تھا کہ گھا پھاڑ کر چلا چلا کر تیسری دنیا کے ان تمام بد بخت ملاحملوں کو بتا دے: کہ وہی قومیں زندہ رہنے کا حق رکھتی ہیں جو اپنے ضمیر کی قیمت نہیں چکا تیں۔

جو چمکتے دیکتے لوہے کو سونا نہیں سمجھتیں..... جو اپنے مل بوتے پر زندہ رہنے کی طاقت کا ادراک رکھتی ہیں اور جنہوں نے ذہنی غلامی قبول کر لی وہر CapTrue 1.1۔ ندگی جینے کا حق کسی غیر کے ہاتھ فروخت کر دیتی ہیں۔

کتاب ایک طرف رکھ کر وہ چار پائی پر لینا تو اس کا ذہن اپنے ملک میں پہنچ گیا۔

کوہ ہندو کش اور بامیان کے عظیم سلسلے..... دریائے آمور اور کابل کی روایاں سرسبز پہاڑ، جنگلات، وادیاں، پھلوں سے لدے پھندے درختوں کے کبھی نہ ختم ہونے والے سلسلے اور چپے چپے پر موجود غیور افغانوں کی عظیم روایات کی ثبت کردہ مہریں۔

”نہیں..... خدا کی قسم نہیں.....“ کوئی اس کے اندر چلا یا..... ”میں اپنی تاریخ کو کبھی شرمندہ نہ ہونے دوں گا.....“

..... میں اپنی تاریخ کو اغیار کے قدموں تلے روندنا کبھی نہ دیکھ سکوں گا۔

..... میں حق اور انصاف کیلئے، اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے سے بھی دریغ نہ کروں گا۔

وہ ترپنے لگا:

”لعنت ہے ایسی ترقی پر! مجھے نہیں چاہیے یہ ترقی..... مجھے صرف ایمان چاہیے۔

..... اپنے لوگوں کے لیے ایمان! ایسی قوت جو ہمیں پھر اللہ تعالیٰ پر یقین کامل کا بھروسہ عطا کرے۔

جو ہمیں ہمت اور قوت عطا کرے.....

اور اس کے دل نے گوی دی:

”تم آج آزاد ہو گئے ہو.....“

”آزاد؟“..... اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

اپنے ہاتھوں اور پاؤں میں بندھی ہوئی زنجیروں کے باوجود اس نے ہتھیار ڈالنے سے انکار کر دیا تھا۔



Capture and PDF by: Qamar Abbas

.....وہ عام انسان سے ایک مجاہد بن گیا تھا۔  
.....غازی باندہ روایات کا حامل پٹھان زادہ! جو ظلمتوں کے خلاف پھر گھوڑوں کی ناپوں کی آوازیں سن رہا تھا۔

اور یہ آوازیں سنتے سنتے وہ نیند کی دیوی کی ہانپوں میں جھولنے لگا۔

☆☆

ماسکو کی صبح پر آج پھر دھند اور کھرنے قبضہ کیا ہوا تھا..... فیضان صبح اٹھ کر یونیورسٹی جانے کے بجائے دوبارہ سفارت خانے میں پہنچ گیا۔  
اس نے سفیر سے صاف صاف کہہ دیا: ”کہ وہ یکسوئی سے پڑھائی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کی ذہنی سطح اتنی بلند نہیں!“ اور دوسرے اسے کابل میں نہایت اہم کام بھی سرانجام دینے ہیں۔

”وہ کیا کام ہیں۔“ سفیر اس کی بات سن کر بولا: ”جو کام کابل میں ادا ہونے ہیں کیا وہ ماسکو میں سرانجام نہیں پاسکتے؟“

”جی نہیں! انکی نوعیت ہی ایسی ہے۔“ فیضان بولا۔ ”وہ کام اتنے اہم ہیں کہ مجھ ہی سے متعلق ہیں اور فوری طور پر توجہ کے طالب ہیں۔“  
اس نے باتیں کرتے وقت اس امر کو ملحوظ خاطر رکھا کہ اس کی کسی بات سے سفیر ہرگز نہ جان سکے کہ خدا خواستہ اس کے ”انتحالی خیالات“ بدل۔  
CapTrue 1.1 بار دہر لوٹ آئی ہے۔

کافی دیر تک مغز ماری کے بعد ہاتھ خراستے سفیر کو قائل کر لیا اور تین روز بعد یونیورسٹی نے ناپسندیدہ شخصیت قرار دے کر اسے ملک سے نکال دیا۔

ماسکو کے ہوائی اڈے پر جہاز میں سوار ہوتے ہی اس نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ اسے وہ دن یاد آ گیا جب ویٹنیکینا بطورائیربوسٹس اس کی اور یاسمین کی خاطر داری میں لگی ہوئی تھی..... لیکن اس وقت وہ کہاں تھی؟

اس نے ہولے سے کھڑکی کا پردہ سرکایا اور غلاؤں میں گھورنے لگا..... ایئرپورٹ پر موت کا سناٹا طاری تھا..... رن وے پر کبھی لڑتا ایک مسلح محافظ..... دور کھڑا اسے دکھائی دیا۔ اس سے آگے وہ کچھ نہ دیکھ سکا۔ پھر آہستہ آہستہ ایک صورت اس کے سامنے ابھرنے لگی ایہ ویٹنیکینا ہی تھی۔  
”ویٹنیکینا!“ اس کے ہونٹ لرزنے لگے: ”دیکھو..... میں تمہارا ہی مشن پورا کرنے کے لئے جا رہا ہوں۔“

جانے وہ کتنی دیر یونی بڑ براتارہ اور اس کے جواب میں ایک نرم و نازک ہاتھ ہواؤں میں لہراتا رہا..... جیسے اسے کوئی الوداع کہہ رہا ہو۔  
”خدا حافظ!“ اس نے دھیمی آواز میں اسے جواب دیا۔ جہاز کے انجن غرانے لگے۔

”خدا حافظ۔“ اس نے دوبارہ اپنا سلام دہرایا۔ ”میں تو دراصل تاریخ کے گمشدہ اوراق ڈھونڈنے جا رہا ہوں..... ویٹنیکینا! ویٹنیکینا!! تم گواہ رہنا۔“

جہاز نے تیز رفتاری سے رن وے پر دوڑنا شروع کر دیا تھا..... پھر ایک بلکے سے جھٹکے سے وہ فضاؤں میں بلند ہونے لگا..... ماسکو سے وہ تیزی سے دور اور کابل سے نزدیک تر ہوتا جا رہا تھا.....!



Capture and PDF by: Qamar Abbas

## مصور اور تصویر

بھٹی دیر جہاز نحو پر واز رہا، فیضان اپنی سوچوں کا رخ کسی اور جانب نہ موڑ سکا، لیکن..... لیکن جونہی جہاز نے فضاؤں سے اتر کر، کابل کے رن وے کو چھوا، اس کی سوچوں کا دھارا بھی اپنا رخ بدلنے لگا۔

..... اس نے جلدی سے اپنا سوٹ کیس سنبھالا، اور مسافروں کے تعاقب میں جہاز کے دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ کابل سردی کی گرفت میں کپکپا رہا تھا۔ ہوائی اڈے پر جہاز لینڈ کرتے ہی سردی کی شدت بڑھنے لگی تھی..... حالانکہ ابھی دروازہ نہیں کھلا تھا۔ لیکن نہانے پر ہلکی ہوائیں کہاں سے اندر گھس آئی تھیں۔ پھر دروازہ کھل گیا۔ اس کی نظریں کابل ایئر پورٹ کی بلند و بالا عمارات کے عقب سے ابھرنے والے ان نقوش پر جم گئی تھیں جو ہستہ ہستہ اس کی آنکھوں کے راستے اس کے دل میں اترنے لگے تھے۔

## CapTrue 1.1

پھر جیسے کسی نے اس کے کانوں پر سرگوشی کی: ”کیا تم تاریخ کے انہی نقوش میں رنگ بھرنے کے لیے یہاں آئے ہو جنہیں وقت کی آندھیوں اور طوفانوں نے اس قدر مہم اور دھندلا کر دیا؟“

”ہاں!“ وہ سنبھلا: ”میں آج تاریخ کی اس تانہاک داستان کو دہرانے آیا ہوں، جس کا اس وقت میں وارث ہوں..... اور اگر وقت نے مجھ سے وفانہ کی تو پھر میرے بعد آنے والی نسلیں ان تصویروں میں رنگ بھر لیں گی۔“

”کہنا تو بڑا آسان ہے، لیکن.....؟“ سرگوشی نے پھر اپنا سوال دہرایا: ”برخوردار! اپنے ارادوں کو بروئے کار لانے کے لیے تمہارے پاس آخر کون سے ہتھیار ہیں؟“

”وہ ہتھیار.....“ وہ دھیرے سے مسکرایا۔

”..... ایک ہتھیار تو میرا جذبہ ایمانی ہے اور دوسرا میرے بازو!“ اس نے ہوا کی لہروں پر اپنا ہاتھ لہرایا: ”میرے جسم کا تازہ اور جوان خون ان مہم..... مٹنے ہوئے نقوش کو پھر سے اجاگر کر دے گا۔“

..... ان کی چمک واپس آ جائے گی!

اور میرے بازو میرے خوابوں کو کبھی شرمندہ نہ ہونے دیں گے!!

اس کی آواز شاید ہوا کے جھوکوں نے سن لی تھی..... جو اس کا خیر مقدم کرنے کے لیے اور تیزی سے جہاز کے کھلے دروازے میں سے اندر گھس آئے تھے۔ کابل کی فضا میں اپنے جہاز اسپوٹ کے لیے دعا گو تھیں۔

جہاز کے ساتھ سڑھی لگ چکی تھی Capture and PDF by: Qamar Abbas

اسی گزرگاہ سے وہ دوسروں کے ہمراہ اپنے سفر کا آخری مرحلہ طے کرنے لگا۔ مگر اس کے قدموں نے کابل کی زمین کو چھوا ہی تھا کہ کسی مضبوط اور طاقتور ہاتھ نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے اس کا سوٹ کیس چھین لیا..... اور اس کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی! گردن موڑ کر وہ اس غاصب کا کھوج لگانے ہی لگا تھا کہ..... دوسری جانب سے چار مضبوط ہاتھ اس کی طرف لپکے اور انہوں نے اس کے دونوں بازو جکڑ کر اسے باقی انجم سے علیحدہ کر لیا۔

افغان اٹلی جنس "خاؤ" صبح ہی سے ہوائی اڈے پر اس کے استقبال کی تیاریاں کر رہی تھی۔ اس کی آمد کا شدید دل یہاں پہنچ چکا تھا..... اس کے بغیانہ عزائم کی مکمل کہانی سمیت وہ اسے قریباً گھنٹے ہوئے ہوائی اڈے ہی پر بنے ایک کمرے میں لے آئے اور یہاں پہنچتے ہی بغیر کچھ کہے سنے اس پر پل پڑے۔

وہ اسے دیوانہ وار وحشیوں کی طرح پیٹ رہے تھے.....

پہلے تو فیضان چین چلا تار بانگر..... آہستہ آہستہ اس کی مدافعت دم توڑنے لگی پھر..... پیٹ میں ایک زوردار گھٹنے کی ضرب سے نڈھال ہو گیا!! یہ سن کر.....

اس نے لاکھ پھیلنے کی کوشش کی مگر ضرب اتنی شدید تھی کہ اسے زمین بوس ہونے میں مزید دیر نہ لگی اور وہ دھڑام سے گر گیا۔ اس کے حواس چھن گئے تھے۔

فیضان کو ہوش ایک تنگ دتار یک کونخڑی میں آیا تھا!.....

اس کے سر پر خاصی اونچائی پر ایک طرف بجلی کا بلب روشن تھا! ہوش میں آنے کے بعد فوراً بعد اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے جسم کی تمام ہڈیاں ٹوٹ چکی ہیں۔ اس کی نس نس میں درد کی ایک تیز لہر سراپت کر گئی۔ اس کا سر ابھی تک پکڑا ہوا تھا! آہستہ آہستہ اس کے اوسان بحال ہونے لگے۔ اسے ہوش میں آتے دیکھ کر ایک عسکر اس کی طرف لپکا۔ اور کونخڑی کے دروازے کے نزدیک آ کر رک گیا۔

دونوں ایک دوسرے کو چپ چاپ دیکھتے رہے! فیضان نے کچھ کہنا فصول سمجھا۔ وہ جانتا تھا "یہاں عسکر کی حیثیت ہی کیا ہو سکتی ہے"..... اسے خاموش دیکھ کر عسکر نے ہی ہمت کی۔

"گنہگار و نہیں! اللہ خیر کرے گا".....

"اللہ خیر کرے گا!"

اس کے منہ سے اللہ کا نام سن کر پہلے تو فیضان نے اس کے اس فقرے کو دہرایا اور پھر..... اسے اس پر غصہ آیا "کہا ایسے وحشی لوگ بھی خدا کا مقدس نام استعمال کرتے ہیں۔"

لیکن..... اس کی پوزیشن کے متعلق سوچ کر وہ اس کے متعلق اپنے دل میں ہمدردی کے جذبات محسوس کرنے لگا۔ وہ جانتا تھا "کہ یہ

ہجاءہ آخر کس مجبوری کے عالم میں..... یہاں **Capture and R.D. by Qamar Abbas** اسلامی یا غیر اخلاقی نظریے کے سامنے جھکنے کی اجازت نہیں دیتی۔ بس بے چارے حصولِ رزق کی خاطر دل پر پتھر رکھ کر زندگی کی گاڑی گھسیٹ رہے ہیں.....!!

”مجھے پانی پلاؤ۔“

..... فیضان کو اپنا حلق موکھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے عسکری ہمدردی کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا۔

”ضرور۔ ضرور“ کہہ کر وہ چلا گیا۔

☆☆

عسکری واپس قریب پانچ منٹ بعد ہوئی۔ وہ خاص طور سے اس کے لیے کچھ درد کش گولیاں چسپا کر لے آیا تھا۔

عسکر کو فیضان کی حالت پر رحم آنے لگا۔ گویا اس کے لیے نئی بات نہیں تھی۔ ایسے ”گمراہ نوجوانوں“ کو اکثر ”خاؤ“ والے اسی عقوبت خانے میں ان کے دماغ ٹھیک کرنے کے لیے لاکر بند کر دیا کرتے تھے۔ پھر ایک ڈیرہ ماہ بعد یہاں سے انہیں کسی نامعلوم مقام کی طرف لے جایا جاتا تھا اور..... اس کے بعد ان پر کیا گزرتی؟ اس کا علم کسی کو نہیں تھا۔

CapTrue 1.1

جہد میں سے پانی پی لو..... خدا کے لیے کسی کو یہ نہ بتانا میں نے تمہیں پانی پلایا ہے۔“ عسکر نے خوف سے لرزتے ہوئے اس سے درخواست کی۔

”شکریہ“ کہہ کر اس نے عسکر کو بخور دیکھا۔ اور منہ دوسری طرف پھیر لیا..... وہ خود بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا کوئی عمل دوسروں کے لیے پریشانی کا باعث بنے..... گولیاں کھانے کے بعد چند منٹ بعد وہ قدرے پرسکون ہو گیا۔

عسکر اس کے سامنے ہی کھڑا تھا اور فیضان سوچنے لگا: ”ایک پٹھان ہونے کے ناطے اس کی ذہنی کیفیت کیوں اس قدر پست ہو گئی ہے!“ وہ اسکی طرف متوجہ ہوا: ”بابا! تمہاری غیرت کیا مر گئی ہے۔ تم ایک بزرگ ہو اور اپنی عقیم روایات کو نہیں جانتے؟“ وہ کہے بغیر نہ رہ سکا۔

”میں یہاں نوکری نہیں کرتا بیٹا! میں تو مصور ہوں۔ یہاں مصوری کر رہا ہوں۔“

”مصور؟“ فیضان چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ بوڑھا عسکر اسے کوئی فلسفی دکھائی دے رہا تھا۔

”ہاں! میں تصویریں بناتا ہی نہیں کھوجتا بھی ہوں..... اور کچھ تصویریں میرے پاس خود بخود چلی آتی ہیں۔“ وہ مدہم ہوتی ہیں ان کے نقوش میں رنگ بھرنے کی ضرورت ہوتی ہے..... تاکہ تاریخ کے اور اوراق پر ابھرتی صاف دکھائی دے سکیں۔

وہ تھوڑی دیر کا اور پھر اس نے آہستہ سے کہا: ”تم بھی میری تصویر ہو۔ لیکن تمہارے رنگ پھیکے ہیں۔ ان میں اپنے خون جگر کی رنگینیاں بھی بھروں گا۔“ فیضان اس کی ساری گفتگو کالب لباب جان چکا تھا۔ اس بوڑھے فلسفی مصور نے اس کے اندر جھانک کر اس کے دل کی دنیا کو کھوج لیا تھا۔ شاید اسے ایسی تصویریں کی تلاش رہتی تھی۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

”ذرا یہ بھی تو بتادیں کہ ان تصویروں سے آپ کیا کیا کام کیے ہیں؟ فیضان نے پوچھا۔

”وہ کام عام عسکر بولا: ”جس کی تکمیل کیلئے تم نے ماسکو یونیورسٹی کو خیر باد کہا اور..... آج اس بوڑھے عسکر کی مصوری کا امتحان لے رہے

ہیں۔“

وہ تھوڑی دیر فیضان کی آنکھوں میں جھانکتا رہا اور پھر آہستہ سے کہنے لگا۔ میری یہ تصویریں میدان جنگ کا رخ کرتی ہیں..... میرے

عزیز۔ وہ تاریخ کے ان تباہناک اوراق کو روشن کرنے کی فکر کرتی ہیں جنہیں وقت کی آنندھیوں اور طوفانوں نے بے نور کر دیا ہے..... اور وہ اپنے گرم

اور تازہ لبو سے تاریخ کے اس باب میں رنگ بھرتی ہیں۔“

فیضان حیران ہی تو رہ گیا..... وہ جسے معمولی عسکر سمجھتا تھا۔ وہ تو ایک عظیم مصور تھا جو اس کی نشات ثانیہ میں پھر رنگ بھرتا تھا۔ وہ اسے

کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن عسکر نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر چپ رہنے کا اشارہ کر دیا۔

تھوڑی دیر بعد اسے ایک ضابطہ (لیفلٹینٹ) اور تین عسکر اپنی طرف آتے دکھائی پڑے۔ اس کی کوٹھڑی کے نزدیک پہنچ کر تینوں رک

گئے۔ CapTrue 1.1 لگا کر بیٹھے فیضان اوٹلو پر ایک نظر ڈالی۔ نفرت سے اس نے ہونٹ سٹکھ لیے۔

”ملاحظہ ہو!“ اس نے دانت پیستے ہوئے فیضان کو گالی دی تو فیضان کو یوں محسوس ہوا جیسے کسی نے پتھلکا ہوا سپیس اس کے کانوں میں

انڈیل دیا ہو.....!!

جواب میں اس نے ضابطہ پر گالیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

”باہر نکالو اسے“..... ضابطہ نے چلاتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنی جیب سے لنگتی وسل بھادی..... دیکھتے ہی فیضان کی کوٹھڑی کے سامنے عسکر کا جھوم اکٹھا ہو گیا..... ضابطہ

کے ہمراہیوں میں ایک نے کوٹھڑی کا دروازہ کھولا اور پانچ چھ عسکر کا ڈنڈے لہراتے اندر گھس آئے ایک مرتبہ پھر وہ اتر پورٹ والی اذیت ناک

صورت حال کر سامنا کر رہا تھا۔

اس مرتبہ وہ جلدی بے ہوش گیا اور اس کی جان چھٹ گئی۔!

ہوش آیا تو اس کی نظر عسکر پر پڑی، جو..... ایک مصور کے روپ میں کچھ عرصہ قبل اس سے باتیں کرتا رہا تھا! وہ جب اس کوٹھڑی کی سلاخوں

کے ساتھ سر جوڑے، اس بات کا منتظر تھا کہ کب..... اس کی تصویر میں حرکت پیدا ہوتی ہے۔

دو دنوں کی آنکھیں چار ہوئی تو وہ فیضان سے مخاطب ہوا:

”میرے بیٹے! میں تمہارے اس جذبہ حریت کو سلام کرتا ہوں..... اور خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمہارے ایمان کو مزید قوت عطا کرے“

لیکن..... بیٹا!



جہاں میں یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے۔ ماریشس کی طرف سے Capture and Possession by Qamar Abbas ہیں، وہاں تمہیں میں یہ یاد دلانا بھی ضروری خیال کرتا ہوں کہ:..... چاہے تمہارا جسم فلو ایدی میں ڈھالا گیا ہو، آخر وہ کب تک ان ظالموں کی تختیوں کا قتل ہو سکتا ہے؟

اور پھر ایک دن ایسا آئے گا، جب تمہارے مردہ یا نیم مردہ جسم کورات کی تاریکیوں میں دریائے کابل کی لہروں کی نذر کر دیا جائے گا۔ دریا کے ان پانیوں کے سپرد کر دیئے جاؤ گے جسکی لہریں تم جسے غیور افغانیوں کے خون سے اب لہرنگ ہونے لگی ہیں..... لیکن وہ انتظار کر رہی ہیں جب کوئی بندہ مومن آئے گا اور..... ان لہروں کو یہ پیغام دے گا: ”ماضی کی وہ تاریخ، جس کے خدوخال دھندلے پڑ گئے ہیں، آج پھر روشن ہو گئی ہے۔“

وہ تھوڑی دیر کیلئے رکا اور پھر کہنے لگا۔ ”اگر..... یہی صورت پیش آئی تو پھر کیا ہوگا؟“

”پھر کیا ہوگا؟“

فیضان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”پھر میں اپنے خدا کے سامنے شرمندہ تو نہ ہوں گا.....“

”مش“ ”عسکر بولا: ”جس کے لیے تم نے اتنی صعوبتیں اٹھائیں، وہ کیسے پورا ہوگا؟“

CapTrue 1.1

”کیا تم سمجھتے ہو کہ ایک مصور اپنے شاہکار کو اس صورت زمین بوس ہونے دیکھ سکتا ہے؟ کیا وہ اپنے نقش و نگار کو یوں آگ میں بھسم ہوتے دیکھنا گوارا کر سکتا ہے اور.....“

کیا مادر وطن کا ایک فرزند اس طرح بے بسی کی موت قبول کر سکتا ہے۔

”نہیں، ہرگز نہیں“ ”بوز حاکم عسکر خود ہی اپنے سوالوں کا جواب دینے لگا تھا..... وہ بول رہا تھا اور فیضان اپنا دل کرید رہا تھا۔

”کیا اس طرح بے بس ہو کر مر جانا، میرے مشن کی واقعی توہین نہیں ہے؟“

محض جذباتی بن کر اگر میں آج اپنے مقصد میں ناکام ہو گیا، تو..... کیا یہ میرے ارمانوں کی ایک الم ناک شکست تصور نہ ہوگا؟

وہ چونکا اس کے دل نے آواز دی: عسکر ج کہتا ہے۔“

”تو پھر میں کیا کروں؟“

وہ عسکر کی طرف دیکھنے لگا..... عسکر اس کے چہرے پر نمودار ہونے والے مدد و جزر صاف پڑھ رہا تھا! اسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے وہ

مسکرایا!

عسکر کی مسکراہٹ سے فیضان کو بڑا حوصلہ ملا۔

”ہاں ہاں! بزرگوار..... وہ تڑپ کر رہ گیا.....“ واقعی میرا مشن اور رازہ گیا تو میری روح کو کبھی قرار نہیں ملے گا۔“

”تو بیٹا! بھلائی! اختیار کر..... اللہ تعالیٰ تیرا حامی و ناصر ہوگا..... اپنا رویہ بالکل بدل لے۔ ان لوگوں پر یہ ظاہر کر کہ تیرا دماغ واقعی طور



لیکن پل چرچی جنیل سے ٹکٹے کا سوا ہے اس کے اور کوئی طریقہ نہیں تھا کہ وہ جد بات کے بجائے عقل استعمال کرتا..... اور اس نے ایسا ہی کیا۔

فیضان اوٹلو نے خاد کے جگہوں ارخان کی بات تسلیم کر لی اور فوج میں شمولیت پر رضامندی ظاہر کر دی۔  
فیضان کو وہ لوگ پل چرچی سے اب کابل میں لے آئے تھے۔ یہاں آ کر اسے ایک مرتبہ پھر ایک انکوائری بورڈ کے سامنے پیش ہونا پڑا..... اسے اپنے بوڑھے عسکر راہنما کی ہدایت از برقی.....

دشمن نے اس کی قوم کو پھانسنے کے لیے جو جال پھیلا یا تھا اس میں کابل کی جدید آبادی کے لوگ آہستہ آہستہ پھنسنے چلے جا رہے تھے۔  
اور اسے اپنے لوگوں کو اس جال سے نکالنا تھا خواہ اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑتی۔

فیضان نے انکوائری کمیٹی کے سامنے غدر پیش کیا کہ اس سے جو کچھ بھی ہوا، نادانگی میں ہوا اور اب وہ اپنے گزشتہ طرز عمل پر بہت شرمندہ ہے، آئندہ کبھی ”بورڈوائی“ خیالات اس کے نزدیک بھی نہیں پھٹکیں گے۔

CapTrue 1.1 چھاؤنی منتقل کر دیا گیا.....

کابل چھاؤنی سے ٹریڈنگ اکیڈمی جہاں محض چھ ماہ کی تربیت کے بعد ہی وہ ”ضابطہ“ بن گیا۔  
اپنے فوجی تربیتی مرکز میں اسے بمشکل کوئی ایسا کیڈٹ ملا تھا جو اپنی مرضی سے فوج میں آیا ہو..... ورنہ تو سب ہی وہ لوگ تھے جنہیں زبردستی فوج میں شامل کیا گیا تھا۔

کبھی کبھی جب وہ اپنی موجودہ صورتحال پر فوراً توجہ نہ کرتا تو اسے قدرے الجھن بھی ہوتی لیکن اس کا پراسرار محسن مصور کے روپ میں ہمیشہ اس کے سامنے موجود رہا۔

جب کبھی کوئی بغاوت کی چنگاری فیضان کے دل میں ملگئی..... فوراً بوڑھے مصور نے اس کے لاشعور سے نکل کر اس چنگاری کو دلائی کی آگ سے ٹھنڈا کر دیا۔

وہ شاید نہیں چاہتا تھا کہ اس کی بنائی ہوئی کسی بھی تصویر کے رنگ پچکے پڑیں۔ اس نے بہر حال اپنی اس ”عظیم ذیوٹی“ کے لیے اپنے خدا کے حضور جواب دہ بھی تو ہونا تھا.....!

☆☆

بالا خر وہ دن بھی آ ہی گیا جب اس کو ”پاس آؤٹ“ ہونا تھا.....! کابل فوجی چھاؤنی میں ایک تقریب منعقد کی گئی تھی.....  
شہر کے روسا، بزرگم خلیش، ترقی پسند معاشرے کے کرتا دھرتا غیر ملکی سفیر..... اور حکام سب ہی یہاں موجود تھے۔ نئے تیار ہونے والے ضابطہ، قطار باندھے کھڑے تھے۔ پھر رواجی سلامی دی گئی.....

کینڈٹوں نے مارچ پاسٹ کیا۔ Capture and PDF by: Qamar Abbas

اور وہ جو نیز ضابطہ بن کر محاذ کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس جہوم کے ایک کونے میں وہ بوڑھا عسکر بھی موجود تھا..... اس کی یوزمھی چکیلی آنکھیں بڑی بے چینی سے اپنی بیانی ہوئی تصویر کا جائزہ لے رہی تھیں۔

کہیں کوئی رنگ پھیکا تو نہیں پڑ گیا؟ بار بار یہی سوال وہ خود سے کر رہا تھا۔

پھر جب اس نے فیضان اولنگو کو وردی پہنے اپنے سامنے موجود چہوڑے کے نزدیک سے سلامی دے کر گزرتے دیکھا تو ایک پھکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں سے چپک گئی۔

”خدا یا! اپنے اس کمزور بندے کو اتنی طاقت نصیب کر کہ یہ اپنے عظیم مشن کو پورا کر سکے۔“ ایک دعا اس کے دل سے فیضان کے لیے نکلے اور وہ جہوم سے چپ چاپ باہر نکل آیا۔



CapTrue 1.1

## سلگتے چہرے

ضوہار یہ ساحر کے جذبات نگار قلم سے ایک خوبصورت ناول..... اُن سلگتے چہروں کی کہانی جن پر مٹی آنکھوں میں انتظار کا عذاب لوہے رہا تھا۔ ایک ایسی لڑکی کی داستان حیات جسے اپنے خوابوں کو کچل کر میدانِ عمل میں آنا پڑا۔ اس کے نزلِ گلِ جذبوں پر فرض کا ناگِ مہکن کاڑھے بیٹھا تھا۔ اس لئے محبت کو جانچنے پر کھنے کے فن سے وہ ناواقف تھی۔ لیکن اس سب کے باوجود دل کے دیرانے میں کہیں ہلکی ہلکی آنچ دینا محبت کا جذبہ ضرور موجود تھا۔ وہ جو سائے کی طرح قدم قدم اسکے ساتھ رہا اس پر بیٹنے والی ہر اذیت کو اُس نے بھوگا۔ وہ ادھوری لڑکی اُسے جاننے اور پہچاننے کی کوشش میں لگی رہی۔ مگر وہ عکس کبھی پیکر بن کر اسکے سامنے نہیں آیا اور جب وہ سامنے آیا تو بہت دیر ہو چکی تھی؟؟

یہ ناول کتاب گھر پر دستیاب ہے اور اسے **رومانی معاشرتی ناول** سیکشن میں پڑھا جاسکتا ہے۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

## شعلہ اور شبنم

پاسنگ آؤٹ پر پڑے فراغت کے بعد انہیں کامل چھاونی بھیج دیا گیا! چھاونی پر سرد موت کھرے کی طرح جمی ہوئی تھی۔ دن میں تو معمول کی مصروفیت جاری رہتی، لیکن شام ڈھلتے ہی ہچکچہ سے پورب کی طرف ایک پراسراری مخ بستہ ہوا سرسراٹے لگتی اور پھر ہوا کے پیٹ میں اندھیرا کیچھے کی طرف ریختے لگتا۔

بالاخر اسے میدان کار راز کی طرف روانہ کر دیا گیا.....!

آج وہ کابل سے لوگر جا رہا تھا۔ اس کی کمپنی کے سب ہی لوگ کنوائے کی شکل میں پہاڑوں کے درمیان بنی سڑک پر چل رہے تھے۔ راستہ صاف کرنے کے لیے سڑک سے لمحہ پہاڑیوں پر پہلے ہی سے مورچہ بندیاں کر لی گئی تھیں۔ تاکہ مجاہدین اچانک حملہ نہ کر سکیں **CapTrue 1.1** لیے دو بجلی کا پڑ بھی ان کے آگے آگے اڑ رہے تھے۔

فیضان جیب کی اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ اس کی جیب ایک ڈھلتی عمر کا برف جیسے منجمد چہرے والا افغانی عسکر چلا رہا تھا..... اس کی نظریں ونڈ سکرین کے سامنے والے راستے پر جمی تھیں۔

بسمی یہ راہ گزر رشتا عشقوں، چائٹاریوں کی پیامبر رہی تھی! غلوں اور مہر و قہ کے سجدوں کی جگہ بٹ ان راستوں کا امتیازی نشان تھی کئی راہ گم کردہ قافلہ کی راہبر بنا کرتی تھی لیکن آج اس پر موت کی سرخ آندھی نے اپنے سحر پھونک کر اسے اپنے خونی شکنے میں جکڑ لیا تھا۔ پر جلال، پر ہیبت اور پر شکوہ سر بلند پہاڑوں کے وسیع و عریض سلسلے اس کے دونوں اطراف پھیلتے چلے جا رہے تھے..... جن پر لگے درختوں کی شاخیں آلو چوں، چناروں اور خوبائوں کے بوجھ سے جھکی ہوئی تھیں۔ ان درختوں سے پھوٹنے والی خوشبو نے فضا کو بھی مسحور کر رکھا تھا، لیکن.....:

چناروں کی اس خوشبو کے ساتھ ساتھ فیضان کو اب ان جلالت مآب پہاڑیوں کی کوکھ میں ان شیر خوار پھولوں کے گرم کپے لہو کی مہک بھی محسوس ہو رہی تھی جنہیں حکم باد سے چھین کر غاصبوں نے اپنی خونی زبانوں سے چاٹ لیا تھا۔

پہاڑ کے دامنوں کی وسعت میں حد نظر تک سرخ چناروں اور آلو چوں کے درختوں کا سلسلہ پھیلتا چلا گیا تھا..... چناروں کے سبکی درخت اب شہادت کے استعارے بن گئے تھے۔ فیضان کو یوں لگ رہا تھا جیسے ان پہاڑوں پر جہاں جہاں بھی فیور افغانوں کے جسموں سے خون کے قطرے ٹپکے تھے وہیں چنار کے پتروں نے سر اٹھالیا تھا۔ اسے ان لبورنگ چناروں میں شہیدوں کے بدن کی وہ آگ دیکتی دکھائی دے رہی تھی جس نے استعماریت کے عزائم پر اپنا لہو نچوڑ کر اسے سرد کرنے کی کوشش کی تھی۔

پہاڑی راستہ اب چکر کھا کر اونچا ہونے لگا تھا۔ کھڑکی سے نیچے اس نے نگاہ ڈالی۔ سورج کی سنہری کرنوں نے پہاڑیوں کے دامن میں



سانپ کی طرح بل کھاتے ہوئے رہ گئے وہ اپنے پہاڑوں کے سامنے سر اٹھائے اور کہا.....

پھر اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے پہاڑوں کی یہ وسعت اس کے جذبوں کے سامنے سینے لگی ہو۔ ہوا کی خشکی جو اس کے جذبوں کے دہکتے آتش کدے پر برف بن کر برس رہی تھی۔ اس کے جذبات کو سرد کرنے کی بجائے ان کی گرمی کو دہ چندر کرنے لگی۔

اس کی رگوں میں اچانک ہی خون کی جگہ سیال آتش گیر مادہ رہ گئے لگا۔

پہاڑوں کو ڈھانپنے والے سبزے نے اس کے جذبات میں آگ لگا دی۔

آگے آگے جانے والے بلی کا پٹر سے اشارہ ملنے پر سارا کنوائے رک گیا..... شاید پائلٹ کو کوئی شک گزرا تھا اور اب اس کی تصدیق تک ان لوگوں کو سہیلیں رکنا تھا۔

فیضان جیب سے باہر نکل آیا۔ سامنے پہاڑ کی کوکھ میں اسے ایک چوٹی پر مٹی سے بنے ہوئے چند مکانات دکھائی دیئے۔ ان مکانات سے رسی کی طرف بل کھاتا ایک پتھر یا راستہ اس طرف آ رہا تھا۔

اس کی جیب سے کچھ فاصلے پر ایک چشمہ بہہ رہا تھا!

CapTrue 1.1  
یہاں پہلے رسی کی طرح بل کھاتے راستے سے اس طرف آنے والے بچے اور عورتیں پانی لینے آ رہی ہیں..... اس کی نگاہیں اسی راستے پر جم کر رہ گئیں۔

پانچ بچے اور دو تین عورتیں اس طرف آ رہی تھیں..... کنوائے پر نظر پڑتے ہی وہ سب لوگ ہم کر ایک دم رک گئے..... پھر کچھ سوچ کر عورتیں تو وہاں رک گئیں اور بچے ان کی طرف آنے لگے..... فیضان کی نظریں ان کے دہکتے سرخ و سپید لیکن قدرے خوفزدہ چہروں پر جمی تھیں..... در ماندگی ان کے چہروں پر نوحہ الاپ رہی تھی..... بچے چلتے ہوئے ان کے قریب سے گزر گئے۔ فیضان کا کلیجہ ٹکڑ ٹکڑ ہو گیا..... پہاڑوں کی چوٹی ان بچوں کی حالت پر غمگین تھی۔

ہر پتھر حزن میں تھا۔

سرسراتی ہوا اب نوحہ الاپنے لگی تھی.....

بچوں نے چپ چاپ اپنے برتن پانی سے بھرے اور پتھروں پر مضبوط قدم دھرتے جس راستے سے آئے تھے اسی راستے پر واپس لوٹ گئے۔

کنوائے کو چلنے کا اشارہ مل گیا تھا.....!!

سورج جس نے ہم کو پناہ آسمان میں چھپا رکھا تھا۔ ان بچوں کے جذبہ حریت کو سلام کرنے آسمان کی اوٹ سے باہر نکل آیا۔

کنوائے ایک مرتبہ پھر بل کھاتی سنگلاخ سڑک پر رہ گئے لگا..... سورج نے خود ہنگامہ ہو کر پہاڑوں کے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے۔

خوبائیوں کے درختوں کے پتوں پر نکلے شبنم کے قطرے مقدس آنسوؤں کی صورت زمین پر چھپنے لگے تھے۔

چڑھائی کے بعد اب وہ اترائی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لیکن کنوائے بڑے اطمینان سے کچھوے کی چال اس راہ گزر پر پریشانیتا ہوا "لوگر" کی طرف بڑھ رہا تھا۔

فیضان سوچ رہا تھا.....!

یہی راہ گزرتھی جس پر کبھی غزنی اور غوری کے جہاز باقاعدہ سفر کرتے ہوئے خبر کی طرف جایا کرتے تھے..... پہاڑوں کی انہی چوٹیوں نے کبھی غازی صاف فتنوں کے وہ پر جلال چہرے بھی دیکھے ہوں گے جن پر ایمان و عزیمت کی تابناکیاں جگمگایا کرتی تھیں۔ مگر آج وہ اس راہ گزر پر شرمندہ شرمندہ اور سر جھکائے اپنے حالات پر نوحہ کناسم رسیدہ انہیں قافلوں کی اولاد کے وہ چہرے دیکھ رہا تھا جن پر بدبختی کی ایک طویل داستان رقم تھی۔ پہاڑی راستہ اب اسے بہت نیچے لے آیا تھا

دھوپ نکھرنے لگی تھی..... فطرت کی گود میں بیٹھ کر سفر کرتے مسافر کو قدرے روحانی اور جسمانی سکون کا احساس ہونے لگا..... بلند و بالا پہاڑوں کے اوپر کھلا نیلا آسمان اور نکھری نکھری دھوپ غطرے ہوئے جسموں کے لیے آغوش مادر کا کام کر رہی تھی.....! بندے سے نیچے آنے والی چمکتے پانی کی لکیر جو اس کی نظروں سے اوچل ہو گئی تھی پھر یکدم ان کے سامنے آگئی..... پتھروں سے لڑتا جھگڑتا اور جھل..... CapTrue 1.1 جوش و خروش کے ساتھ حالات کے دھارے پر بہتا چلا جا رہا تھا۔

پہاڑوں پر دریائے پھلدار درختوں کا سلسلہ ختم ہونے لگا تھا..... وہ جوں جوں لوگوں کے نزدیک آ رہے تھے..... پہاڑوں کی ہیئت بدلنے لگی تھی: فیضان کو بمباری سے جملے ہوئے درخت اور پہاڑوں کا خاک شدہ ہبزہ بخوبی دکھائی دینے لگا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے پامیر کے کوہ سفید تک..... کساروں کی ساری ہریالی اور ہبزے نے اچانک آگ پکڑ لی ہو..... کسار جل رہے تھے.....!

افغانستان جل رہا تھا.....!

اور پہاڑوں کی یہی آگ آخر الاؤ بن کر فیضان کے دل میں دھبے لگی تھی۔ انہی جذبوں کے دوش پر وہ سفر کرتا ہوا غرلوگر چھاؤنی میں داخل ہو گیا۔

"لوگر" میں ان کا قیام دو ماہ تک رہا، پھر انہیں ہوائی جہازوں کے ذریعے "خوست" روانہ کر دیا گیا..... خوست ولایت پکنا کی چھاؤنی تھی جسے دو سال سے مجاہدین نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔

☆☆

خوست پہنچنے پر ایک سرد چہرے اور بھنے ہوئے جہازوں والے روی کرمل نے ان کا خیر مقدم کیا۔ رات کو آفیسر زمیں میں انہیں معمول کے مطابق افغان مجاہدین کے خلاف پروپیگنڈہ مقاصد کے لیے بنائی جانے والی فلمیں دکھائی گئیں۔ ان فلموں میں مجاہدین کو وحشیوں اور دہندوں کے روپ میں دکھایا گیا تھا اور یہ ثابت کیا گیا تھا۔ یہ وحشیوں کا نولہ غیر ملکی طاقتوں کے اشارے پر "عظیم انقلاب" کو سبوتاژ کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔

اگلے روز ”دربار عام“ میں ایک افغان کس نے ان سے خطاب کیا۔ مجاہدین نے دعائیں پڑی دھواں دھات تقریر کرنے کے بعد اس نے پاکستان، چین، امریکہ اور دنیا کے بہت سے دوسرے ممالک کو گالیاں دیتے ہوئے عساکر کو بتایا کہ یہ ممالک افغانستان کو پھلتا پھولتا دیکھنا نہیں چاہتے..... اور مجاہدین ان کے اشارے پر ان کے خلاف سرگرم عمل ہیں۔

اسی دربار میں اسے بتایا گیا کہ یہاں سے دس پندرہ میل کے فاصلے پر مجاہدین کا مضبوط ترین مرکز ”ژاور“ موجود ہے۔ اس مرکز سے ولایت پکتیا اور کابل تک مجاہدین کا رابطہ ہے غزنی، پغمان اور زونڈ کی تمام ولایتوں میں سرگرم جہاد مجاہدین کے لیے ”ژاور“ سپلائی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے..... ان لوگوں نے اس مرکز کو تباہ کر کے مجاہدین کی کمر توڑنے کا منصوبہ بنایا تھا۔

اس کے لیے بڑا زبردست منصوبہ تیار کیا گیا تھا۔ افغان فوج نے اپنے کمانڈر کو مجاہدین کے مورچوں کے گرد پھیلی اونچی پہاڑیوں پر اتارنا تھا..... اس کے لیے..... پہلے افغان فضا سیارہ اور بھاری توپ خانے کے ذریعے تباہ کن بمباری کا پروگرام بنایا گیا تھا تاکہ مجاہدین کے مورچے تباہ کئے جاسکیں۔

کمانڈر کے اترنے کے ساتھ ہی پیدل فوج نے خوست سے ”ژاور“ کی طرف ایڈوانس کرنا تھا ژاور اور مرکز پر قابض ہو کر اسے تباہ کرنا اور یہاں اپنی مورچہ بندیوں کو مرنے کی تحسین تاکہ مستقبل میں ہمیشہ کے لیے اس خطرے سے نجات حاصل کر لی جائے۔

حفاظتی اقدامات کے پیش نظر ابھی عساکر کو حملے کی حتمی تاریخ سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا..... کیونکہ روسی اور افغان حکام جاننے تھے کہ ان میں مجاہدین کے بہت سے جاسوس موجود ہیں..... اگر نہ بھی ہوں تو کوئی عسکر اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر یہاں سے نکلے گا اور مجاہدین تک حملے کی اطلاع پہنچا آئے گا۔

ایسا تجربہ نہیں اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ ہو چکا تھا.....!!

اس کے باوجود فیضان جانا تھا کہ اگلے ہفتے میں کسی بھی وقت یہ حملہ متوقع ہے۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ پر لگا کر اڑ جائے اور ”ژاور“ میں مجاہدین تک یہ اطلاع پہنچا آئے۔

اگلی رات جب وہ میس سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف جا رہا تھا تو اچانک ہی ایک تیز رفتار جیپ کو اس نے اپنی طرف آتے دیکھا۔ ہیڈ لائٹس روشن تھیں اور جیپ کا ڈرائیو اسے انتہائی رفتار سے چلاتا ہوا اس طرف لا رہا تھا..... فیضان کے نزدیک پہنچ کر اس کے بریک زوردار آواز سے سچے سچے اور جیپ رک گئی۔

اگلی سیٹ پر ایک روسی میجر بیٹھا تھا..... جیپ کا ڈرائیو بھی روسی فوجی تھا پچھلی نشست پر ان لوگوں نے ایک عسکر کو دو افغان فوجیوں کی گرفت میں بٹھایا ہوا تھا۔ اس عسکر کے ہاتھ پیچھے کی طرف بندھے تھے اور آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

ضابطہ فیضان اوجھلے اوجھلے اس کی یونٹ کا عسکر تھا.....!!

میجر اتر کر باہر آ گیا..... اس کے کندھوں پر نظر پڑے ہی فیضان کی دونوں ایندیاں بج اٹھیں.....

Capture and PDF by: Qamar Abbas..... اپنی کہنی کو "قال ان کرو".....

رومی میجر نے اسے حکم دیا۔

ضابطہ فیضان اوفلو نے دوبارہ ایڑیاں بجا کیں اور واپس ہیرکوں کی طرف گھوم گیا۔ بمشکل پانچ منٹ بعد ہی اس کی کہنی کے جوان وہاں "قال ان" تھے۔ پانچ عسکر گنتی میں کم تھے!!

"کہاں گئے یہ لوگ" میجر نے درشت لہجے میں ضابطہ فیضان اوفلو سے پوچھا۔

"یہ میری ڈیوٹی نہیں کہ ان کی مصروفیت کا پتہ لگاتا پھروں"..... فیضان کے مضبوط کا یا راستہ ہوتا جا رہا تھا۔

"شٹ اپ"..... رومی میجر فریاد کیا۔

"یہ لوگ فرار ہو چکے ہیں۔" اس نے گلہ بھارتے ہوئے فیضان کو مخاطب کیا۔

"یہ بھی ان کا ساتھی تھا".....

اس نے نوکر فرائی طرف اشارہ کیا۔ جسے اب اس کے حکم پر جیپ سے باہر لا کر کھڑا کر دیا گیا تھا۔

CapTrue 1.1

جیپ سے یہاں پہنچے ہی رومی فوجیوں کا ایک سیکشن اپنی بارک سے نکل کر وہاں اس یونٹ کے ساتھ ہی آ کر "قال ان" ہو گیا تھا۔ رومی میجر نے ان کی طرف دیکھا۔

اس کا اشارہ سمجھ کر رومی فوجی اس کے نزدیک آ کر کھڑے ہو گئے۔

"اس کی آنکھوں سے پانی بہاؤ۔"..... اس نے حکم دیا۔

عسکر کی آنکھوں سے پانی اتار دی گئی۔ خوف سے عسکر کا چہرہ پیلا پڑ چکا تھا۔

"کس راستے سے گئے ہیں وہ لوگ"..... اس نے بڑی حشمت قاری میں عسکر کو مخاطب کیا۔

"کون لوگ؟"..... فیضان نے محسوس کیا جیسے چانک ہی عسکر کی آنکھوں میں زندگی واپس لوٹ آئی ہو۔

"بتاؤ اسے"..... اس نے دونوں رومی فوجیوں کو مخاطب کیا۔

دونوں نے ایک ساتھ زوردار ٹھوکریں اس کی پسلیوں میں رسید کیں۔ عسکر درد کی شدت سے ہلکا اٹھا لیکن اس نے اپنی زبان نہ

کھولی..... دونوں رومی اسے وحشیوں کی طرح دیوانہ وار پیٹنے لگے۔ اب میجر بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔

دس منٹ بعد ہی عسکر قربانیم جان ہو کر گر پڑا لیکن اس نے اپنے ساتھیوں کے فرار کے راستے کا انکشاف نہ کیا۔

نیم بے ہوش غیور افغان پر جبکہ کر رومی میجر نے اس کے بال اپنی ٹخمی میں جکڑ لئے اس کے بالوں کو زوردار جھٹکے دیتے ہوئے میجر نے

متحدہ مرتبہ اپنا سوال دہرایا..... آخری مرتبہ عسکر نے زور سے اس کے منہ پر ٹھوک دیا۔

رومی میجر تن کر کھڑا ہو گیا!

اس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔ قاتل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا تھا: "اسے مار دو اور دوسرے ہی لمحے وہ گالیاں بکتا ہوا دیوانہ وار غیور افغان پر گولیاں چلا رہا تھا۔

پوری میگزین اس نے افغان زانوے پر خالی کر دی.....!!  
افغان فوجیوں کی یونٹ پر موت کی طرح بے رحم سکوت طاری تھا۔ غم و غصے سے ان کی حالت غیر ہو رہی لیکن وہ جانتے تھے کہ کوئی بھی غیر احتیاطی قدم ان کو بھی اس انجام سے دو چار کر سکتا ہے۔

"باؤس ٹرن۔"..... کے حکم پر پوری کھینی اپنے پاؤں پر گھوم گئی۔ انہیں بیرک میں واپس جانے کا حکم مل چکا تھا۔  
روسی سیکشن ابھی تک وہاں موجود تھا۔ افغانوں کے واپس جاتے ہی ان لوگوں نے مردہ عسکر کی لاش کو پاؤں سے پکڑ کر گھینے شروع کر دیا..... لاش کی بے حرمتی کرتے وہ اسی طرح اسے قلعے کے دروازے تک لے آئے۔ پھر باہر کوڑا کرکٹ پر پھینک دیا۔

☆☆

یہ یہاں کا معمول تھا.....

CapTrue 1.1

..... افغان فوج میں فرار ہونے کی کم از کم سزا موت تھی۔

میس کی طرف واپس لوٹے ہوئے اس نے بڑی مشکل سے اپنے دلی جذبات پر قابو پایا۔  
اس کا جی چاہتا تھا کہ قلعے کی چوٹی پر نصب تمام مشین گنوں کا رخ ان روسی سپاہیوں کی بیرک کی طرف موڑے لیکن ابھی اسے مصلحتاً خاموشی اختیار کرنا تھی۔ "وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس بد قسمت افغان عسکر کی طرح وہ بھی اسی بے بسی کی موت سے دو چار ہو۔"

بوڑھے مصور نے اسے زندگی کے جس اسلوب سے آگاہ کیا تھا وہ راستہ ہی دراصل اسے اپنی منزل کی طرف لے جا سکتا تھا۔  
بوجھل قدموں سے چلتا وہ اپنے کمرے تک آیا اور بے دم سا ہو کر چار پائی پر گر پڑا۔ اس نے اپنی وردی تبدیل کرنے کا تکلف بھی نہیں کیا تھا۔ دروازے کو اس نے اندر سے کنڈی لگا دی اور لوہے کی چار پائی پر دیوار سے ٹیک لگا کر لیٹ رہا۔

اس کی ہزار کوششوں پر بھی دم توڑتے افغان عسکر کا لولہاں چہرہ اور روسی میجر بھیڑیے کی طرح دھکی آنکھیں اس کے سامنے سے الگ نہیں ہو رہی تھیں..... وہ چاہتا تھا کہ آج کے حادثے کو بھلا دے لیکن جب کبھی وہ اپنی سوچوں کا دھارا کسی اور سمت موڑنے کی کوشش کرتا شہید افغان عسکر کی لاش اچانک ہی اس کی آنکھوں کے سامنے آ کر ترپے لگتی: کتنی سوال اس کے چہرے پر جنم لیتے اور فیضان کی طرف جواب کے طالب ہوتے لیکن فیضان کے پاس شہید کے ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا.....

اور آخر کار..... کسی نہ کسی طرح اسے آدھی آئی گئی۔

اچانک اسے یوں لگا جیسے کسی نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی ہو.....  
اس نے چاہا کہ اٹھ کر دروازہ کھول دے لیکن اس کے جسم نے حرکت کرنے سے انکار کر دیا..... فیضان کو اپنا جسم بالکل بے جان محسوس



Capture and PDF by: Qamar Abbas

ہوئے لگا تھا۔

پھر دروازہ خود بخود آہستگی سے کھل گیا۔

فیضان حیران رہ گیا اس نے سوچا: ”میں نے تو دروازے کو اندر سے کھڑکی کھلی تھی۔ پھر وہ کیسے کھل گیا؟“  
 اندر آنے والے کے نقوش اندھیرے کی وجہ سے ابھی تک پوری طرح واضح نہیں ہوئے تھے لیکن فیضان نے اندازہ لگا لیا: ”کہ یہ تو کوئی عورت ہے۔“

اس نے دروازہ بند کر کے جیسے ہی فیضان کی طرف دیکھا حیرت سے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں: یہ ویلینٹینا تھی۔

”ویلینٹینا تم..... بمشکل اس کے منہ سے نکلا..... خوشی اور حیرت کے ملے جلے جذبات سے اس کو اپنا دم گھٹنا محسوس ہونے لگا تھا۔

”ہاں فیضان میں.....“

ویلینٹینا نے بڑے پُر سکون لہجے میں جواب دیا۔ اس کی آواز کسی گہرے کنوئیں سے آتی سنائی دے رہی تھی۔

”لیکن تم تو مر چکی تھی.....“

CapTrue 1.1  
 یہاں سے سارے بے ساختہ نکل گیا۔

”ہاں فیضان میں مر چکی ہوں لیکن میری روح تمہارے ساتھ ساتھ بھگ رہی ہے۔ جب تک تمہیں اپنی منزل کی طرف گامزن نہ دیکھ لوں میری روح کو قرا نہیں آئے گا۔“

اس سے پہلے کہ فیضان کچھ کہتا اس نے اپنا مر مر میں ہاتھ فیضان کی طرف بڑھا دیا۔

”فیضان! میں نے کہا تھا ناں کہ میں تمہارے ساتھ تمہارے گاؤں میں رہا کروں گی۔ میں تمہاری بھیمیں چرایا کروں گی!! یقین مانو.....

مجھے تمہاری چراگا ہوں، پہاڑوں اور پہاڑوں کے دامن سے جنم لیتی زندگی یہاں سے کہیں جانے نہیں دیتی۔ آؤ کہیں اور چل کر بیٹھتے ہیں۔“

فیضان نے کسی معمول کی طرح اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا، پلک جھپکتے ہی وہ دونوں کا ہل کے ایک خوبصورت مرغزار میں کھڑے تھے!  
 وہ حیران رہ گیا یہ تو وہی جگہ تھی جہاں سے ”لوگر“ کی طرف جاتے ہوئے اس کا کتوا بے گزر راتھا۔

ماحول کے حسن کو ویلینٹینا کی موجودگی نے چار چاند لگا دیے تھے..... فیضان نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے ہونٹوں پر ایک صحرا بچھ گیا ہو۔ اور یہ بیاس اب اس کے سارے بدن میں اترنے لگی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ ویلینٹینا شبنم کی طرح اس پر برسے اور اس کی لٹکی کو موت کی نیند سلا دے..... لیکن وہ اپنی اس خواہش کا اعہار ویلینٹینا پر نہ کر سکا۔

دونوں خوابانی کی خوشبو سے لدے ایک پودے کے نزدیک پتھریلی زمین پر بیٹھ گئے۔ فیضان کو یوں لگا جیسے اس کے گرد اگر دھیلے پھولوں اور پھولوں سے لدے ان کہساروں نے اس سے کچھ کہا ہو۔ کسی نے اس کے کان میں سرگوشی کی ہو۔ پھر آواز اسے بڑی واضح سنائی دینے لگی۔

”فیضان! اگر تم یوں ہی زندہ رہے تو آنے والا سہانا موسم تمہاری بے بسی کا مذاق اڑائے گا۔ شبنم سے بھگی ہو انہیں تمہارے آنسوؤں پر طعن

کریں گی۔ ویٹنیا کی پاکیزہ محبت کی دلفرازیادیں گہرائیوں میں گمراہیوں کا زہر سونے کی۔ اگر تم نے بہت جلد اپنے مقصد عظیم کو لبیک نہ کہا تو دوریاں عذاب بن کر تم پر مسلط ہو جائیں گی۔“

آواز خاموش ہو گئی تو سوچنے لگا:

”کیا بوڑھے مصور کورات کے اس حصے میں بھی چین نہیں آ رہا۔“

وہ بہم کر ویٹنیا کی طرف دیکھنے لگا جس کی ساحرائہ آنکھیں ابھی تک فیضان پر گڑی ہوئی تھیں.....

وہ فیضان کو یوں دیکھ رہی تھی جیسے وہ کوئی مسکراتا ہوا خواب ہو یا پھر ان فلک بوس پہاڑوں کے اوپر فضا کے بسیط میں بینڈ کی بوندوں سے جوہل کوئی بادل کا ٹکڑا..... جو برس کر اس کے اندر دیکھتے نفرتوں کے لالہ کو ٹھنڈا کر دے گا:

”فیضان!“

اسے ویٹنیا کی مدھ بھری آواز سنائی دی..... ”میں تمہیں مبارکباد دینے آئی ہوں فیضان! تمہارے مقدس سفر کے آغاز کی مبارکباد..... اس سفر کی!! جس پر تمہارے روانہ ہونے کا، جانے میں کتنی دیر سے انتظار کر رہی تھی۔“

CapTrue 1.1

فیضان نے برسرِ راز ہو کر اس کا ہاتھ تھام لیا.....

خوبانی کے پودے سے اچانک ہی شبنم کے بے شمار قطرے بینڈ کی شکل میں اس کے ہاتھ پر گرے، اس نے چاہا ہانپا گیا! ہاتھ صاف کر لے مگر جیسے ہی اس نے ہاتھ الگ کیا۔ ویٹنیا فضاؤں میں گھل گئی۔

”ویٹنیا! ویٹنیا!“ وہ بے قرار ہو کر تڑپا.....

لیکن، اس کی آواز صدا پہ صحرائیت ہوئی!

کھڑے ہو کر اس نے چاروں سمت نظریں دوڑائیں، مگر ویٹنیا کا کہیں سراغ نہیں مل رہا تھا..... خوشبو کی طرح رعنائیاں بچھا کر وہ کہیں اوجھل ہو گئی تھی! اس نے اپنا سر جھکا لیا اور گہری سوچوں میں گم ہو گیا۔

..... کراچانک اسے اپنے کندھے پر کسی دست شفقت کا احساس ہوا! اس نے گھوم کر دیکھا!..... بوڑھا مصور اس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

بیٹا! یہ لو خوبانی کا چھوٹا سا پھول، جو میں راستے سے تمہارے لئے توڑ لایا ہوں، دیکھو شبنم کے قطرے اس پر جگمگاتے کتنے بھلے محسوس ہوتے ہیں؟“

”شبنم کے قطرے؟“

فیضان حیران ہو کر مصوری طرف دیکھنے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا:

”بیٹا! شبنم تو بکھرنے کے لئے ہوتی ہے، لیکن میرے بچے تم تو شعلہ ہو۔“

.....شعلہ برق تپاں جو کبھی پتھر آگ میں پڑا تھا۔  
 Capture and PDF by: Qamar Abbas

.....اسے سکون نہیں! لیکن سکون اس کے نصیب میں کہاں۔

”یہ چیز اسے کب میسر آتی ہے بابا؟“

فیضان بوڑھے کی طرف دیکھنے لگا وہ کہہ رہا تھا:

”بیٹا جب چاروں طرف آگ برس رہی ہوگی تو لوگ جہاد جہاد پکارتے اس آگ میں کود پڑیں گے اور یقیناً اس وادی میں داخل ہو جائیں گے جہاں خوبانیوں کے پودوں پر شبنم گرتی ہے اور کبھی نہیں پھٹتی۔

”کبھی نہیں پھٹتی بابا؟“

فیضان بوڑھے مصوری طرف دیکھنے لگا جو دروازے کے باہر جا رہا تھا، البتہ اس کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

”بیٹا! وہ ایسی وادی ہے جہاں تمہیں بھی دائمی سکون نصیب ہوگا۔“

.....ظلم اور جبر سے ہمیشہ کے لئے نجات بھی مل جائے گی اور

CapTrue 1.1  
 پہلے پس خواہشات کبھی تھکے نہ رہیں گی۔

بوڑھا مصور چلا گیا تو اس کی آنکھوں کے سامنے..... حدنگاہ تک انہیں سرخ چناروں کا سلسلہ ابھرنا شروع ہو گیا جنہوں نے غیور

افغانوں کے جسموں سے خون چوس کر پرورش پائی تھی اور جواب..... سر اٹھا اٹھا کر بڑی بے قراری سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔



## چناروں کے آنسو

نوجوانوں کے پسندیدہ ترین مصنف طارق اسماعیل ساگر کا کتاب گھر پر پیش کیا جانے والا پہلا ناول **چناروں کے آنسو**

کہانی ہے ایسے سرچرخے آزادی کے متوالے لوگوں کی جو اپنی حریت اور آزادی کی سانس کے بدلے اپنا سب کچھ داؤ پر لگانے کو تیار ہیں۔ تحریک آزادی کشمیر اور ہندوستان میں سکھوں کے خالصتان کی تحریک کے پس منظر میں لکھا گیا یہ ناول جلد ہی کتاب گھر پر پیش کیا جائے گا۔ چناروں کے آنسو کو **ناول سیکشن** میں دیکھا جاسکتا ہے۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

## الجبہاد

اچانک اسے یوں لگا جیسے دروازہ دوبارہ کسی نے آہستگی سے کھٹکھٹایا ہو پھر کوئی بے قدموں اندر چلا آیا..... آنے والا ہیولے کی شکل میں اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے نقوش واضح نہیں تھے لیکن فیضان بخوبی اندازہ کر سکتا تھا کہ یہ کون ہے.....؟

پھر بیولا بھی غائب ہو گیا.....!! جیسے اس کی اگلی منزل کی نشاندہی کے لئے وہ یہاں آیا ہو۔

فیضان کو یوں لگا جیسے کوئی آہستہ آہستہ اس کے کانوں میں سرگوشیاں کر رہا ہو۔

سرگوشیاں اب نمایاں ہونے لگی تھیں۔

پھر ایک واضح آواز سے ہر طرف گونجنی سنائی دی۔

CapTrue 1.1 والجبہاد!.....“

آوازیں بلند ہوتی چاری تھیں۔ اچانک ہی وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

چھاونی کے باہر خوش شہر کی مسجد کے منیجر نے اللہ اکبر کی صدائیں گونج رہی تھیں۔ اس نے برف جیسے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا اور کمرے کے ایک کونے ہی میں مصلہ بچھا کر نماز کی نیت باندھ لی۔

نماز یہاں لوگ انفرادی طور پر ہی ادا کرتے تھے کیونکہ نماز کی کوری اور ترقی یافتہ ماسکونواز افغان آفیسر اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے تھے۔

نماز کے اختتام پر جب اس کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھے تو جیسے اچانک ہی اس کی آنکھیں چمک پڑیں۔ جانے کب سے یہ آنسو اس کے اندر جمجمد ہو رہے تھے جواب اس کے جذبات کی تپش سے پھل گئے تھے۔

”خدا یا!“..... اس نے گڑگڑاتے ہوئے کہا..... آج کی رات کو یہاں میری آخری رات بنا دینا..... الہی! میں تیرا تاسک و ناتواں بندہ آج تیرے در پر دامن پھیلائے تیرے حضور دست سوال دراز کرتا ہوں۔“

”اے مولا نکل! مجھے ہمت عطا کر..... مجھے توفیق دے کہ میں جو عزم لے کر ماسکو سے یہاں آیا تھا اس پر پورا اتر سکوں..... میرے ممالک! مجھے استقامت اور پامردی عطا کر..... میرے لئے تنگ راہیں کشادہ کر دے..... میرے مولا! میری راہیں بھی آسان فرما..... مجھے ہمت دے کہ میں..... کہ میں.....“ اس کا گلا رندہ گیا۔ آنسو اس کے اندر گہجی گرنے لگے تھے۔ اس کی آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی..... اس سے آگے وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ یہ قرار ہو کر وہ جلد در پز ہو گیا۔

اس کے آنسوؤں سے مصلے جائیے گا۔ پھر بیٹے کا ایک اس کے اسوم کے لئے اسے اپنا وجود بڑا ہلکا چمکا دکھائی پڑنے لگا۔ جیسے اس کے سر پر لدا منوں بو جھکسی نے بڑی آہستگی سے اتار کر نیچے رکھ دیا ہو۔

کوئی نا دیدہ طاقت اسے احساس دلارہی تھی کہ خدا کے حضور اس کا گزرتا ناقبولیت کا شرف پا چکا تھا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا.....!

ابھی اس نے مصلے تہہ کر کے رکھا ہی تھا جب کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس کے اجازت دینے پر ایک مستعد عسکر اندر آیا..... جس نے کچھ ناپ شدہ کاغذ اس کے سامنے رکھ کر کسی اطلاع پر اس کے دستخط لئے تھے۔

اسے ناشتے کے فوراً بعد ایک اہم کانفرنس میں طلب کیا گیا تھا۔

اس کانفرنس میں خوست چھاؤنی میں موجود جو نیزہ ضابطہ سے اوپر کے تمام عہدیداروں کو طلب کیا گیا تھا..... یہاں ان لوگوں کو بڑے بڑے نقشوں کی مدد سے اس علاقے کی پوزیشن سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا گیا کہ افغان فوج اور مجاہدین دونوں فریقوں نے کہاں کہاں بارودی سرنگیں حفظ باقلم کے لئے بھاڑکی ہیں!!

CapTrue 1.1

اس کے ساتھ ہی سوڈا راستوں کی نشاندہی بھی کر دی گئی تھی۔

یہ سب کچھ اس بڑے محلے کی تیاری کا حصہ تھا جو ان لوگوں نے اگلے چند روز میں مجاہدین کے مضبوط طرکز "ژاور" پر کرنے کا پروگرام بنایا تھا۔

جب رومی فوج کا ایک کرنل دیوار گیر نقشوں پر چھڑی رکھ رکھ کر ان لوگوں کو بارودی سرنگوں والے مشترکہ راستوں کی نشاندہی کر رہا تھا تو فیضان کا دل احساس تشکر کے جذبات سے لبریز ہو چکا تھا..... اس کی رورور کر خدا کے حضور کی گئی التجائیں اتنی جلدی قبولیت کا شرف حاصل کر لیں گی؟ اس احساس نے اسے جہاں جذبہ تشکر عطا کیا تھا وہاں اس کے جذبہ حریت کو بھی ہمیز لگائی تھی۔

اس کی ایک بہت بڑی مشکل اللہ نے خود بخود حل کر دی تھی..... اسے محفوظ راستوں کا ادراک حاصل ہو گیا تھا..... اب دنیا کی کوئی طاقت میدان جہاد کی سمت اس کے اٹھنے والے قدموں کو روک نہیں سکتی تھی.....!

آج کی رات واقعی اس کی قید میں آخری رات تھی..... کل صبح وہ آزاد ہونے والا تھا۔ یہ سوچ اس کے لئے بڑی فرحت بخش تھی۔

اس کانفرنس سے ایک اور سنگین حقیقت کا علم بھی اسے ہوا تھا کہ جس طرح افغان فوج میں مجاہدین کے ہمدرد موجود ہیں جو ان کی قلعہ بند یوں سے دشمن کو آگاہ رکھتے تھے۔ یہ اطلاعات تو اسے تھیں کہ فریقین ایک دوسرے کے ناگہانی حملوں سے خود کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنے گرد اگر دو بارودی سرنگیں بچھا کر رکھتے ہیں لیکن ان کی پوزیشنوں کا علم نہیں تھا..... اس طرح یہ خطرہ بہر حال موجود تھا کہ ان بارودی سرنگوں سے فوج کرکھی وہ منزل مراد پا بھی سکے گا یا نہیں.....!! قسمت نے خود ہی اس کے فراہم کردہ راہ ہموار کر دی تھی۔ اسے علم ہو گیا تھا کہ کن راستوں سے گزر کر افغان فوج مجاہدین پر حملہ آور ہونے والی ہے..... یہی محفوظ راستے تھے اور اس نے انہیں راستوں کے ذریعے فراہم کی تھی۔



اس روز شام کے بعد اسے ایک مسافر کے ساتھ مل کر روہی کی طرف روانہ کیا گیا۔ اس کیلکشن میں اس کے ساتھ ایک خوالدار اور ایک عسکر تھا۔ یہ خوالدار ڈھلتی عمر کا آدمی تھا اور مقامی علاقے کا ہونے کی وجہ سے ان راستوں سے کافی واقفیت بھی رکھتا تھا۔ فوجی اصولوں کے مطابق ان لوگوں کو دشمن کے علاقے میں ”رہی“ کر کے صورتحال کا جائزہ لینا تھا..... ان ”رہی“ کرنے والے عسکر دستوں کی رپورٹ کے بعد ہی پھر حملے کی جزئیات طے کی جاتی ہیں۔

اس ڈیوٹی کو ضابطہ فیضان اولو نے عطیہ خداوندی جان کر قبول کیا تھا.....!

شام ڈھلے اپنے دونوں ہمراہیوں کے ساتھ وہ اپنے مشن پر روانہ ہو گیا۔ اس نے جان بوجھ کر اپنے ایک ساتھی کو اہل ایم جی اور دوسرے کو راکٹ لانچر لے جانے کا حکم دیا۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کے ذریعے مجاہدین تک بہتر اسلحہ تو پہنچ جائے۔ دونوں محافظوں نے بلا چون و چرا اس کے حکم کی تعمیل کی..... یہ کام فیضان نے اتنی پھرتی اور ہوشیاری سے کیا تھا کہ ان لوگوں کے قلعہ خوست سے باہر نکلنے تک اعلیٰ افسران کو علم ہی نہ ہو سکا کہ یہ لوگ کس قسم کا اسلحہ لے کر جا رہے ہیں..... یوں بھی وہ کتنی کماؤں پر رہا اور اپنی کتنی ہی حد تک کئی معاملات میں خود مختار بھی تھا۔

خوست بازار کے باہر سے چکر کاٹ کر وہ لوگ باڑی کی طرف روانہ ہو گئے انہیں اسی علاقے میں ”رہی“ کرنا تھا..... دونوں عساکر اس کے آگے آگے رہے اور ملا شگوف ہاتھوں میں تھا وہ ان کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔

خوالدار بڑا محتاط اور اس علاقے کے چپے چپے سے واقف نظر آتا تھا۔ ایک جگہ پہنچ کر وہ رک گیا۔ یہاں سے ان لوگوں کو گھوم کر واپس قلعہ خوست میں جانا تھا۔

”کوئی نہیں..... آگے کی سمت چلتے رہو“..... جیسے ہی عساکر نے گھومنا چاہا انہیں ضابطہ فیضان اولو کا حکم سنائی دیا۔ دونوں نے گردن موڑ کر دیکھا..... فیضان نے کلا شگوف ان کی طرف تان رکھی تھی۔ جس کا لاک رو اگلی پر ہی بحول لایا گیا تھا۔

”مجھے تم لوگوں سے کوئی مطلب نہیں..... میں کافر کی نوکری پر لعنت بھیجتا ہوں۔ میں مجاہدین کے ساتھ مل کر پر جمیوں، غلیبوں اور روسیوں کے خلاف جہاد کروں گا۔ میں جنہیں مجبور نہیں کرتا کہ میرا ساتھ دو۔ لیکن تمہارے پاس جو ہتھیار ہیں وہ میں واپس ان کافروں کے ہاتھ نہیں لگنے دوں گا۔ جنہیں یہ ہتھیار اٹھا کر میرے ساتھ چلنا ہوگا..... جیسے ہی مجھے احساس ہوگا کہ ہتھیار مجاہدین کے ہاتھ لگ سکتے ہیں جنہیں واپس جانے کی اجازت دے دوں گا۔“

”یا اللہ تیرا شکر ہے“..... فیضان کی بات ختم ہوتے ہی بوڑھے خوالدار نے فارسی میں کہا۔

”ہم آپ کے ساتھی ہیں“..... دوسرا عسکر پکارا۔

زمین پر اپنے ہتھیار رکھ کر تینوں آپس میں باری باری بغلیں ہوئے..... خوشی سے تینوں کے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ اگلے ہی لمحے وہ اپنی منزل مراد کی طرف گامزن تھے۔

دونوں عساکر خدا کا شکر اس لئے گزار رہے تھے کہ ان کی دلی مراد برآئی تھی..... اور فیضان اس لئے مسرور تھا کہ دونوں اس کے لئے

مسئلہ نہیں بنے تھے..... اب وہ خود ان کی سہارا بن گیا۔  
 Capture and PDF by: Qamar Abbas  
 اس کا نثر اس کی آنکھوں کے  
 سامنے لہرا رہا تھا اور فیضانِ انبیائیِ پاداشت کے سہارے آگے بڑھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆  
 رات کے اندھیرے میں صحیح سمت راہنمائی کے لئے وہ بار بار مڑ کر بوڑھے حوالدار کی طرف دیکھ لیتا تھا جو اس علاقے کے چپے چپے سے واقف تھا۔ ساری رات وہ لوگ پہاڑیوں کے پتھروں سچ سفر کرتے رہے اور صبح دم ایک پہاڑ پر چھپ کر بیٹھ رہے ابھی تک انہیں یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کہاں ہیں؟

ایک بات تو یقینی تھی کہ وہ مجاہدین کے علاقے میں پہنچ چکے تھے.....!

کابل کے ایک مرکز سے قاسم ایٹان زادہ اور میر داود خان اگلے ہی روز یہاں پہنچے تھے..... حاجی امان اللہ نے کابل کے گرد و نواح میں جدوجہد تیز کرنے کے لئے وہاں کمانڈروں کی ایک خصوصی میٹنگ طلب کی تھی۔

”ہاڑی مرکز“ پر قاسم ایٹان زادہ صبح کی نماز سے فارغ ہو کر یونی ٹہلکا ہوا ایک طرف نکل گیا۔ رائفل اس نے اپنے کندھے سے لٹاکر رکھی تھی اور پھر بس بساں..... یہ سن کر بھی جی جی حاجی امان اللہ نے اسے اپنے مرکز لے جانے کے لئے وہی تھی۔

اپنی دانست میں قاسم ایٹان زادہ نے صرف پہاڑوں کا نظارہ کرنے کے لئے ہی دور بین آنکھوں سے لگائی تھی۔ اس کا رخ ”تور غار“ کی طرف سے آنے والے راستے کی طرف کر دیا۔..... دور بین کو شباؑ جنوٓا گھما تا چلا گیا اور اچانک ہی ٹھٹھک کر رہ گیا۔  
اسے تین افغان فوجی چپ چاپ کراس طرف آتے دکھائی دیئے تھے۔

پہلا خیال قائم ایٹان کے ذہن میں بھی آیا کہ یہ دشمن کی پٹرول پارٹی ہے جو راستہ بھول کر اس طرف آ نکلی ہے۔ ایک لمحے کے لئے اس نے کچھ سوچا پھر مرکز کی طرف واپس بھاگ گیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد میرا دھان اور تین دیگر مجاہدین کے ساتھ وہ اس سمت روانہ ہو گیا..... دو زمین کی مدد سے انہوں نے آنے والوں کی سمت اور راستے کا تعین کر لیا تھا۔

تینوں مجاہدین بلی کی طرح قدموں کی آواز پیدا کئے بغیر پہاڑی سلسلے میں غائب ہو گئے۔ وہ آنے والوں کے راستے پر گھات لگانے جا رہے تھے۔ میر داد خان انہیں مدایت نہ بھی کرتا تو بھی وہ اس وقت تک گولی نہ چلاتے جب تک کہ مخالف سمت سے کوئی غلط حرکت نہ ہوتی۔

میر داغ خان خود قاسم ایٹان کے ساتھ ہی وہیں دھک کر بیٹھ گیا..... دور بین اس نے اپنی آنکھوں سے لگائی تھی..... پھر اس نے دور بین ہٹائی۔ کیونکہ سامنے سے آنے والے بے دھڑک اور سیدھے ان کی طرف چلے آ رہے تھے۔ قاسم ایٹان نے کلاشکوف کا لاکھول کر گن سیدھی کر لی۔

”اس کی ضرورت نہیں قاسم!“..... میرا دو خان نے ہاتھ اوپر ہٹاتے ہوئے قاسم سے کہا..... ”یہ اپنے لوگ ہیں۔ میرا دل گواہی

Capture and PDF by: Qamar Abbas

دیتا ہے کہ اللہ نے ہم پر خصوصی مہربانی کی ہے۔..... حاجی امان اللہ نے اسی دم راکٹ لانچر اور ایل ایم جی تھوڑی دیر بعد ہی تینوں افغان فوجی مجاہدین کے سامنے تسلیم کر چکے تھے۔..... مجاہدین کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا ملنے پر دونوں فاضل شکرانے کے گزارے۔..... فیضان اوغلو کی آمد کو وہ اللہ کی نصر شمار کر رہے تھے۔ مجاہدین کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ یاد آ گیا تھا۔!!

دو پہر تک وہ باتیں کرتے رہے پھر حاجی امان اللہ کے اصرار پر لیٹ گئے اس کی خواہش تھی کہ انہیں آرام کا موقع دیا جائے۔ سہ پہر تک کا وقت تینوں نے سوتے جاگتے گزاریا۔ فیضان کو کبھی کبھی اپنے گھر والوں کی یاد ضرور آتی۔..... وہ جانتا تھا اس کے فوج سے فرار کے بعد ”خدمت اطلاعات دولتی“ (خاد) نے اس کے خاندان کے لوگوں اور بی بی خواہوں پر عرصہ حیات ننگ کر دیا ہوگا۔

لیکن.....!..... قرآن کا وہ حکم کہ اللہ اپنے راستے پر گامزن ہونے والوں کو امتحان سے ضرور گزارتے ہیں اور ان کی راہ میں ثابت قدم رہنے والے ہی پامرد ٹھہرتے ہیں اس کو تسلی دلانے کے لئے کافی تھا۔

CapTrue 1.1  
معان دون کے مطابق ”مجاہدین کے سامنے تسلیم ہونے کی اطلاع مجاہدین کے نزدیکی مراکز پر پہنچ چکی تھی اور نزدیکی مراکز کے کماندار جوق در جوق اس جہاد کو دیکھنے اور..... دشمن کی تازہ ترین منصوبہ بندیوں کے حالات جاننے کے لئے گاڑی مرکز پہنچ رہے تھے۔ مغرب کے بعد ضابطہ فیضان اوغلو جس نے افغان فوج کی وردی اتار کر اپنے ہاتھوں جلادی تھی، مجاہدین کی طرف سے فراہم کردہ کپڑے ان لوگوں کو تازہ مورچہ بنادیاں دشمن کے عزائم اور حملے کی تفصیلات بتا رہا تھا۔ مجاہدین کو کچھ اطلاعات تو اپنے ہی خواہوں کی طرف مل چکی تھیں، لیکن اتنی تفصیلات کا علم ہونے پر وہ مزید ہوشیار ہو گئے۔

فیضان کی بات ختم ہوتے ہی حاجی امان اللہ نے مجاہدین کو فوری طور پر اندر آگے بڑھنے کی طرف اشارہ کیا۔ فیضان کا ساتھی بوڑھا حوالدار ان لوگوں کے ساتھ ہی راکٹ لانچر اٹھا کر خوست کی طرف سے آنے والی سڑک کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ لوگ اس راکٹ لانچر کے ذریعے نیچکوں کی ممکنہ پلخا روکنے جا رہے تھے۔ روانگی سے پہلے بوڑھا حوالدار ایک مرتبہ پھر فیضان سے گفتگو ہو گیا۔ بیاناتم نے میری عاقبت سنوادی۔ اس نیکی کا اجر خدا تمہیں ضرور دے گا۔ دعا کرنا۔ اب جو میں جا رہا ہوں تو سرخرو ہو کر یہاں سیدھا اللہ کے دربار میں پہنچ جاؤں۔“

فیضان کا دل بھرا یا، لیکن اس نے زبان سے صرف ”آمین“ ہی کہہ کر رخ موڑ لیا۔ حاجی امان اللہ کے ساتھ رات کے اندھیرے میں وہ ”ڈاور مرکز“ کی طرف روانہ ہو گیا۔ رات کے پہلے پہر ”ڈاور مرکز“ پر اس علاقے میں مصروف جہاد مجاہدین کے تمام گروہوں کے کمانڈر اکٹھے ہو چکے تھے۔ جہاں ضابطہ فیضان اوغلو نے انہیں دوبارہ تمام تفصیلات سے آگاہ کیا.....!

Capture and PDF by: Qamar Abbas

اس نے تجویز دی کہ دشمن کے حصے سے پہلے ہی اس پر حملہ کر دیا جائے۔

لیکن وہ شاید نہیں جانتا تھا کہ مجاہدین کے پاس سوائے جذبے کے اور کچھ نہیں ہے..... اسے یہاں آ کر علم ہوا تھا کہ دنیا بھر میں کیا جانے والا یہ پروپیگنڈہ بالکل غلط تھا کہ مجاہدین کو امریکہ سے بے تحاشا اسلحہ مل رہا ہے..... دوسرے ممالک بھی مدد کر رہے ہیں، حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی..... مجاہدین کے پاس دشمن سے چھینا ہوا اسلحہ تھا یا پھر وہ ہلکے ہتھیار جو مسلمان فخر حضرات نے خرید کر ان تک پہنچائے تھے۔ باقی ممالک کی امداد صرف زبانی تھی یا اخلاقی اس اجلاس میں ضابطہ فیضان اونٹو نے تجویز پیش کی کہ درمیانے اسلحے کے حصول کے لئے خواست بازار میں موجود ایک اسلحہ کے ڈپو کو لوٹ لیا جائے..... اس کی اس تجویز سے اتفاق کیا گیا اور اگلے روز رات کا وقت اس مہم کے لئے منتخب ہوا۔ حاجی امان اللہ کی تجویز پر ضابطہ فیضان اونٹو کو ہی حملہ آور مجاہدین کی مان سوئی گئی۔

اگلا روز اس کی زندگی کا عظیم انقلاب لے کر نمودار ہوا، کل تک وہ افغان فوج کا ضابطہ تھا..... اور آج مجاہدین کا کمانڈر بن کر حملہ کرنے جا رہا تھا.....!

شام ڈھلے وہ لوگ انہی مہم پر روانہ ہوئے۔ خوست بازار کے باہری فیضان نے اپنے ساتھیوں کو رکنے کا اشارہ کیا..... وہ خود حالات کا جائزہ ہیے سے بعد یوں قدم اٹھانا چاہتا تھا۔

CapTrue 1.1

فیضان کے ساتھ آنے والے مجاہدین کی تعداد چار تھی اور ان کے پاس صرف دو رائفلیں تھیں یا پھر کینوس کے تھیلے جس میں وہ لوگ یہاں لوٹا ہوا اسلحہ لے کر جانا چاہتے تھے۔

فوجی تربیت کے مطابق اس نے پہلے خود اسلحہ کے ڈپو کا جائزہ لیا جو قلعے کے باہر ایک قدرے محفوظ مقام پر بنایا گیا تھا۔ یہاں تین پہریدار موجود تھے.....! فیضان جانتا تھا کہ ان لوگوں کے اشارے پر فوج ان کی مدد کو آ سکتی ہے..... اسے سب سے پہلے فوج کو مصروف رکھنے کے لئے کچھ کرنا تھا۔ جس کا بندوبست اس نے رواں گئی پر کر لیا تھا۔

اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر وہ ڈپو کے نزدیک پہنچا پھر اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک پٹرول کی بوتل نکالی جو اسی مقصد کے لئے اس نے دم رخصت اپنے پاس رکھی ہوئی تھی۔ بوتل کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اس نے کپڑے کو آگ دکھائی اور بوتل کو پورے زور سے ڈپو سے کچھ فاصلے پر کیڑھلان کی گئی گاڑیوں پر پھینک دیا..... بوتل کیوں کی چادروں پر گر گئی جنہوں نے فوراً آگ بجڑی۔

جلتی ہوئی کینوس کی چادریں جب وہاں موجود دھمکھو پر گریں جن پر پٹرول کے کین رکھے ہوئے تھے تو جیسے قیامت آ گئی..... پل بھر میں شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔

چند ہی منٹوں میں وہاں کھرام مچ گیا۔

الارم بجتے لگے..... ڈپو کے پہرے دار اسی طرف دوڑ پڑے..... دوڑتے پہریداروں کو مجاہدین نے نشانے پر رکھا ہوا تھا..... ان کے زمین چاٹتے ہی وہ لوگ فیضان کے اشارے پر ڈپو میں جا گئے۔ چند منٹ بعد چادروں مجاہدین نے اپنے جسموں پر اسلحہ کے گھٹے



لا لئے تھے..... فیضان ان کی راہنمائی کے Capture and PDF by Qamar Abbas لئے انہوں نے لمبا لیکن محفوظ راستہ اختیار کیا۔ اس کی دانست میں انہیں کسی نے دیکھا نہیں تھا لیکن وہ یہ نہ جان سکا کہ اسے بھاگتے ہوئے اس کی کینچی کے ایک عسکر نے دیکھا ضرور تھا..... یہ الگ بات کہ وہ اپنے ”سابقہ ضابطہ“ پر گولی چلانے کی جرأت نہ کر سکا۔ اور اس کے کسی فیصلے پر پہنچنے سے پہلے ہی فیضان اس کی زد سے نکل گیا! آگ کی لپٹوں نے قلعے میں موجود فوج کو بوکھلا کر رکھ دیا..... اس کے ساتھ ہی کسی نے چلا کر کہا مجاہدین حملہ آور ہو گئے ہیں.....!! مجاہدین ان لوگوں کے اعصاب پر دہشت بن کر سوار ہو چکے تھے۔ گزشتہ دو سال میں انہوں نے ایسے ایسے محیر العقول اور دلیرانہ کارنامے انجام دیئے تھے کہ اب ان کی کسی جگہ موجودگی ہی روی اور افغان فوج کے لئے باعث خوف بن جایا کرتی تھی۔ روی فوجی تو کبھی ایسے مواقع پر باہر نہیں نکلتے تھے..... اب بھی انہوں نے ایسا ہی کیا۔

افغان فوجیوں کو ”دشمن“ سے منسنے کے لئے باہر بھیجا گیا، لیکن ”دشمن“ ان کی دسترس سے بہت دور جا چکا تھا۔ ضابطہ فیضان اوغلو اور اس کے ساتھی بڑی تیز رفتاری سے سفر کرتے پہاڑی سلسلے میں گم ہو چکے تھے..... دم رخصت اس نے اس ڈپوسے حاصل کر دہ دہتی، مہموں کے ذریعے ڈپو کوراکھ کے ڈھیر میں بدل دیا تھا۔

☆☆

CapTrue 1.1

رات کے اندھیرے میں مجاہدین کا تعاقب کرنے کی حماقت کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ تمام فوجی جانتے تھے کہ اپنے فرار کے راستے پر مجاہدین نے گھات ضرور لگائی ہوتی ہے تاکہ تعاقب میں آنے والی فوج سے نمٹا جاسکے۔ اور رات کے اندھیرے میں گولی کی سمت کا اندازہ کرنے سے پہلے ہی موت ان کا مقدر بن سکتی ہے۔

پسیدہ محرم خود ار ہونے سے پہلے وہ لوگ اپنے مرکز میں پہنچ چکے تھے اور اس محاذ پر پہلی مرتبہ مجاہدین کے ہاتھ اسلحے کا اتنا بڑا ذخیرہ لگا تھا۔ فیضان کے پہلے ہی کارنامے نے اس کا احترام سب کے دلوں میں قائم کر دیا تھا۔

دوسری طرف.....!

صبح ہونے تک آگ کی طرح یہ خبر دشمن کیمپ میں پھیل گئی تھی کہ رات مجاہدین نے حملہ ضابطہ فیضان اوغلو کی کمان میں کیا تھا اور فیضان یہاں سے فرار ہو کر مجاہدین کے ساتھ شامل ہو چکا ہے۔

میرداد خان واپس کا بل مرکز آیا تو حاجی امام اللہ نے فیضان اوغلو کو بھی اس کے ساتھ روانہ کر دیا..... وہ سمجھتا تھا کہ ایسے مجاہدین کی زیادہ ضرورت کس محاذ پر ہو سکتی ہے۔



کتاب گھر کی پیشکش

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com



Capture and PDF by: Qamar Abbas

## تائید غیبی

اخوند زادہ کے قتل پر اس کی گرفتاری اسی میجر ارخان کے ہاتھوں ہوئی تھی جس نے اسے ماسکو سے واپسی پر برعمرولیش "انقلابی" بنانے کے جن کے تھے اور آج جب وہ "خاد" کے چنگل سے نکلا تو قسمت اسے پھر ارخان کے دروازے پر لے آئی تھی..... لیکن یا سمین؟.....

اس نے سوچا..... یا سمین سے زندگی نے دوبارہ ملایا بھی تو کس روپ میں!!  
یا سمین نے واضح طور پر محسوس کیا تھا کہ جو خواب وہ دیکھتی آئی تھی یہاں آ کر بالکل چکنا چور ہو گئے تھے۔ خصوصاً فیضان کی اچانک بیوفائی نے اسے کسی قابل نہیں چھوڑا تھا۔ اس کا دل پڑھائی سے بالکل اچاٹ ہو گیا تھا۔ فیضان جاتے ہوئے اسے مل کر بھی نہیں گیا تھا۔ اس حادثے نے تو اسے اندر سے بالکل ہی توڑ کر رکھ دیا تھا۔

CapTrue 1.1 لنگوں میں حصہ لینا چھوڑ دیا تھا۔ سارا سارا دل اپنے کمرے میں پڑی رہتی۔ ایک بے نام سا بچھتا واس کی جان کو آ گیا تھا۔ منتشر ذہن کے ساتھ تعلیم تو وہ کیا حاصل کر پائی جسانی عوارض نے اسے گھیر لیا۔

پارٹی اجلاس سے مسلسل غیر حاضری نے اس کے ساتھیوں کے دلوں میں پرورش پاتے ان خدشات کو مستحکم کر دیا تھا کہ یا سمین "منحرف" ہو گئی ہے۔ اگر وہ روس کی شہری ہوتی تو اسے اس گناہ کی قیمت بہر حال ادا کرنا پڑتی..... لیکن وہ غیر ملکی طالبہ تھی۔ اور میں ممکن تھا کہ اس کے ساتھ کی جانے والی کوئی زیادتی ان لوگوں کے لئے پریشانی کا باعث بن جاتی۔ اسی لئے بطور احتیاط فیضان کی روانگی کے بمشکل دو ڈھائی ماہ بعد اسے بھی "نالائق اور کند ذہن" قرار دے کر واپس کابل بھیج دیا گیا۔

جگوان ارخان کی بیٹی یا سمین جب اپنے ملک میں واپس آئی تو وہ پہلے والی یا سمین نہیں رہی تھی۔ فیضان کی جدائی کا ساتھ اس کی جان کو آ گیا تھا۔ اس کی ہنسی اور قہقہے کبھی کے رخصت ہو چکے تھے۔ کابل کی اونچی سوسائٹی کے گھرانوں میں اس کا آنا جانا بالکل ختم ہو گیا تھا۔

تقریبات میں بھی وہ خال خال ہی نظر آتی تھی۔ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہونے کے باعث وہ اسے ضرورت سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ارخان نے کبھی اس پر کسی کام کے لئے دباؤ نہیں ڈالا تھا۔ یا سمین کی ماں نے حتی الوسع کوشش کی تھی کہ وہ اپنی بیٹی کو روایتی مسلمان اور افغان زادی بناسکے۔ وہ خود ایک قدامت پسند مذہبی عورت تھی۔ ایک روایتی مسلمان افغان عورت جسے اپنی بیٹی کا کھلے بندوں گھومنا پھرنا بالکل پسند نہیں تھا۔

ایک روز جب اسے یہ اطلاع ملی کہ اس کی بیٹی شراب نوشی کی محفلوں میں بھی شرکت کرنے لگی ہے۔ اس نے رورور کر میجر ارخان کے سامنے ہاتھ جوڑے کہ وہ بیٹی کو منع محفل بننے سے بچالے..... لیکن ارخان پر جدید نظریات ضرورت سے زیادہ ہی غلبہ پا چکے تھے۔ اس نے اپنی بیوی کو حسب سابق ڈانٹ دیا اور بیچاری بڑھیا کٹ کر رہ گئی۔

یاسمین کی ماسکورواگنی نے تو اسے چارپائی سے لٹا دیا تھا۔ لیکن وہ مرنے نہیں دیتی تھی۔ اب جب اس کی بیٹی ”مسلمان افغان زاوی“ بن کر لوٹی تو اس نے خاصی دیر لگا دی تھی۔ اس کی ماں کی رواگنی وقت ہو رہا تھا۔ اندری اندر کڑھنے اور مسلسل غم کرتے رہنے کی وجہ سے اس کے دل میں سیاہ شگاف پڑ گیا تھا۔

حالات کی تاریکیوں نے اس شگاف کو مزید گہرا کرنا شروع کر دیا اور جب ایک روز اسے دل کا دورہ پڑا اور ارخان اسے ہسپتال لے کر گیا تو اسے ڈاکٹروں نے بتایا کہ مریض کے علاج میں زبردستی کوتاہی کی گئی ہے اور معاملہ اب دوا سے زیادہ دعا پر آ گیا ہے.....!

یاسمین نے پانچ چھ ماہ تک حتی المقدور کوشش کر ڈالی کہ اس کی ماں زندہ رہے لیکن وہ اپنی ماں کو مرنے سے نہ بچا سکی۔

مرنے وقت اس کی ماں کم از کم اس لحاظ سے مطمئن اس دنیا سے جاری تھی کہ اس کی بیٹی نے کسی مرطے پر ہی سہی بہر حال سیدھی راہ تو اپنا لی تھی۔

ماں کی موت نے تو یاسمین کے رہے سبے اوسان بھی خطا کر دیئے تھے۔ اس نے جب کبھی صدق دل سے حالات کا جائزہ لیا تو خود کو بی ماں کی موت کا ذمہ دار گردانا۔ اس کی بے جا اور حد سے بڑھتی ہوئی ترقی پسندی نے اسے جنم دینے والی ماں کی جان لے لی تھی۔ اس انکشاف نے اسے کی سر بہ لایا۔ جوں جوں وہ اس پر غور کرتی۔ نام نہاد ترقی پسندی اور سوشلزم سے اس کی نفرت بڑھتی چلی جاتی۔

ایک روز جب اس نے سنا کہ روں کی فوج ہی اس کے ملک میں ”دوستی بھانے“ کے لئے نکلتی آئی ہے تو وہ تھملا کر رہ گئی۔ لیکن بے چاری معصوم لڑکی کیا کر سکتی تھی۔

اس دوران کاہل کے دوسرے براہان مملکت یکے بعد دیگرے اس انقلاب کی سمیٹ چڑھ چکے تھے۔ ملکی حالات بالکل بدل گئے تھے۔ ساری ساری رات کاہل کرفیوں کی پیٹ میں رہتا۔ لوگ ایک دوسرے سے خوف زدہ اور سب سے سبے نظر آنے لگے تھے۔ یہ بڑے صاف دل اور بچے مسلمان تھے۔ دل کی بات کبھی دل میں نہ رکھ سکے۔ ان کے اندر رروں کے خلاف پلنے والی نفرت روز بروز بڑھتی ہی چلی گئی۔ یاسمین کے دیکھتے ہی دیکھتے کئی نوجوان کاہل سے غائب ہو کر پہاڑوں میں چلے گئے۔

جانے والے راکٹیں بھی ساتھ لے گئے تھے۔ وہ اس عزم سے نکلے تھے کہ اپنے گھروں کو تب ہی لوٹیں گے جب اپنا ملک آزاد کرالیں گے۔ ان جانے والوں میں چند ایسے بھی تھے جن کے نام اور کارناموں سے جلد ہی کاہل کے در و بام گونجنے لگے۔

انہی میں ایک نام فیضان کا بھی تھا.....!

☆☆

فیضان کا نام یاسمین نے پہلی مرتبہ اپنے باپ سے سنا تھا جب وہ ایک روز کرل شاولو خوف سے ڈانٹ کھا کر خاصا آگ۔ بگولا اور فیسے میں پھٹکتا گھرا یا تھا۔ کرل شاولو خوف نے اس کی بہت بے عزتی کی تھی اور فیضان کے نکل جانے پر اسے کھٹوا اور کام چور ہونے کے طعنے دیئے تھے۔

ایک روز اخبارات میں اس نے فیضان کی تصویر اس خبر کے ساتھ دیکھی کہ اس نے ایک روی مشاور کو کاہل کے ایک بھرے پرے بازار

میں گولی مار دی تھی اور ہجوم میں فرار ہو گیا تھا۔ Capture and PDF by: Qamar Abbas کی تصدیق۔ اس نے بار بار ان باتوں پر خدا کا شکر ادا کیا تھا کہ فیضان ماسکودالوں کے زرخے سے زندہ نکل کر واپس آ گیا ہے۔

بچھلے دنوں تو اس کا تذکرہ قریباً آئے روز اس کے گھر میں ہونے لگا تھا۔ گھر میں وہ اپنے والد اور نوکروں کے ساتھ ہی رہتی تھی لیکن اس ماڈرن آبادی کے اکثر لوگوں کا ان کے ہاں آنا جانا لگا رہتا تھا۔ کابل کے ہر گھر میں انہی مجاہدین کی کہانیاں زیر بحث رہتی تھیں۔

کچھ لوگ ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور کچھ نفرت، لیکن ہر دو طبقے ان کی جرأت اور قوت ایمانی کے قائل ضرور تھے۔ دوست دشمن بارہا ان لوگوں کو خراج عقیدت پیش کر چکے تھے جنہوں نے ایک جابر اور قابض قوت سے نمٹنے ہونے کے باوجود بگری تھی۔

یاسمین نے یہ تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ اس طرح اچانک فیضان زندگی میں دوبارہ کبھی اس سے ٹکرائے گا۔ فیضان نے بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ جس گھر میں پناہ لینے جا رہا ہے وہاں یاسمین بھی اس کی منتظر ہوگی۔

جگہ ان ارخان کے ہاتھ سے ہسپتال گر چکا تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کی دھمکی میں بڑا واضح وزن محسوس کر لیا تھا۔ اس کے تجربے نے اسے انسانی لہجوں میں چھپے حقائق کو پڑھنے کا اچھا خاصہ رسکھا دیا تھا۔ جس طرح یاسمین نے اچانک اس پر ہسپتال تانا تھا عجب نہیں تھا کہ اگر وہ مدافعت کرتا تو یاسمین 1.1 CapTrue

”فیضان ہسپتال اٹھا لو۔“ اس نے حیرت زدہ فیضان کو اپنے باپ کے ہسپتال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

فیضان نے چند لمحوں کے لئے کچھ سوچا پھر ہسپتال اٹھا لیا۔

”بابا.....“ یاسمین نے اپنے والد کو مخاطب کیا۔ ”مجھے انصاف ہے میں نے آپ پر ہسپتال تانا ہے۔ لیکن میری جگہ کوئی باغیرت پٹھان لڑکی ہوتی تو وہ یہی کچھ کرتی۔ یہ شخص ہمارے گھر پناہ لینے آیا ہے اور پٹھان پناہ لینے والے کو کچھ نہیں کہا کرتے خواہ وہ ان کے باپ کا قاتل ہی کیوں نہ ہو۔ یہ ہمارا مہمان ہے۔“

”یاسمین.....“ میجر ارخان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ”تم جانتی ہو اسے؟“

”اے کون نہیں جانتا بابا.....“ یہ لوگ تو ہماری پہچان ہیں۔ یہ ہماری عظیم روایات کے امین ہیں انہوں نے ساری دنیا کو باور کرا دیا ہے کہ افغان اپنے عظیم پہاڑوں کی طرح ناقابلِ تسخیر ہیں یہ باتیں کہتے ہوئے اس کا گلزار نہہ گیا۔

”بیٹی میری بات کا جواب تم نے ابھی تک نہیں دیا.....“ میجر ارخان نے اسے دوبارہ مخاطب کیا۔

”ہاں بابا! ہم دونوں کالج میں اور پھر ماسکومیں بھی اکٹھے پڑھتے رہے ہیں۔“ یاسمین نے بالآخر اقرار کر دیا۔

”آپ لوگ میری وجہ سے پریشان نہ ہوں۔ میں جلدی یہاں سے چلا جاؤں گا۔“

فیضان نے پہلی مرتبہ ان کی گفتگو میں مداخلت کی۔

”نہیں فیضان! تم ایسے نہیں جاؤ گے..... تم میرے مہمان ہو۔ نوکری کا نوئی چیز ہے۔ میں پہلے مسلمان اور پھر افغان ہوں۔ کاش

میری آنکھیں بھی آج سے پہلے کھلی ہوئی تھیں۔ Capture and PDF by Qamar Abbas

”میں آپ لوگوں کا کس منہ سے شکریہ ادا کروں۔“ فیضان نے کچھ کہنا چاہا۔

”یہ باتیں پھر ہوتی رہیں گی۔ فی الحال تم آرام کرو۔ میں ایک نظر ذرا باہر کا جائزہ لے آؤں۔“ یہ کہہ کر جگدون ارخان باہر نکل گیا۔

اس کے اچانک باہر جانے پر فیضان بالکل نہیں گھبرا یا تھا۔ اسے یقین تھا کہ جگدون ارخان اسے کبھی دھوکہ نہیں دے سکتا۔ مسلمان کی غیرت ہی کو جگانا ہوتا ہے۔ اور وہ محسوس کر سکتا تھا کہ ارخان کی سوئی ہوئی غیرت آج بیدار ہو گئی ہے۔

یہ تائید بھی تھی۔ اس کی چھٹی حس نے احساس دلایا..... خدایا تو ہی دلوں کے حال جاننے والا اور دلوں کو پھیرنے والا ہے۔ اس نے دل ہی دل میں کہا۔

”مجھے افسوس ہے یا یمنین..... اپنے رویے سے میں نے تمہیں خاصا دکھی کیا ہے“ اس نے ارخان کے جاتے ہی یا یمنین سے کہا۔

”نہیں فیضان تم تو میرے محسن ہو! اگر اس روز تم ایسی کھلی باتیں نہ کرتے تو مجھ آنے میں ذلالت کی کسی راہ پر گامزن ہوتی..... تم

نے تو مجھے ان درندوں کا شکار ہونے سے بچایا تھا فیضان.....!“

CapTrue 1.1

☆ ☆

کرل شولوف غصے سے پاگل ہو رہا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ اپنے سامنے سر جھکا کر کھڑے ہوئے تمام فوجیوں کو گولی سے اڑا دے۔ جن کی بزدلی اور نااہلی کی وجہ سے نہ صرف فیضان ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تھا بلکہ اس کے ساتھی بھی پندرہ بیس فوجیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد غائب ہو گئے تھے۔

”بھٹ نہیں آتی تھی کہ ان لوگوں کو زمین کھا گئی یا آسمان نے نکل لیا ہے؟“

”گدھوں کی طرح کیا سر جھکا کر کھڑے ہو.....“

اس نے اپنے سامنے کھڑے فوجیوں کو مخاطب کیا۔ جاؤ اور فیضان کو ڈھونڈو۔ سارے کابل میں میں نے ناکہ بندی کروا رکھی ہے وہ کہیں

نہیں جاسکتا۔ وہ یہیں ہے۔ کابل ہی میں کہیں اس نے پناہ لے رکھی ہے۔“

اور تمام گدھے وہاں سے جان بچی سولا کھوں پائے کا ورد کرتے ہوئے کھسک گئے۔ کرل شولوف وہیں کھڑا کچھ سوچتا رہا..... پھر

اچانک ایک خیال سے چونک پڑا۔ بڑی تیز رفتاری سے چلتا ہوا وہ اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ کمرے میں آ کے انٹر کام کے ذریعے اس نے میجر

یونا کو ف کواپنے پاس طلب کیا۔

چند منٹ بعد میجر وہاں موجود تھا۔

”یونا کو ف!“ اس نے بڑے سرد لہجے میں اسے مخاطب کیا..... ”تمہارے سیل میں ایک غدار ضرور موجود ہے۔ باغیوں کا



کوئی آدمی..... اور ہم نے بہر حال اسے اس کا نام سے میں بہت دیر سے سنا! خیال رکھنا۔“

بونا کوف کا کوئی جواب سنے بغیر اس نے ”آؤٹ“ کہہ دیا اور میجر یونا کوف پاؤں تلخ کر باہر نکل گیا۔

اس کے روانہ ہوتے ہی کرنل شولوخوف نے مغز کھپائی شروع کر دی۔ اچانک اپنے نزدیک پڑے فون پر اس نے ایک نمبر ملا دیا۔ مخفی کا بل کے مصافحاتی علاقے کی ایک چھاؤنی میں جی تھی۔ دوسری طرف سے فون اٹھانے والا اس علاقے کا روسی کمانڈر تھا، کرنل شولوخوف نے اسے کچھ سمجھایا اور حکم دیا..... ”فور اس علاقے کو گھیرے میں لے لو۔“

محض دس منٹ بعد دس پندرہ ٹینک گڑگڑاتے ہوئے چھاؤنی سے باہر نکل رہے تھے۔

میجر ارخان یونی باہر نہیں نکل آیا تھا اس کی ساری زندگی فوج میں گزری تھی۔ اور اس کے حساس کانوں نے ٹینک کی گڑگڑاہٹ محسوس کر لی تھی۔ باتیں کرتے کرتے یا سمین اور فیضان اچانک چپ ہو گئے۔ کیونکہ مختلف قسم کے فوجی فکروں اور ٹینکوں کی آوازیں اب خاصی نمایاں ہو گئی تھیں۔

دو فور ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھنے لگے جیسے ان میں سے ہی کوئی ایک اس صورت حال کا ذمہ دار ہو۔

CapTrue 1.1

ہوٹن ارخان، اس سیز رفقاری سے گیا تھا اس سے زیادہ تیز رفقاری سے اس کی واہبی ہوئی۔ اس کے چہرے کی ہوا سیاں اڑ رہی تھیں۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ صورت حال کی وضاحت کس طرح کرے..... اس کی حالت بالکل نومسلموں کی سی ہو گئی تھی۔ جنہیں ایمان لاتے ہی اللہ تعالیٰ نے کسی بڑی آزمائش میں ڈال دیا ہو۔ آج زندگی میں پہلی مرتبہ اس کی راہ گم کردہ بیٹی اسے راہ راست پر لائی تھی اور آج ہی اس کا امتحان قدرت لینے پر تل گئی تھی.....!

میجر ارخان جانتا تھا کہ فیضان کو گرفتار کرانے کی صورت میں اسے کسی بھی اعلیٰ ترین اعزاز سے نوازا جاتا۔ کیونکہ اس سے پہلے بھی اس نے فیضان پر قابو پایا تھا کچھ عرصہ نہیں تھا کہ وہ کرنل بنا دیا جائے لیکن کیا وہ اپنے ضمیر کی طرف سے خود پر پراپا ہونے والے عذاب کا سامنا کر سکے گا؟..... نہیں..... اس نے سوچا۔ یہ ناممکن ہوگا.....!

”فیضان میرے بیٹے!“..... اس نے اندر داخل ہوتے ہی فیضان کو مخاطب کیا۔ ان لوگوں کو شاید تمہارے یہاں موجود ہونے کا شک ہو گیا ہے۔ تمہاری حالت اس قابل نہیں کہ اب مزید بھاگ دوڑ سکو۔ اس ہستی میں محفوظ ترین ٹھکانہ تمہارے لئے اگر کوئی ہے تو یہی گھر۔ جس تم میں بیٹھے ہو۔ بیٹا! تم مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو۔ یہ افغان فوج کے میجر کا نہیں ایک مسلمان کا وعدہ ہے۔“

فیضان نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا صرف ایک لمحے کے لئے یا سمین کی طرف دیکھا۔ جس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور دوسرا جا رہا تھا۔

”فیضان! تم مطمئن رہو۔“ اس کے لہجے میں بلا کی خود اعتمادی تھی۔

فیضان نے چند سیکنڈ کے لئے کچھ سوچا۔ آرمی ڈیمو کھلی آوازیں اب خاصی نمایاں ہو رہی تھیں۔ فضا میں کوئی پہلی کا پڑ بھی چٹکھانے لگا



تھا اور اس کی چنگھاڑ ب لحد پہ لحد تینوں کو قہر Gamar Abbas Capture and PDF by تھی اور اس کے الفاظ کی صداقت پر صاد کر دیا۔ اس نے مطمئن ہو کر گردن جھکا لی۔

ارخان نے اپنا رویہ اور اس کی طرف بڑھا دیا اور گولیوں کی چیٹی اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔  
 ”بیٹے خدا نہ کرے اگر کوئی برا وقت آ بھی گیا تو تم اکیلے نہیں ہو گے۔ ہمارے پاس دو اور رویہ اور بھی موجود ہیں۔“  
 فیضان اوٹلو کو ان لوگوں نے سنور میں چھپا دیا۔ چند ہی منٹ بعد فوج کے متعدد دستے اس ماڈرن آبادی کو گھیرے میں لے رہے تھے۔ وہ بے دھڑک کسی بھی مکان میں گھس جاتے تھے جگہوں ارخان اپنے بچنے کے دروازے پر آ گیا تھا ایک جیب اس کے قریب آ کر رک گئی۔  
 جیب میں حواس باختہ افغانی میجر اور اس کے سپاہی بیٹھے تھے۔ یہ لوگ ”خاد“ کی طرف سے آئے تھے اور فیضان کی گرفتاری کی اس ہم میں حصہ لے رہے تھے۔ بھولکھائے ہوئے افغانی میجر نے جگہوں ارخان کو اطلاع دی کہ فیضان بھاگ گیا ہے۔ ارخان کو اپنی اداکاری کی صلاحیتوں پر کبھی اعتماد نہیں رہا تھا۔ لیکن آج وہ خود اپنے آپ کو دودھے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے اپنے چہرے پر غصے کی کیفیت طاری کر لی اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا کر رہ گیا۔

**Cap True 1.1** ارخان کی جذباتی کیفیت کا اندازہ لگا سکتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ارخان نے کس طرح جان و جھکوں میں ڈال کر فیضان اوٹلو کو گرفتار کیا تھا اور اس کے فرار کے بعد تو اب یقیناً اس کی جان غیر محفوظ ہو گئی تھی جو لوگ انخود زادہ کو بھرے بازار میں گولی مار سکتے تھے ان کے لئے جگہوں ارخان کو مار دینا کچھ بعید نہیں تھا۔  
 فوج کے مختلف سپاہی اس کے گھر کے سامنے سے گزرتے رہے لیکن کسی نے اندر داخل ہونے کی جرأت نہ کی۔ قریب ایک گھنٹہ کی ناکام مفرز ماری کے بعد وہ لوگ بے نیل مرام لوٹ گئے۔



کرٹل شولوفوف پر دیوانگی کا دورہ پڑ چکا تھا۔ فیضان کا اس طرح ہاتھوں سے نکل جانا خود اس کیلئے بھی خطرے کی گھنٹی تھی۔ اسے مجاہدین سے زیادہ خطرہ اپنے افسران کی طرف سے تھا۔ کے جی بی اے کسی معاف نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے بادل غواستہ یہ اطلاع اور پہنچائی تھی اور اب اپنی قسمت کے فیصلے کا منتظر یہاں بیٹھا تھا۔  
 فیضان اوٹلو کو ارخان نے زبردستی چھ سات روز اپنا مہمان رکھا تا کہ اس کے زخم مندمل ہو جائیں۔ اس دوران یاسمین نے اس کی تیمارداری میں دن رات ایک کر دیئے اس کا علاج دونوں باپ بیٹی نے خود ہی کیا تھا۔ پھر ایک روز رو بہ صحت ہو کر وہ میرداد خان کے ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گیا۔  
 میرداد خان تک پہنچنے کے لئے اسے کسی خاص تکلیف کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ یاسمین جس کو کچھ کرکھی اسے گھن آتی تھی۔ آج اس کے لئے روحانی تسکین کا باعث بنی ہوئی تھی۔ یاسمین میں فیضان نے انقلابی تبدیلی محسوس کر لی تھی۔

اس نے جان لیا تھا کہ شام ڈھلے **Gamar Abbas** کے پاس **Capture and PDF by** میں ایک واضح ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ وہ روایتی حیا جو اس سے ترقی پسندی نے چھین لی تھی۔ دو بارہ اس کا حصہ بن گئی تھی اور اب یاسمین کے نزدیک فیضان کی حیثیت ایک مجاہد کی سی ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک ایک مجاہد جو اس کے دین، ملت اور ناموس کی ہفک کے لئے جنگ لڑ رہا تھا۔ یہ جانے بوجھے بغیر کہ اس اندھی لڑائی کا انجام کیا ہوگا۔ اس دوران جگدون ارخان اسے ”خاؤ“ کی پل پل خبر دیتا رہتا تھا۔ اس نے فیضان کو بتا دیا تھا کہ کس طرح اس نے کرل شلوخوف کو گمراہ کرنے کے لئے تفتیش اور تلاش کو غلط راستے پر ڈال دیا ہے۔

جب اس روز علی الصبح فیضان نے باپ بیٹی سے جانے کی اجازت لی تو یاسمین کا دل ایک دم سے پیٹھ گیا۔ فیضان نے اسے اپنی اگلی منزل نہیں بتائی تھی لیکن یہ یقین ضرور دلا دیا تھا کہ وہ کبھی خود کو کیلا نہ سمجھے۔

ارخان کے لئے یہ امر باعث برکت تھا کہ فیضان اوقلو ایسے سرکف افغان مجاہد نہ یاسمین کے لئے سہارا بننے کی آرزو ظاہر کی تھی۔ امیر دادخان اور دیگر مجاہدین نے صلاح مشورے کے بعد اسے وقتی طور پر کابل سے ہٹا لینے کا فیصلہ کر لیا وہ جانتے تھے کہ جی بی اور ”خاؤ“ پاگل کتوں کی طرح فیضان کی بوسہ گتھے پھر رہے ہیں اور کابل میں وہ لوگ خود کو زیادہ محفوظ بھی تصور نہیں کرتے۔

**CapTrue 1.1** سرکنا فیضان اوقلو اپنے پرانے ٹھکانے جلال آباد میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے یہاں آ کر دم نہیں لیا تھا اور آتے ہی اپنی سرگرمیاں شروع کر دی تھیں۔ جلال آباد میں اسے مجاہدین کے مقامی کمانڈر کی حیثیت حاصل تھی جلد ہی کے جی بی کے ایوان اس کی جلال آباد میں موجودگی اور کارناموں کی خبر سنے لگے۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>



## آپریشن بلیو ستار

نوجوانوں کے پسندیدہ ترین مصنف طارق اسماعیل ساگر کا کتاب گھر پر پیش کیا جانے والا دوسرا ناول **آپریشن بلیو**

**ستار** کہانی ہے ایسے سر پھرے آزادی کے متوالوں کو کی جو اپنی حریت اور آزادی کی سانس کے بدلے اپنا سب کچھ واڈ پر لگا کر تیار ہیں۔ ہندوستان میں سکھوں کے خالعتان کی تحریک کو کچلنے کے لیے کیا گیا بدنام زمانہ فوجی آپریشن جسے آپریشن بلیو شمار کا نام دیا گیا تھا، اسی آپریشن کے بعد ہندوستان کی سابقہ وزیر اعظم اندرا گاندھی کو اسکے اپنے سکھ باؤی گارڈز نے گولیوں سے اڑا دیا۔ ہندوں اور سکھوں کی باہمی چپقلش اور کشمکش کے پس منظر میں لکھا گیا یہ ناول جلد ہی کتاب گھر پر پیش کیا جائے گا۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

Capture and PDF by: Qamar Abbas

## شمشیر خان کی آمد

اس روز وہ خاصا تھکا ہوا تھا اور ابھی اس نے لینے کو کمر سیدھی ہی کی تھی جب غار میں بنے اس خفیہ ٹھکانے پر آہستہ سے دستک ہوئی اور ناظر خان اس کے سامنے موجود تھا۔

”ناظر خان تم؟“

بے اختیار اس کے منہ سے نکلا اور وہ ناظر خان سے لپٹ گیا۔ اتنی مدت کے بعد دونوں ملے تھے کہ ایک دوسرے سے الگ ہونے کو تیار ہی نہیں تھے۔

”دوسرے مہمان سے بھی تعارف حاصل کرلو“

CapTrue 1.1 کی اور کی موجودگی کا احساس دلایا۔

فیضان اوغلو نے پہلی مرتبہ بڑے غور سے اس کے ہمراہی کا چہرہ دیکھا جس نے بڑا سا کپڑا اپنے منہ سے الگ کر لیا تھا کیونکہ یہاں غار کے اندر سردی کا احساس کچھ کم ہونے لگا تھا۔

”آپ؟“

اس نے ناظر خان کی طرف دیکھ کر مہمان کا تعارف چاہا۔

”شمشیر خان.....“

ناظر خان نے اس کا تعارف کروایا۔

”شاید آپ کا تعلق.....؟“

فیضان اوغلو نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی بات اور صوری چھوڑ دی۔


”ہیبتان سے ہے“

ناظر خان نے اس کا تعارف کروایا۔

”اللہ اکبر“

فیضان اوغلو بے ساختہ اس سے لپٹ گیا۔ چھیننا کا نام تو اس نے سنا تھا۔ اپنے اجداد سے اس نے امام شامل کے بارے میں بھی سنے تھے۔

قلعہ ز اور دامنستان کے ان جانبازوں کے لئے اس کی اس سے بڑی باتیں اور برے، بوسے نامہ سال ۱۱۷۰ھ میں بشانہ روسیوں کے خلاف جہاد کیا اور اپنے خون کے امنٹ نقوش تاریخ کے صفحات پر رقم کر گئے۔

افسوس ان کا جہاد شہر آورد نہ ہو سکا..... کیونکہ کسی مسلمان ملک کے حکمران کی غیرت نہ جاگی لیکن یہ ضرور تھا کہ ہیتان اور دامنستان کے گھروں میں آج بھی مائیں اپنے بچوں کو امام شامل  کا نام یاد کرنا سے ضرور سنایا کرتی تھیں۔


شمشیر خان فارسی میں اس سے بات کر رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں موجودہ اسراہی چمک فیضان اوغلو کو اپنی آنکھوں کے رستے دل میں اتارتی محسوس ہو رہی تھی۔

افغانستان کے اسی جہاد میں دنیا بھر کے مسلمان حصہ لے رہے تھے لیکن کسی ہیتانی مجاہد سے یہ اس کا پہلا تعارف تھا اور اسے حیرت اس بات پر ہو رہی تھی کہ شمشیر خان آخر یہاں تک پہنچ کیسے گیا.....

اسے بطور خاص یہاں فیضان اوغلو کے پاس بھیجا گیا تھا۔ دونوں میں قدر مشترک روی زبان سے آشنائی تھی اور کامل شہر میں کسی بڑی کارروائی کے لئے شمشیر خان بڑی مناسب مدد دکھائی دے رہا تھا۔

CapTrue 1.1  
بہان ویسے سے لے نہیں کہو گے؟

ناظر خان نے اسے احساس دلایا تو وہ چونکا اور نہ تو ابھی تک وہ شمشیر خان میں ہی کھویا ہوا تھا۔  
تینوں تھوڑی دیر بعد اس عارف نامہ کرے میں قبوے کی یہاں سامنے رکھے بیٹھے تھے شمشیر خان اسے اپنی کہانی سن رہا تھا۔ وہ بھی فیضان اوغلو کی طرح ماسکو پونیورسٹی کا فارغ التحصیل تھا اسے بھی روی نظریاتی تعلیم کے لئے اپنے ساتھ ماسکو لے گئے تھے۔

”ارفون“ سے منتخب ہونے والے بیس نو جوانوں میں وہ بھی شامل تھا یہ انتخاب ان کی مرضی سے نہیں بلکہ جبر سے ہو رہا تھا۔  
اس کے دادا قاضی کا کلچر پھینٹنے کو آ رہا تھا جب اسے علم ہوا کہ شمشیر خان کو زبردستی ماسکو لے جایا جا رہا تھا کیونکہ اس نے شمشیر خان کی تربیت ایک خاص مقصد اور مشن کے لئے کی تھی اور اس کا نام بھی افغانیوں جیسا رکھا تھا کیونکہ وہ خود اپنی جوانی کے سات قیمتی سال افغانستان کے ساتھ گزار چکا تھا اور افغانستان میں روسیوں کے خلاف ہونے والی مزاحمت کی خبریں سن کر اس کا دل گواہی دینے لگا تا کہ اب وہ ساعت سعید آگئی ہے جس کا اسے مدتوں سے انتظار تھا۔ وہ جانتا تھا کامل میں طلوع ہونے والے آزادی کے سورج کی روشنی سے جلد ہی اس خطے کی تمام مسلم ریاستیں جنہیں جبر آروں کا حصہ بنایا گیا تھا آزاد ہو جائیں گی اور ایک مرتبہ پھر وہ امام شامل  کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھ رہا تھا لیکن.....

یہ خبر بجلی بن کر گر گئی تھی کہ اس کے پوتے کو ماسکو لے جایا جا رہا ہے۔ اس کے باوجود وہ تجھانے کیوں بد امید تھا۔  
بچپن سے وہ شمشیر خان کو افغان شہر داروں کے قصے سناتا آیا تھا۔ اس نے اپنی خاندانی زبان فارسی کو کبھی نہیں بھلایا تھا۔ روی حکومت کے بے پناہ تشدد پابندیوں اور آہنی ہتھکنڈوں کے باوجود ہیتان کی بیشتر مسلم آبادی کے بزرگ نہ صرف اپنے گھروں میں اذانیں دیا کرتے تھے بلکہ اپنے بچوں کو فارسی پڑھایا اور لکھایا کرتے تھے.....

فیضان اوغلو کے سامنے بیٹھا شمشیر خان اپنی جہان سے سزاوارتا اور یسٹان کی دلچسپی کا یہ عالم تھا کہ اسے گرد و پیش کی کوئی خبر نہیں رہی تھی.....

شام و محل چکی تھی اور مغرب کی نماز کے لئے مؤذن نے اذان دینا شروع کر دی تھی جب وہ تینوں عمار سے برآمد ہوئے اس دوران فیضان اور شمشیر خان بہترین دوست بن چکے تھے۔

دونوں نے ماسکو کی درس گاہوں کے قصبے ایک دوسرے کو سنائے تھے اپنی یادیں تازہ کی تھیں۔  
گوکہ فیضان کی ماسکو سے بڑی تلخ یادیں وابستہ تھیں وہ ویلنٹینا کو کبھی بھلا نہیں پایا تھا۔ ماسکو کے ذکر کے ساتھ ہی نجانے کیوں ویلنٹینا اسے ضرور یاد آ جاتی تھی۔

ناظر خان نے اسے کمانڈر محمد دی کا پیغام پہنچا دیا تھا اور اس منصوبے کی تفصیلات سے آگاہ کر دیا تھا جس پر اس نے شمشیر خان کی مدد سے عمل کرنا تھا۔ دونوں کو اگلے دو تین روز میں کابل جانا تھا۔ انہیں روسی فوجیوں کی چھاؤنی میں گھس کر نہایت اہم مشن انجام دینا تھا.....  
اور وہ دونوں بڑے پُر امید تھے کہ انشاء اللہ یہ مشن ضرور انجام دیں گے۔

☆☆

CapTrue 1.1

تیسرے روز دونوں اپنے مشن پر روانہ ہو گئے۔ خفیہ راستوں سے سفر کرتے اور مجاہدین کے مختلف ٹھکانوں پر قیام کرتے وہ دونوں اگلے روز میں اپنے مارگٹ تک پہنچ گئے تھے۔

انہیں کابل کے ”شہر نو“ میں اس مضبوط روسی کیمپ کو اڑانا تھا جس نے اب قریباً گاؤں کی شکل اختیار کر لی تھی۔ یہاں ہر وقت روس کے تازہ دم کمانڈر موجود رہتے تھے جن کی تعداد کبھی پچیس اور کبھی پچاس ہو جاتی تھی۔ ان کمانڈرز کو بطور خاص کابل میں مجاہدین کی ممکنہ مزاحمت کا مقابلہ کرنے کے لئے رکھا جاتا تھا اور انہیں ”دہشت گردی“ سے نمٹنے کے لئے بطور خاص تربیت دی گئی تھی۔

فیضان اور شمشیر منصوبے کے عین مطابق اور طے شدہ وقت پر یہاں پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے روسی زبان کا سہارا لیا اور روسی ”سٹینیز“ کی وردیوں میں لمبوس دونوں مجاہد چھاؤنی کے اندر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ جہاں شمشیر خان نے جو ”بارود“ لگانے کی بطور خاص تربیت حاصل کر چکا تھا اس طرح چھاؤنی میں بارود لگایا کہ جب اپنے مخصوص ٹھکانے پر پہنچ کر انہوں نے ریموٹ کے ذریعے بارود کو پھاڑا تو ان دھماکوں سے سارا کابل لرز گیا۔

☆☆

پندرہ منٹ میں روسی کمانڈرز کی یہ چھاؤنی راکھ کا ڈھیر بن چکی تھی اور اگلے تین گھنٹے بعد وہ دونوں بخیر و عافیت اپنے ٹھکانوں پر پہنچ چکے تھے۔ یہ دونوں کی دوستی کی ابتدا تھی.....

اس کے بعد انہوں نے کئی معرکوں میں اسٹھے حصہ لیا۔ وہ روسیوں کے ٹھکانوں میں گھس کر کاروائیاں کرتے رہے۔ روسیوں کے لئے ان



پراسرار مجاہدین کی سرگرمیاں بڑی پریشان کن تھیں۔ Captive and PDF by Qamar Abbas میں ہزاروں پڑھنے والوں کی جاری تھی اور روسیوں کو ایسا اوقات بہت شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

یہ بات سمجھ سے بالاتر تھی کہ آخر یہ کون سا گروپ ہے جسے بطور خاص اس بات کی تربیت دے کر بھیجا گیا ہے۔ روسیوں نے حسب عادت یہ کاروائی بھی سی آئی اے اور آئی ایس آئی کے کھاتے میں ڈال دی اور کابل کی مرکزی کمانڈ کی طرف سے کے جی بی ہیڈ کوارٹر کو ایک تفصیلی رپورٹ اس ضمن میں بھیج دی گئی جس میں کچھ مفروضات قائم کرنے کے بعد ان کاروائیوں کا ذمہ دار ان دونوں ایجنسیوں کو ٹھہراتے ہوئے مدد کی درخواست کی گئی تھی۔

اب کے جی بی کی مرکزی کمان نے اس معاملے کو خود ہینڈل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

بڑی سوچ بچار کے بعد وہ لوگ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ کام انہیں اپنے دیرینہ دوستوں سے لینا چاہئے..... اور ان کا یہ دیرینہ دوست بھارت ہی تھا۔

بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی ان کے لئے پہلے بھی افغانستان میں کئی مشن انجام دے چکی تھی۔ اور کے جی بی کی طرح ان کے بھی افغانستان میں اوٹ CapTrue 1.1 موجود ہے ہیں۔ پھر اگلے ہی روز روس کے ایک ”خصوصی مشن“ کو لے کر ایک رویگ ماسکو سے دہلی کی طرف نحو پرواز تھا.....!!



## جذام (معاشرتی رومانی ناول)

**جذام** ایک معاشرتی رومانی ناول ہے جس میں بشری سعید نے ہمارے اس عقیدے کو بہت خوبصورتی سے کہانی کے تانے بانے میں بنا ہے کہ جہاں ایک طرف اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی آزمائش لیتا ہے اور اس آزمائش میں پورا اترنے والوں کے درجات بلند کرتا ہے، وہیں دوسری طرف وہ اپنے گناہ گار اور صراطِ مستقیم سے ہٹکے ہوئے بندوں سے بھی منہ نہیں پھیرتا بلکہ انہیں بھی سنبھلنے کا ایک موقع ضرور دیتا ہے۔ شرط صرف صدق دل سے اُسے پکارنے کی ہے پھر چاہے معصوم فطرت ”عائشہ“ ہو یا باطنی طور پر کوزھی ”جانیہ“ وہ سب کی پکار سنتا ہے۔ سب پر دم کرتا ہے۔ اس کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ **جذام** کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com>

جال

<http://kitaabghar.com>

پالم پور پر چھائے سکوت کوروینگ کی آواز نے ہی توڑا تھا۔ جیسے ہی دوریڈار کی ریچ میں آیا۔ ”پالم پور آگ A-T-O (انٹریٹیک کنٹرول) بیدار ہو گیا۔ کرنل سارنگ خود کنٹرول روم میں بیٹھا تمام امور کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس وقت رات کے گیارہ بج رہے تھے اور ہوائی اڈے کی عمارتوں میں سوائے پہرے والوں کے گشت کرنے کے اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ کرنل سارنگ کے سامنے رکھے ہوئے ٹرانسمیٹر میں جیسے ہی زندگی کی لہر دوڑی اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑے کافی کے گک کو ایک طرف رکھ دیا۔ اب وہ پوری طرح متوجہ تھا۔

”کمانڈر انٹرننگ۔ اوور.....!“

”ریڈ سکوائر۔ داخل ہو گیا سر! اوور۔“

CapTrue 1.1

اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے دونوں آدمی آٹھلی جنس آفیسر بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے۔ اب وہ تینوں کنٹرول روم میں موجود تھے۔

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

”ریڈ سکوائر۔ ریڈ سکوائر۔ پالم پور ہوشیار رہے اوور.....!!“

جیٹ سے پیغام آ رہا تھا۔

”ریڈ سکوائر۔ پالم پور موجود ہے اوور۔“ کرنل سارنگ نے مائیک اپنے منہ کے قریب کر لیا تھا۔ اس اثناء میں اس کے دونوں ساتھیوں میں سے ایک جس نے گروپ کیمپین کی وردی پہن رکھی تھی۔ اس بڑی سی سکرین کے سامنے مائیک تمام کرکھڑا ہو چکا تھا جس میں مختلف لہریں ابھر ابھر کر غائب ہو رہی تھی۔

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

”راہنمائی پالم پور۔ اوور۔“ جیٹ سے پیغام آیا۔

اس کے ساتھ ہی گروپ کیمپین نے کنٹرول سنبھال لیا۔

”ریڈ سکوائر۔ تارتھ۔ 45 ڈگری۔ اوور۔“

”نیں پالم پور۔ اوور۔“

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

<http://kitaabghar.com><http://kitaabghar.com>

اب سکرین پر لہریں کافی واضح ہو رہی تھیں۔

”70 ڈگری ایسٹ۔ ریڈ سکوائر۔ اوور۔“

”مجھے ہوائی اڈے کی عمارت نظر آ رہی ہے۔ اوور۔ جواب ملے۔“

”ریڈ سکوائر۔ 50 ڈگری شمال کی طرف آؤ اور ریڈنگ کرو۔ اوور۔“

”او کے پالم پور۔ اوور۔“

اب صرف ایک ہی لہر باقی رہ گئی تھی جو تیزی سے حرکت کر رہی تھی اور ساتھ ہی ایک تیز آواز ابھرے گی۔

”پالم پور انٹرنیشنل۔ فٹنی + فورٹی + تھرٹی + ٹوٹی + ٹن + زیرو۔“

”ڈاؤن۔“ ”گروپ کیپٹن نے تیزی کے ساتھ حرکت کرتی ہوئی لہر پر نظریں جمادھیں۔“

دوسری طرف کرل سارنگ اور اس کا دوسرا ساتھی جس نے آرمی سمجھ کر دردی پہن رکھی تھی۔ آنکھوں سے دو بین لگائے دن وے پر چلتی

بجھتی بیٹوں کو دیکھ رہے تھے۔ دیو بیکل، جیٹ کی گڑگڑاہٹ ان کو صاف سنائی دے رہی تھی چند لمحوں کے بعد ہی جہاز نظر آ گیا۔

”ریڈ سکوائر، تم ٹھیک آ رہے ہو۔ نیسی ٹریک نمبر 5 تمہارے سامنے ہے۔ اوور۔“ ”گروپ کیپٹن نے کہا۔“

”لینڈنگ، پالم پور۔ اوور۔“ جواب آیا۔

CapTrue 1.1

گروپ کیپٹن نے اپنے سر کے گرد اگر دلیپنا ہوا مائیک اتار کر سامنے میز پر رکھ دیا۔

☆☆

”کیپٹن! تعاون کا شکریہ۔ مجھے امید ہے کہ ہائی کمان کے احکامات تم نے سمجھ لئے ہوں گے۔ کرل سارنگ اور اس کا ساتھی گروپ کیپٹن

ہاتھ ملا کر باہر نکل گئے۔ وہ دونوں باہر پہلے سے موجود ایک کار میں تیز رفتاری سے جیٹ کا تعاقب کر رہے تھے جواب دن وے کے ایک کونے میں

کھڑا تھا۔ انجین ابھی تک سٹارٹ تھے۔ پھر ایک لمبے انجین بند ہو گئے۔

کے سٹی بی کی خاص ہدایت تھی کہ طیارے کے نزدیک کوئی گاڑی یا ہوائی اڈے کا کوئی رکن نہیں آئے گا۔ اس لئے کرل سارنگ اور اس کا

ساتھی ہی طیارے کے قریب پہنچے جیسے ہی طیارے کے نزدیک پہنچے خاک کی کپڑوں میں ملبوس ایک روسی ان کی طرف بڑھا۔ وہ چند لمبے پہلے ہی کا ک

پٹ سے برآمد ہوا تھا اور اب ہاتھ میں ایک بریف کیس پکڑے ان کی طرف آ رہا تھا۔ نہ جانے اس کے چہرے پر کیا لکھا تھا کہ جیسے وہ ان کے نزدیک

آیا کرل سارنگ اور اس کے ساتھی کے ہاتھ خود بخود دھڑکنے لگے۔

”کرل جہاز کو فوراً پین ڈراپ ایریا (جہاز کے چھپنے کی جگہ) بتاؤ۔“

اس نے چھپتے ہی کہا۔

”او کے سر۔“ کرل نے کار کا دروازہ کھول کر اس میں لگے ٹرانسمیٹر کے ذریعے کسی کو حکم دیا اور ان کے دیکھتے ہی دیکھتے جہاز کے انجین

دوبارہ جاگ پڑے۔

جب تک جہاز خفیہ مقام پر کیمو فلگ میں کھول کر رکھا گیا ہو اور اس کی پوزیشن اور اس کے "پروٹسٹ گارڈز" نے اس علاقے کو گھیرے میں لے لیا۔ جہاز کا پائلٹ جہاز ہی میں رہ گیا۔ اس خدشے کے پیش نظر کہ انٹیرنیشنل ایئر فورس کے آفیسران میں سے کوئی بھی اس جہاز کو چیک نہ کر سکے۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ تینوں کرٹل سارنک کی کار میں تیز رفتاری سے ہوائی اڈے سے باہر جا رہے تھے۔ کے جی بی کے آفیسر نے بریف کیس کو اپنی کلائی میں ایک زنجیر سے لاک کیا ہوا تھا۔

انڈیا کے سنٹرل انٹیلی جنس بیورو کے ہیڈ کوارٹر میں جنرل مہدے بے چینی سے ان کا انتظار کر رہا تھا۔ آج وہ صبح سے ہی دفتر میں موجود تھا۔ فارن منسٹری کے ایک خاص حکم کے تحت اس سے کہا گیا تھا کہ "مہمان" کے ساتھ ہر ممکن تعاون کیا جائے، لیکن کس سلسلے میں؟

اس کی نشاندہی فارن آفس بھی نہیں کر سکا تھا۔ وزیر خارجہ نے اس سے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ معاملہ اہم اور انتہائی خفیہ نوعیت کا ہے۔ خود اس کو بھی علم نہیں۔ وزیراعظم نے براہ راست اس کو حکم دیا تھا۔ !!

### CapTrue 1.1

سورن دیر سے بددی و وہ ایک سرخ و سپید لپے ترنگے روی جرنیل کا استقبال کر رہا تھا جو جیت سے نکلنے کے بعد ایک دوسری گاڑی سے ان کے تعاقب میں آ رہا تھا۔

"جنرل ایوانوچ ترکیف" اس نے جنرل مہدے کو سر دو آ نکھوں سے گھورتے ہوئے مصافحہ کیا۔ اور جنرل مہدے فوراً سمجھ گیا کہ اس کے سامنے کے جی بی کا ڈپٹی ڈائریکٹر کھڑا ہے۔

وہ اسے اپنے خصوصی کمرے میں لے گیا۔ جنرل مہدے نے صبح سے اب تک جو اعصابی جنگ اپنے آپ سے لڑی تھی اس کے بعد وہ خود کو خاصا تھکا ہوا محسوس کر رہا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ روسی جرنیل سے صبح ہی مذاکرات کئے جائیں۔ یہی سوچ کر جب ایک موقع پر روسی جنرل نے اصل معاملے کی طرف آنا چاہا تو اس نے کہا۔

"جنرل میرے خیال سے اب آپ آرام کیجئے ہم صبح بات کریں گے۔"

ابھی تک روسی جنرل نے بیٹھنے کا تکلف بھی نہ کیا تھا۔ اس کا جواب مہدے کے لئے خاصا خلاف توقع تھا۔

"جنرل اپنے بزنس میں دن رات کوئی معنی نہیں رکھتے۔ آپ پہلے مطلب کی بات کریں۔"

اس نے ایک آرام دو کر ہی پر جو جنرل مہدے کی میز کے سامنے رکھی تھی بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کم آن جنرل۔"

مہدے نے مجھے تھکے لہجے میں اسے جواب دیا۔ پھر اس نے فون پر سیکرٹری کو کافی لانے کی ہدایت کی۔ اسے بادل خواستہ جنرل ترکیف کی بات ماننا پڑی کیونکہ ہدایات جو اسے فارن آفس سے ملی تھیں۔ گو کہ غیر مبہم تھیں لیکن خاصی سخت.....

جنرل ترکیت نے اپنی کافی Capture and PDF by: Qamar Abbas میر پر رکھ لیا تھا۔ جیسے ہی کافی کی تیاری کی اطلاع ملی جنرل مہرہ خود اسٹھ کر باہر آ گیا۔ پھر وہ ایک ٹرے میں کافی کے دو گدگدے اندر آ گیا۔

☆ ☆ http://kitaabghar.com

چند منٹ کے بعد وہ دونوں ایک فائل پر جھکے ہوئے تھے۔

”یہ ہے وہ شخص اور ہماری اطلاعات کے مطابق یہ اس وقت اسی علاقہ میں ہے۔ ہنزہ کے نزدیک ”خلد آباد“ یا ”چالت“ دونوں میں سے کسی ایک جگہ موجود ہے۔ عموماً یہ جلال آباد میں ملتا ہے اور باغیوں کے طاقتور گروپ کی عملاً کمان اسی کے ہاتھوں میں ہے۔ اس کے خاتمے میں افغان باغیوں کا ایک مضبوط گروپ اپنی موت آپ مر جائے گا اور یہ کام تمہارے آدمیوں نے کرنا ہے۔“

جنرل ترکیت نے فائل پر سے نظریں اٹھا کر جنرل مہرہ کی طرف دیکھا۔ جو ابھی تک اسی کے خدوخال میں کھویا ہوا تھا۔ ایک ۲۵ سالہ بھرپور اور نوجوان پٹھان جس کے گلے میں دو درمیں لگی ہوئی تھی اور ایک ہاتھ میں کلاشنوف رکھتا تھا۔ اس کے سر پر پٹھانوں والی ٹوپی بھی نظر آ رہی تھی۔

CapTrue 1.1 جنرل مہرہ نے پوچھا۔

”فیضان..... فیضان اوغلو..... لیکن یہ بھی یقینی نہیں۔ زیادہ تر وہ یہ نام استعمال کرتا ہے۔“ ایک لمبے کے لئے رک کر اس نے مہرہ کی آنکھوں میں جھانکا۔ ”اس سلسلے میں تمہیں ہر قسم کی مدد مل جائے گی۔ ہماری تحقیقات کے مطابق جلال آباد اور کابل میں مقیم انڈین ہندو جو خاصی تعداد میں آباد ہیں اس کام کے لئے مناسب ہیں۔ میں تمہیں یہ بات بھی بتا دوں کہ اس سے پہلے ہم نے دس کمانڈوز کا ایک گروپ جس کی قیادت ایک افغانی میجر کر رہا تھا اس کے تعاقب میں روانہ کیا تھا۔ باقی افراد تمام کے تمام کے۔ جی بی کے تربیت یافتہ تھے لیکن حیرت ہے کہ ہمیں آج تک ان میں سے نہ تو کسی کی لاش دستیاب ہو سکی ہے اور نہ ہی ان کا کوئی پیغام مل سکا۔ حالانکہ وہ جدید ہتھیاروں سے لیس تھے۔ جی۔ آر۔ یو کے تربیت یافتہ اور اپنے متعلق کسی بھی قسم کی اطلاع دینے پر اچھی طرح قادر نہ جانے ان کو زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔“

روبی جنرل نے سکارا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا۔

”اس سلسلے میں اب تمہارے ذہن میں کون سا منصوبہ ہے؟“ جنرل مہرہ نے سگریٹ کی ایش ٹرے میں جھماڑے ہوئے پوچھا۔

”وجہ کے سے حملہ! ہمارے آدمی اس کے مسلسل تعاقب میں ہیں۔ لیکن ابھی تک سوائے اس کی ایک کمزوری کے اور کوئی اہم بات ہمارے علم میں نہیں آ سکی۔“

”وہ کیا؟“ مہرہ نے خاصی بے چینی دکھائی۔

”وہ اپنے ساتھیوں سے ملنے ضرور جلال آباد، کابل وغیرہ جاتا ہے۔ شہروں میں اکثر آپریشن وہی ترتیب دیتا ہے۔ یہ شخص ماسکو کا تعلیم یافتہ ہے۔ لیکن جدید تہذیب سے بالکل کورا۔“



میں اسے دیکھوں گا جزل۔“  
 Capture and PDF by: Qamar Abbas  
 مہر نے گفتگو سمیٹتے ہوئے کہا۔

”میرا خیال ہے اس مشن کی اہمیت سے تم بخوبی آگاہ ہو گے۔ سوائے تمہارے پرانے مشنر کے اور کسی کے علم میں کچھ نہیں آتا چاہئے۔“  
 جزل ترغیف کا لہجہ کچھ اس قسم کا تھا جیسے وہ کسی محکوم سے گفتگو کر رہا ہو۔

”مجھے اپنے فرائض کا بخوبی علم ہے جزل۔ اور ہمارے اپنے بھی کچھ اصول ہیں جن کے لئے ہم مشوروں کے محتاج نہیں۔“

جزل مہر نے بظاہر یہ بات مسکراتے ہوئے کہی تھی۔ لیکن اس کے لہجے کی تقنی کے۔ جی۔ بی کے نمائندے نے بھی محسوس کر لی تھی۔

”او کے جزل لڈک۔ اب ہم کامیابی کا جشن اکٹھے ہی منائیں گے۔ مجھے اسی وقت واپس جانا ہے۔“ جزل ترغیف کے چہرے پر

مارا نہ مسکراہٹ بخوبی دیکھی جاسکتی تھی۔

☆☆

تھوڑی دیر کے بعد ہی وہ اپنے جیٹ کی طرف واپس جا رہا تھا بظاہر ٹونک کی شکل دی گئی تھی لیکن وہ روسی فضا کے خطرناک جیٹ خیار تھا جس 1.1 CapTrue کیا کو کوئی اطلاع نہیں تھی۔ اس اہم علیارے کے متعلق تمام معلومات خفیہ رکھی گئی تھی اور اس کو صرف کے جی بی ہی استعمال میں لاتی تھی۔ ابھی تک ریڈ آری کو بھی یہ علیارے نہیں دیئے گئے تھے۔

کرل سارگ ایک مرتبہ پھر اس کو ہوائی اڈے پر چھوڑنے آیا تھا۔ اس وقت صبح کے تین بج رہے تھے اور وہ ساری رات دوسرے کمرے میں بیٹھا اونگھتا رہا تھا۔ ان لوگوں نے ”خصوصی ہدایات“ پر بڑے زبردست ڈچلن کا مظاہرہ کیا تھا کرل سارگ کی ڈیوٹی ہی یہی لگائی گئی تھی کہ وہ انڈین ایئر فورس کے کسی بھی کارکن کو اس علیارے کے نزدیک نہ پھڑکنے دے۔ اسے اس ”بیہودہ ڈیوٹی“ پر غصہ تو بہت آیا تھا کیونکہ یہ کام تو معمولی سپاہی بھی کر سکتے تھے جو کام اس سے بھارتی انٹیلی جنس نے لیا تھا لیکن جلد ہی اسے احساس ہو گیا تھا کہ معاملہ واقعی خاصا اہم اور حساس ہے۔

چندوں کا شمار کابل کے متحمل لوگوں میں ہوتا تھا۔ تقسیم سے پہلے اس کا کاروبار پشاور سے کابل تک پھیلا ہوا تھا لیکن تقسیم کے بعد وہ سٹ کر جلال آباد تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ اسے انڈیا میں بھی خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ کیونکہ تقسیم کے فوراً بعد ہی اس کو انٹیلی جنس نے اپنا آلہ کار بنالیا تھا۔ چندوں کو حقیقت میں بھارتی انٹیلی جنس کی بنیاد کابل میں رکھنے کا اعزاز حاصل تھا۔

اس کی جہانم دیدہ آنکھیں دیکھ رہی تھیں کہ سرحدی گاندھی کے ناپاک عزائم کا منہ کالا ہونے کے باوجود ابھی تک سرحد کے دونوں اطراف درغلے گئے پٹھانوں کے کچھ ایسے گروہ موجود ہیں جن کی مدد سے وہ اپنی قوم کے ان مذموم مقاصد کو بروئے کار لا سکتا تھا جس کی حسرت ہی دل میں لے کر لاگ رہیں کے بڑے بڑے لیڈر ”کال چلنا“ کر گئے تھے۔

ایک ہندو ہونے کے ناطے اس کی رگ رگ میں مسلم دشمنی سمائی تھی۔ خصوصاً ہندوستان کی تقسیم نے اسے نظریاتی دھچکائی نہیں خاصا مالی دھچکا بھی لگا یا تھا اب کم از کم وہ پاکستانی علاقے میں اوٹ مار کا بازار گرم نہیں کر سکتا تھا۔

اس نے پاکستان کے قیام کو دوسرے بھائیوں کی طرح اپنی انا کا مسئلہ ہی نہیں سمجھا اور بھارتی اٹلی جنس کے تعاون سے اب اپنے انتقام کی آگ شعلہ کی کر رہا تھا۔ وہ بوڑھا ہو چکا تھا لیکن ابھی تک اس میں بوڑھوں والی کوئی بات نظر نہیں آتی تھی۔

کابل میں آنے والا کوئی بھی انڈین سفیر سب سے پہلے اس سے ملاقات کرتا تھا۔ اس کی دہلی میں بے شمار جائیداد تھی اور اپنے دو لڑکوں اور ایک لڑکی کو اس نے وہیں رکھا ہوا تھا۔ کابل میں اس کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں اور موجود تھے خود لالہ چندل کبھی افغانستان میں رہتا اور کبھی دہلی میں۔ اس کی کابل میں جلال آباد کے علاوہ افغانستان کے تقریباً سارے ہی بڑے بڑے شہروں میں آڑھت کی دکانیں تھیں جبکہ اس کے لڑکوں نے یہاں ٹرانسپورٹ کا کام سنبھال رکھا تھا اور ان کے ٹرک کابل سے انڈیا تک آتے جاتے تھے۔ آج کل وہ دہلی آیا ہوا تھا۔ اس روز جیسے ہی صبح لالہ جی مندر سے فارغ ہو کر گھر پہنچے تو ایک اہم اطلاع ان کی منتظر تھی۔ اپنے ”دوست“ کا پیغام موصول ہونے پر فوراً صفدر جنگ روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاں اس کا ”دوست“ کرنل سارنگ اس کا منتظر تھا۔

صفدر جنگ روڈ نئی دہلی کے ان علاقوں میں شامل ہے جہاں زیادہ تر سرکاری دفاتر واقع ہیں یا حکومت کے اعلیٰ عہدے داروں کے شاندار بنگلے یہاں بنے ہوئے ہیں۔ ان دفاتر میں ایک دفتر جس پر بھاروشل ویلفیئر کا بورڈ لگا ہوا تھا اس میں ”را“ کا دفتر قائم تھا۔ انڈین اٹلی جنس کے مختلف پوسٹ اسٹیشن ایب حدہ مان کے تحت کام کر رہے تھے۔ یہاں زیادہ تر وہی لوگ آتے تھے جو ”را“ کے ”ذرائع“ ہوتے تھے، انہیں ”مہمان“ کہا جاتا تھا۔ جن کے ذریعے وہ غیر ممالک میں کام کرتے تھے لیکن کیا مجال کہ ایک ”مہمان“ دوسرے ”مہمان“ کی شکل بھی دیکھ پائے۔



آج جیسے ہی لالہ چندو ویل اپنے اسی مخصوص کمرے میں داخل ہوا جہاں وہ پچھلے بیس سال سے آ جا رہا تھا۔ اس نے پچھلے تین سال ”دوست“ کرنل سارنگ کو بڑی بے چینی سے اپنا منتظر بنایا۔ اس سے پہلے آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ اس نے ”دوست“ کو پہلے ہی سے منتظر پایا ہو۔ اس کی جہاں دیدہ اور مکار آنکھوں نے کرنل سارنگ کا چہرہ دیکھتے ہی معاملے کی سنگینی کا احساس کر لیا تھا۔

معمول کے مطابق کرنل سارنگ نے بڑی گرجبوشی سے اس کا استقبال کیا۔ اس کے لئے چائے منگوائی اور ادھر ادھر کی ہنسنے کے بعد جلد ہی مطلب کی طرف آ گیا۔ اس نے پہلے تو لالہ چندو ویل کو کرید کرید کر جلال آباد، کابل اور گرد و نواح کے تازہ حالات پوچھے پھر وہ لالہ کو اصل موضوع کی طرف لے آیا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب کرنل سارنگ نے اس کے سامنے وہ تصویر رکھی تو لالہ اندر ہی اندر کانپ اٹھا لیکن اس نے اپنی کسی حرکت سے بے چینی یا گھبراہٹ کا اظہار نہیں کیا۔ وہ بہر حال ایک گھما گھا بخت تھا۔

”اسے جانتے ہوا لالہ؟“

لالہ سے بخوبی جانتا تھا۔ فیضان کو کون نہیں جانتا تھا لیکن وہ انجان بنا رہا۔

”نہیں مہاراج لیکن صورت کچھ جانی پہچانی لگتی ہے۔“

Capture and PDF by: Qamar Abbas

اس نے اپنی روایتی مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا۔  
 ”بہر حال اسے جاننے کی کوشش کرو۔ لالہ اس شخص کو جتنی جلدی ممکن ہو قتل کر ڈالو۔ یہ بہت ضروری ہے۔ اور ”ماسٹر“ نے اس کا خصوصی حکم دیا ہے۔“

کرنل سارنگ نے اپنی سرد آنکھیں لالہ چندول کے چہرے پر مرکوز کر رکھیں تھیں۔ وہ اس کے چہرے پر اپنی بات کا رد عمل تلاش کر رہا تھا لیکن لالہ جوں کا توں ہی تھا۔ اس نے اپنے چہرے سے گھبراہٹ بالکل نہیں ظاہر ہونے دی۔ کیونکہ وہ اپنے کھیل کے اصول اچھی طرح جانتا تھا۔  
 ”ٹھیک ہے مہاراج۔ پہلے تو یہ پتہ لگنا ہے یہ ہے کون؟“  
 اس نے سارنگ کی تسلی کروادی۔

”جہیں کاہل میں ہمارے ”سرخ دوست“ ملیں گے۔ ان سے مکمل تعاون کرو۔ فی الحال جہیں انہی کے لئے کام کرنا ہے۔“  
 کرنل سارنگ نے اس کو مزید ہدایات دیتے ہوئے کہا۔  
 جب لالہ چندول صندریہ جنگ روڈ سے واپس اپنے گھر ”کنٹ پیلز“ آ رہا تھا تو اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ ایک موٹر سائیکل سوار اس سے سرے سے یہاں تک اس کا پچھا کیا ہے؟ موٹر سائیکل سوار اب دوسری سڑک پر مرز گیا تھا۔ وہ دہلی کے ایک عام سے ہوٹل کی طرف اڑا چلا جا رہا تھا۔

اس نوجوان نے صبح ہی سے اپنی موٹر سائیکل سمیت لالہ چندول سے چپکا ہوا تھا اس کی ایک ایک حرکت نوٹ کر لی تھی۔ اس نے لالہ کو اپنے گھر سے ”سوشل ویلنٹیرز“ کے دفتر تک جاتے اور واپس آتے دیکھا تھا اور اس دفتر کے متعلق وہ کسی خوش فہمی کا شکار نہیں تھا.....!

☆☆

دوست آور خان بائیس سالہ نوجوان تھا اور اس سے پہلے بھی متعدد بار وہ اٹلیا آ چکا تھا۔ اس کا والد فروٹ کا کاروبار کرتا تھا۔ اس نے دوست آور خان کو انٹرمیڈیٹ کرنے کے کچھ عرصہ بعد دہلی کے ایک کالج میں داخلہ دلوا دیا تھا۔ جہاں وہ انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کر رہا تھا۔  
 دوست آور خان کے والد نے کبھی سیاست میں حصہ نہیں لیا تھا، لیکن اس کا بیٹا اس کا ہم خیال نہ ہو سکا۔ جتنا اس کے والد نے دوست آور خان کو مذہب سے دور رکھنا چاہا اتنا ہی وہ مذہب کے نزدیک آ گیا۔ اس کے باپ کی خواہش تھی کہ اس کا بیٹا مغربی تعلیم و تہذیب پانے کے بعد افغانستان کی برسر اقتدار پارٹی میں کوئی اہم مقام حاصل کرے۔ اس طرح وہ تجارت کے علاوہ سیاست میں بھی اپنی ایک حیثیت منو سکتا تھا۔  
 اس کی جہانم دیدہ نظروں نے دیکھ لیا تھا کہ افغانستان میں ظاہر شاہ نے روس کو بے انتہا سہولتیں فراہم کر دی تھیں اور روس کے متعلق اس کے بڑے یوزروں نے اسے بتایا تھا کہ وہ امداد کے ساتھ ساتھ ”انقلاب“ بھی ایک سپورٹ کرتا ہے، بلکہ وہ جو بھی امداد دیتا ہے ”انقلاب“ کے لئے دیتا ہے۔ پھر شاہی خاندان میں وہ عنصر آہستہ آہستہ اہم عہدوں پر قبضہ کرتا جا رہا تھا جسے روس کی آ شیر واد حاصل تھی اور ان لوگوں کے نظریات بھی کسی سے ڈھکے چھپے نہیں تھے۔

ایک طرف تو وہ لوگ افغانستان پر چڑھ کر حکومت کرنے کی آڑ میں دھڑا دھڑا کر کے سرحدیں پار کر رہے تھے اور بے حیائی اپورٹ کر رہے تھے اور دوسری طرف ”پنجتوستان“ کے مسئلے کو خواہ مخواہ ہوا دے رہے تھے تاکہ ایک نیا مسئلہ اپنے آقاؤں کے اشارے پر کھڑا کر کے پاکستان کو بھی اس لڑائی کا فریق بنالیں۔

یہی وہ شواہد تھے جن سے دوست آدرخاں کے والد نے مستقبل کا اندازہ لگایا لیا تھا۔ پھر اس کے لگائے ہوئے اندازے کے عین مطابق ایک روز افغانوں نے سنا کہ ظہار شاہ کی موجودگی میں اس کے دست راست نے راتوں رات حکومت کا تختہ الٹ دیا ہے؟ اس کے نظریات کیا ہیں؟ اس کے متعلق کسی بھی با شعور افغانی کو کوئی شک نہیں تھا۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے چند مہینوں کے اندر ہی روس کے ہزاروں فوجی مختلف جہیں بدل کر افغانستان میں چلے آئے۔ پھر تو منصوبوں کا ایک سلسلہ ہی شروع ہو گیا اور ”مشادروں“ کی ایک بڑی فوج افغانستان میں درآئی اور یکے بعد دیگرے تین انقلاب افغانستان کا مقدر بن گئے۔ اس کے ساتھ ہی روس نے ”دوستی کا زبردستی حق“ ادا کرتے ہوئے اپنی ڈیڑھ لاکھ فوج افغانستان میں اتار دی۔

دوست آدرخاں صدر داؤد کے عہد حکومت میں کابل کے ایک کالج میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ جب اس کی ملاقات زور آدرخاں سے ہوئی تھی۔ **CapTrue 1.1** اس کا دل میں عجیب عجیب افواہیں گشت کرتی تھیں لیکن ایک بات جو عام طور پر اس کے متعلق کہی جاتی تھی وہ یہ کہ وہ ملاؤں کا خاص آدمی ہے اور ملا ہمیشہ سے دوست آدرخاں کی کمزوری رہے تھے۔

اس کے لاشعور میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ اس ملک کے نجات دہندہ اگر کوئی ہیں تو یہی ملا ہیں ورنہ تو سرخ عفریت جو اپنا بھیا تک جزا کھولے اس کے وطن کی طرف بڑھتی چلی آ رہی تھی۔ ایک روز وہ وہ ان سب کو ہڑپ کر جائے گی۔ ان دنوں علماء نے غیر اسلامی حکومت کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ کر دیا تھا اور ان کے کئی پنجتوں ساتھی طالب علم علماء کی اس جدوجہد میں ان کا ساتھ دے رہے تھے۔

یہ لوگ عموماً خفیہ ہی اپنا کام کرتے تھے لیکن جب کبھی کسی کے متعلق شک ہو جاتا اور ”پرچی“ یا ”خلفی“ اسے جان لیے تو ایک روز چپ چاپ کالج سے گھر واپس جاتے ہوئے وہ غائب ہو جاتا تھا۔ اور پانچ چھ ماہ بعد اس کی لاش یا گرفتاری کی خبر اس شکل میں ملتی کہ بے اختیار دوست آدرخاں کے منہ سے مرنے والے کے لئے نعرہ تحسین بلند ہو جاتا۔

کالج میں بھی عام شعبہ ہائے زندگی کی طرح دو محتاب گروپ موجود تھے ایک ”روپی گروپ“ اور دوسرا ”ملا گروپ“۔ ”روپی گروپ“ کے اراکین الاعلان دہناتے پھرتے تھے جبکہ ملا گروپ والے اپنا کام انتہائی رازداری سے کرتے۔ ہر طالب علم دوسرے پر شک کرتا تھا کہ مبادا اس کا ساتھی کے جی کی ناک دوست نہ ہو!

اکثر یہ دیکھنے میں آتا تھا کہ اچانک کالج سے گھر جاتے یا گھر سے کالج آتے ”خاد“ کے لوگ کسی نوجوان کو جپ میں بٹھا کر لے جاتے اور پھر مدتوں اس کے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملتی تھی۔

دوست آدرخاں زور آدرخاں کی ملاقات پہلے پہل کابل کے ایک ریستوران میں ہوئی تھی۔ اسے زور آدرخاں پر اعتماد بحال کرنے میں کئی ماہ لگ



Capture and PDF by Qamar Abbas

گئے تھے۔ تب کہیں جا کر وہ اس قابل ہوا تھا کہ مجاہدین سے اس کا رابطہ قائم ہو گیا۔ اس کو مجاہدین نے جا سوسی کے لئے منتخب کر لیا تھا اور دوست آدمی کی تربیت کا بل ہی کے ایک خفیہ ٹھکانے پر کی گئی تھی جلد ہی وہ پیغام وصول کرنے اور بھیجنے پر قدرت حاصل کر چکا تھا۔ ان لوگوں کا کوئی باقاعدہ نظام تو تھا نہیں نہ ہی ان کے پاس جدید جا سوسی آلات تھے۔ وہ اکثر زبانی پیغامات یا بذریعہ خط و کتابت اپنی مخصوص زبان میں اپنے پیغامات بھیجا کرتے تھے۔

دوست آدمی اور خاں یوں تو ہر سال چھٹیاں گزارنے اپنے والد کے پاس بھارت چلا جایا کرتا تھا لیکن اس مرتبہ وہ ایک خاص مشن پر آیا تھا۔ ابھی تک اس کے دوست اور دیگر حلقے اسے ”ترقی پسند“ اور ”ملازم“ کا مخالف ہی سمجھتے تھے۔ اور اس نے بھی یہ نقاب اوڑھے رکھے ہیں ابھی مصلحت جانی تھی۔

لالہ چندرل کے متعلق مجاہدین کبھی غلط فہمی کا شکار نہیں رہے تھے۔ لیکن اس مرتبہ اس کی اچانک بھارت روانگی کو خصوصی شک کی نگاہ سے دیکھا گیا تھا۔ دہلی کا ایک معمولی سا ہوٹل جہاں افغان مہاجرین پناہ گزین تھے.....

اصل میں مجاہدین کا ایک خفیہ اڈہ تھا، لیکن کے جی بی اور ”را“ کے ایجنٹ بھی انہیں میں موجود تھے۔ جو مجاہدین کے ہمدرد ہونے کا بھیس بدل کر یہاں یا آپریشن کے دوست آدمی کو خصوصی ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اس ہوٹل کے قریب بھی نہ پھسکے۔ وہ دہلی کے ایک شاندار ہوٹل میں قیام پذیر تھا۔ یہ ہوٹل اس کے لئے نیا نہیں تھا۔ وہ اس ہوٹل کے عملے کے لئے ابھی نہ تھا کیونکہ وہ ہر سال ان کا مہمان ہوتا تھا۔

اس کے والد کے درجنوں ہندو سکھ دوست اس کی میزبانی کو عزت افزائی جانتے تھے..... یہ الگ بات کہ اپنے لاشعور میں ان کے خلاف چھپی ہوئی نفرت کو وہ کبھی نہ نکال سکا اور وہ علیحدہ قیام ہی بہتر سمجھتا تھا۔ پٹناؤں کی روایتی اسلام پسندی کا علم تو ہندو تاجروں کو بھی تھا۔ اس لئے انہوں نے کبھی شراب و شباب کی محفلوں میں اس کی شمولیت پر ضد نہ کی تھی..... اور ایک دو مرتبہ اسے دعوت دے کر اب چپکے ہو رہے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ پٹھان بچہ لاکھ ترقی پسند ہونے کے باوجود خرپٹھان ہی ہے۔

اس مرتبہ بھی اس کے والد کے ایک سکھ دوست نے اسے موٹر سائیکل دے رکھی تھی۔ جس پر وہ سارا دن گھومتا رہتا۔ بادی النظر میں یہی سمجھا جاتا تھا کہ وہ صرف دہلی کی سیر کر رہا ہے لیکن وہ کیا کر رہا تھا؟ اس کا علم اسے تھا یا خدا کی ذات کو۔ مجاہدین کے مقامی نمائندے کو بھی اس کے مشن کی نوعیت سے بے خبر کر رکھا گیا تھا۔

اسے صرف یہ بتایا گیا تھا کہ دہلی کے ایک مقامی ہوٹل کے باہر روڑ گزریا رہا اور بارہ بجے کے درمیان ایک شخص کھڑا ہوگا جس سے مخصوص کوڈ کے تبادلے کے بعد اس کو اپنی معلومات ”نو وارڈ“ کے حوالے کر دینا ہے اور آج چیسے ہی وہ اس شخص جگہ پر پہنچا ایک افغانی کو اس نے وہاں موجود پایا جو ایک دکان کے باہر چھپی بیچ پر بیٹھا اخبار کا مطالعہ کر رہا تھا۔ دوست آدمی ایک مخصوص انگریزی اخبار خرید کر اس کے پاس جا بیٹھا۔ چند سیکنڈ میں ہی ان کی شناخت کا مسئلہ طے ہو چکا تھا۔

شناخت کے بعد دونوں ایک ہو گئے اور تین بجے ایک فلم شو پر دہلی کے ایک سینما میں وہ دونوں اکٹھے ہی داخل ہوئے۔ فلم کوئی خاص نہیں



تھی اور گیلری میں ان کے علاوہ صرف پانچ دس ٹولے ہی سہرا رہے تھے چند مہنت کے اندر ہی دوست اور کی جمع کردہ لالہ چندول سے متعلق معلومات اس افغانی تک منتقل ہو چکی تھی اور ہاف ٹائم سے پہلے ہی وہ وہاں سے جا چکا تھا۔ دوست آور نے اس کی ہدایات کے مطابق پوری فلم کو بادل خواست برداشت کیا اور شام کو وہ خاصا مطمئن اپنے ہوٹل کے کمرے میں موجود تھا۔

اس کو ”مرکز“ سے لالہ چندول کی سرگرمیوں میں کڑی نظر رکھنے کی ہدایت دی گئی تھیں اور اس نے یہ فرض بڑے احسن طریقے سے نبھایا تھا۔

اس کے ملاقاتی نے دوسرے ہی روز صبح کاہل میں اپنے ایک ”دوست“ کے لئے ایک ٹیلیفون بک کروایا اور اسے اپنی خفیہ زبان میں لالہ چندول کی دہلی میں سرگرمیوں سے مطلع کر کے مطمئن ہو رہا۔



CapTrue 1.1

## کتاب گھر کا پیغام

ادارہ کتاب گھر اردو زبان کی ترقی و ترویج، اردو مصنفین کی موثر پہچان، اور اردو قارئین کے لیے بہترین اور دلچسپ کتب فراہم کرنے کے لیے کام کر رہا ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں تو اس میں حصہ لیجئے۔ ہمیں آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔ کتاب گھر کو مدد دینے کے لیے آپ:

۱۔ <http://kitaabghar.com> کا نام اپنے دوست احباب تک پہنچائیے۔

۲۔ اگر آپ کے پاس کسی اچھے ناول / کتاب کی کمپوزنگ (ان پیج فائل) موجود ہے تو اسے دوسروں سے شیئر کرنے کے لیے کتاب گھر کو دیجئے۔

۳۔ کتاب گھر پر لگائے گئے اشتہارات کے ذریعے ہمارے سپانسرز کو وزٹ کریں۔ ایک دن میں آپ کی صرف ایک وزٹ ہماری مدد کے لیے کافی ہے۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

## گرفت

لالہ چند و مل چند نوں کے بعد ہی ایئر انڈیا کے ایک طیارے میں کابل کی طرف اڑا چلا جا رہا تھا۔ اس نے فیضان کی موت سے متعلق اپنے ذہن میں کئی منصوبے ترتیب دیئے تھے لیکن نہانے کیوں ایک بے کلی سی اسے لگی رہی۔ ایئر انڈیا کے طیارے نے جیسے ہی کابل پر لینڈ کیا روپی افواج کے مستعد دستے نے ایئر پورٹ کو گھیرے میں لے لیا۔

رات کا وقت تو ایسے ہی خطرناک تھا خاص طور پر پچھلے تین چار روز سے تو مجاہدین ایئر پورٹ اور اس کے ارد گرد کے علاقے پر مسلسل حملے کر رہے تھے۔ ہوائی اڈے کا کنٹرول بھی فوج نے ہی سنبھال رکھا تھا اور جہاز کی آمد و رفت کے موقع پر خاص طور سے وہ ہشیار رہا کرتے تھے..... جہاز کے مسافروں کی لسٹ "انفارمیشن ڈیپارٹمنٹ" میں موجود تھی۔ ایک کلرک نے ٹائپ کرتے کرتے لالہ چند و مل کا نام پڑھا تو مسکرا 1.1 CapTrue تھی۔ اس نے اطمینان سے تمام لسٹ ٹائپ کی اور متعلقہ افسر کو پہنچا کر خود ایئر پورٹ کی کینٹین پر چائے پینے چلا گیا۔ افغان حملہ جہاں کہیں بھی کام کرتا تھا۔ اس کی ٹیلیفون "کالیں" خاص طور پر ٹیپ کی جاتی تھیں لیکن کینٹین میں لگے پرائیویٹ فون کال کے متعلق کلرک کو یقین تھا کہ اگر وہاں سے کوئی پیغام دیا بھی تو وہ محفوظ رہے گا۔ چائے پیتے پیتے اس نے اٹھ کر بوتھ میں سکھڑا، ایک نمبر ملایا۔

"رات کو دس بجے میں آؤں گا۔"

اس نے مختصر پیغام دے کر فون بند کر دیا تھا۔ اس کی توقع کے برعکس پیغام ٹیپ ہو چکا تھا لیکن کسی کو اس کا مطلب سمجھ میں نہ آ سکا نہ ہی فون کرنے والے کا پتہ لگانے کی اس نمبر کا جس پر فون ہوا تھا اور نہ ہی یہ اتنا اہم پیغام تھا کہ وہ اس پر مغز ماری کرتے۔ ایک مختصر پیغام ہی تو تھا کسی کو اپنی آمد کی اطلاع دی گئی۔ کے جی بی کے ٹی ٹی ایکسپریٹ نے "بے ضرر" لکھ کر فائل آگے بڑھا دی۔

لالہ چند و مل کو لینے کے لئے افغان فوج کی ایک جیپ وہاں موجود تھی جس میں روپی فوجی سوار تھے۔ وہ بغیر کچھ کہے سنے چپ چاپ جیپ میں بیٹھ گیا۔ جیپ جیسے ہی روانہ ہوئی اس کے ساتھ بیٹھے افسر نے اپنا تعارف کرایا۔

یہ کے جی بی کا مقامی افسر تھا لیکن لالہ چند و مل نے اتنی صاف اور شستہ مقامی زبان بولتے آج تک کسی غیر ملکی کو نہ سنا تھا۔ "لالہ جی ہماری اطلاع کے مطابق فیضان جلال آباد میں موجود ہے۔ صبح تک تم جلال آباد پہنچ جاؤ گے۔ جلال آباد کی غلہ منڈی میں اس کی آمد و رفت کی اطلاعات اکسٹرنل رتی ہیں اگر تم کو کشش کرو تو مقامی آدمیوں کی مدد سے اسے ٹھکانے لگانا کچھ مشکل نہیں۔

ہمارے مسلح آدمی سفید کپڑوں میں تمہاری حفاظت کر رہے ہیں۔ ہمارے لئے بڑا مسئلہ ہے۔ جلال آباد کی مقامی آبادی کو کنٹرول

کرنا۔ اس پر چھپ کر ہی حملہ ہو سکتا ہے۔ اگر گھر بار اور اس پر حملہ کیا تو جلال آباد کے حالات کتنا ہی بے ڈھنگے بن جائیں گے۔

اس نے تھوڑے توقف کے بعد لالہ کو مخاطب کیا۔ ”میں تم سے کوئی بات چھپانا نہیں چاہتا تم ان لوگوں کو اچھی طرح جانتے ہو۔ ہمیں روزانہ اپنے ساتھیوں کی چار پانچ لاشیں وہاں سے موصول ہوتی رہتی ہیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ جلال آباد کے شہریوں کی تلاشی بھی نہیں لی جاسکتی صرف خفیہ کارروائی کے ذریعے ہی ہم کچھ کر سکتے ہیں اگر وہاں براہ راست حملہ کیا گیا تو ہر گھر مورچہ بن جائے گا۔ تمہاری اصلیت کا علم ابھی کسی کو نہیں۔ اس لئے ہماری بہت سی امیدیں تم سے وابستہ ہیں۔ کام ایسے طریقے سے ہونا چاہئے کہ کسی کو کانوں کان پتہ نہ چل سکے۔“

”ایسا ہی ہوگا جناب۔ ایسا ہی ہوگا۔“

لالہ چندول کے منہ سے ہلکے سی بات نکلی تھی۔ وہ دل ہی دل میں یہ سوچ کر لرز کر رہ گیا کہ جب روسی اور افغانی مل کر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکے تو بے چارہ چندول کس گنتی میں ہے۔ کہیں وہ قربانی کو بکرا تو نہیں بن رہا۔

<http://www.kitaabghar.com>

کابل کے ایک ہوٹل سے کچھ فاصلہ پر انہوں نے لالہ چندول کو اتار دیا۔ رات اس نے کابل میں قیام کرنا تھا۔



### CapTrue 1.1

یہاں دوسرا باب آج جلال آباد کے شہریوں کے لئے انجمنی نہیں رہا تھا۔ اسے یہاں مجاہدین کے ایک طرح سے مقامی کمانڈر کی حیثیت حاصل تھی اور اس کا نام جلال آباد کے بچے بچے کو اذرتھا۔ اس کے ساتھی شہباز کی طرح چھپتے تھے اور پل بھر میں روسی اور پشتو افغان فوج کے کسی بھی حتمی سیکشن پر گھات لگا کر غائب ہو جاتے۔ ایسے ہر مشن پر شمشیر خان اس کے شانہ بشانہ موجود رہتا تھا۔

دوست اور کی پہلی اطلاع نے ہی فیضان کو چونکا دیا تھا۔ لالہ چندول پر اکثر مجاہدین شک تو کرتے تھے لیکن آج اس بات کا ثبوت بھی مل گیا تھا۔ فیضان کے لئے کابل میں چندول کو موت کے گھاٹ اتار دینا کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ ان کے ایئر پورٹ والے ساتھی کی اطلاع موصول ہوتے ہی کابل میں مجاہدین حرکت میں آ چکے تھے لیکن عین اس وقت جب وہ ہوٹل کو اپنے گھیرے میں لئے آ گئے بڑھ رہے تھے انہیں رک جانا پڑا۔ جلال آباد سے ہنگامی حکم موصول ہوا تھا کہ لالہ چندول کو بالکل نہ چھیڑا جائے۔

صبح اٹھ کر لالہ ایک پرائیویٹ بس کے ذریعے جلال آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔ سارو بی کے نزدیک جیسے ہی بس ایک دونوں اطراف سے پہاڑیوں میں گھری سڑک میں داخل ہوئی۔ ڈرائیور کو اچانک بریک لگا کر بس روکنا پڑی۔ سامنے راستہ بند تھا۔ بس رکتے ہی مجاہدین کے ایک دستے نے اسے چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ انہوں نے کسی سواری کو کچھ نہ کہا صرف وہ خوف سے سہمے ہوئے چندول کو اپنے کندھوں پر ڈال کر انہی پہاڑیوں میں روپوش ہو گئے۔ جانے سے پہلے انہوں نے بس میں سوار افغانی مسافروں سے درخواست کی کہ وہ اس واقعہ کی اطلاع حکام کو نہ دیں۔

انہیں یقین تھا کہ فیور افغانوں نے جو انہیں دیکھتے ہی خوشی سے نعرہ لگانے لگے تھے۔ ان کی یہ بات مان لی ہوگی۔ لالہ چندول کے تو وہاں دنگان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ اس طرح اچانک وہ کچھ کرنے سے پہلے ہی ”گمناہ بے لذت“ کی بحیثیت چڑھ جائے گا۔ وہ بچہ نہیں تھا جو یہ نہ

سمجھ پاتا کہ اس کو کس "جرم" میں اغوا کیا جا رہا ہے۔ Capture and PDF by: Qamar Abbas میں اغوا کی گئی لوگوں کا کوئی "ہمدرد" موجود ہوگا۔ جس نے انہیں تمام اطلاعات پہنچائی ہیں۔

وہ لوگ لالہ چندل کو اپنے خفیہ ٹھکانے پر لے آئے اور یہ اطلاع لالہ پریم بن کر پہنچی کہ دہلی میں اس کے "را" کے دفتر جانے کی اطلاع ان لوگوں کو ہو چکی ہے۔ فیضان اور شیر خان اس کی تفتیش کر رہے تھے۔ ان کی معلومات لالہ کے لیے پریشان کن تھیں۔ اس نے آئیں بائیں شاخیں کرنے کی پوری کوشش کی لیکن ان لوگوں کے سامنے کوئی پیش نہ گئی اور لالہ بچ بولنے پر مجبور ہو گیا۔

دو گھنٹے کے اندر ہی اس نے مکمل ہتھیار بھینک دیئے تھے۔ اس نے پچھلے گناہوں کے علاوہ اپنے موجود منصوبے کا بھی اقرار کر لیا تھا۔ مجاہدین کے علم میں وہ پناہ گاہ بھی آچکی تھی جہاں سے بوقت ضرورت لالہ چندل نے مدد حاصل کرنا تھی۔ لالہ کو مجلس شوریٰ کو سوئپ کر وہ لوگ تیزی سے جلال آباد کی طرف بڑھنے کی تیاری کرنے لگے۔

☆☆

تھوڑی دیر بعد ہی ایک پہاڑی کی اوٹ میں چھپے روی فوج کے ٹرک پر افغان فوج کی وردیاں پہننے پندرہ مجاہدین شمشیر خان کی کمان میں جلال آباد پہنچے۔ ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ اس نے سنبھال رکھی تھی وہ ایک اعلیٰ روی افسر نظر آ رہا تھا۔ "راستے میں جہاں کہیں بھی ان کا ٹکراؤ کسی فوجی کنوائے سے ہوا۔ وہ لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھے بغیر چپ چاپ آگے نکل جاتے۔ ہر فوجی سہا سہا اور خوفزدہ نظر آ رہا تھا۔ افغان فوجی تو خاص طور سے ایک دوسرے سے شرمندہ شرمندہ سے دکھائی دیتے تھے اور ایک دوسرے سے نظریں ملانے بغیر ہی آگے بڑھ جاتے تھے!

رات کے دس بجے کا عالم تھا جب جلال آباد کے ایک تھانے کے قریب ایک فوجی ٹرک آکھڑا ہوا۔ وہ لوگ تھانے سے کچھ فاصلے پر ہی اترے تھے اور اب پیدل اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس تھانے میں کے جی بی کے تربیت یافتہ ایجنٹوں کا ایک مستعد دستہ کسی بھی فوری اطلاع پر کارروائی کے لئے تیار بیٹھا تھا۔

وہ لوگ تھانے کی عمارت کے صحن میں مختلف گروپوں میں کھڑے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ جب اچانک ان پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ ابھی ان کو یہ سمجھ ہی نہ آیا تھا کہ فائرنگ آسمان سے ہو رہی ہے یا زمین سے جب ان کے آدھے سے زیادہ ساتھی مارے گئے۔ اس سے پہلے باقی سنبھل کر پوزیشن سنبھالتے تھانے کی عمارت اچانک بھک سے اڑ گئی۔

صبح دس بجے ڈاک سے ایک لفافہ جلال آباد کی فوجی چھاؤنی میں مقیم روی افواج کے کمانڈر کے نام موصول ہوا۔ کرنل میخائیل بظاہر تو ایک فوجی مشیر کی حیثیت سے یہاں مقیم تھا لیکن حقیقت میں وہ کے جی بی کا مقامی کنٹرول کمانڈر تھا۔ لفافہ حقیق کے تمام مراحل سے گزر کر پانچ منٹ کے بعد اس کی میز پر اس کے سامنے موجود تھا۔ اس نے بے چینی سے لفافہ کھولا۔ جس میں سے ایک مختصر تحریر برآمد ہوئی۔

"سنگ روس ایس افغانیان غیور راست، چکیو سلاو کیہ نیست۔"



Capture and PDF by: Qamar Abbas

کمانڈر فیضان اوٹلو۔

☆☆

لالہ کی موت جہاں بھارتی اٹلی جنس کے لئے بہت بڑا المیہ تھی، اسی طرح فیضان اوٹلو کا اس مرتبہ پھر بھٹنے سے نکل جانا کے جی کیلئے کوئی معمولی سانحہ نہیں تھا!!

وہ لوگ اس مرتبہ تو پکرا کر ہی رہ گئے تھے۔

ہاسکو کے انتہائی شمال مغرب میں ایک پراسرار اور بہت قدیم عمارت کے ایک کمرے میں آدھی رات کے بعد بھی روشنیاں جاگ رہی تھیں۔ ایک بڑی میز کے گرد گرد کے جی بی کے چار اعلیٰ افسران میز پر غائلیں پھیلائے بیٹھے تھے..... چاروں کے اعصاب کھنچے اور مٹنے ہوئے نظر آتے تھے اور صاف دکھائی دے رہا تھا کہ سب لوگ ایک دوسرے کے لئے اپنے دلوں میں بجز نفرت اور کچھ نہیں رکھتے! پھر چاروں میں سے ایک جوان میں شیئر تھا اور جس کی وردی کے کندھوں پر چمکتے شارژ کی قطار اس کے جرنیل ہونے کی جھلکی دکھائی تھی۔ خوشی آنکھوں سے ان سب کو گھورنے لگا۔ یہ ”جی آر جی“ کی اس شاخ کا افسر اعلیٰ تھا جو افغانستان میں سکیورٹی کے معاملات کی نگرانی کر رہی تھی۔

CapTrue 1.1

”تم سب گدھے ہو.....!“

اس نے کمرے ہو کر اچانک جذباتی انداز سے چیخنے ہوئے ان تینوں کے لئے اپنا فیصلہ صادر کیا۔

”کامریڈ جرنیل..... ایک نے کچھ کہنا چاہا۔

”شٹ اپ..... وہ چلایا.....“ کل کالونڈ اتم لوگوں سے قابو نہیں آ رہا..... لعنت ہے تم پر.....“

غصے میں وہ اتنی زور سے دھاڑا کہ اس کے گلے کی رگیں پھولنے لگیں اور اس سے پہلے کہ وہ اگلی کوئی بات کہتا اچانک اس پر کھانسی کا دورہ

پڑ گیا۔

”تینوں گدھے“ اپنی جگہ سبے ہوئے بیٹھے تھے.....!

ان کے دلوں میں اس جرنیل کے خلاف نفرت کے انگارے ترپ رہے تھے۔ لیکن چہرے کے تاثرات پر انہوں نے اتنی ہوشیاری سے

قابو پایا ہوا تھا کہ اگر وہ فوجی افسر نہ ہوتے تو دنیا کے بہترین اداکاروں میں ان کا شمار ہوتا۔

کھانسی کے خاتمے پر ”جی آر جی“ کا جزل ولادی میروف ہانپتا ہوا دوبارہ اپنی کرسی پر ڈھیر ہو گیا..... پھر اس نے اپنے سامنے دھرے

بریف کیس میں سے ایک پلاسٹک کی شیشی نکالی اور اس میں سے ایک گولی ہتھیلی پر ڈال کر حلق میں اندر لی۔

اب وہ قدرے پرسکون نظر آ رہا تھا۔

”کرل میٹاکل شلوخوف کو پرسوں میرے پاس رپورٹ کرنے کے لئے پیغام دے دو۔ میں ایسے گدھوں کو ایک منٹ کے لئے بھی



Capture and PDF by: Qamar Abbas

برداشت نہیں کر سکتا..... اور ہاں۔“

اس نے اچانک ہی باری باری تینوں کی آنکھوں میں جھانکا.....

”اب یہ معاملہ سپریم کمانڈر کے پاس پہنچ چکا ہے۔“

تینوں جان سکتے تھے کہ اس بات کا مطلب کیا ہے۔ اب انہیں مکمل خاموشی اختیار کرنا تھی اور یہ بھی بھول جاتا تھا کہ اس سے پہلے انہوں نے کبھی فیضان اوغلو نام کے کسی افغان باغی کا نام بھی سنا ہے۔ یا کہ جی بی نے بھارتی انٹیلی جنس ”را“ کی مدد سے اسے قتل کرنے کے لئے کوئی منصوبہ بھی ترتیب دیا تھا۔

”گٹ آؤٹ“..... وہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے دھاڑا۔

”کامریڈ جنرل“..... تینوں گدھوں نے کھڑے ہو کر ایک ساتھ اسے سیلوٹ کیا۔ اور اپنے اپنے بریف کیس بغل میں دبا کر باہر نکل گئے۔

جنرل ولادی میروف ان کی روانگی کے پیشگی چند منٹ بعد ہی کچھ سوچتا ہوا اس میٹنگ روم سے ملحقہ ایک کمرے میں چلا گیا۔

CapTrue 1.1

اس کمرے والے صوفے پر سہلے ”جی آر یو“ کے آپریشن روم کی حیثیت بھی حاصل تھی۔ ایک سرخ رنگ کے ٹیلی فون پر اس نے مخصوص نمبر ڈائل کیا..... دوسرے ہی لمحے وہ سیکرٹری جنرل سے بات کر رہا تھا.....!!

گفتگو کے خاتمے پر اس کے منہ ہوئے اعصاب پر سکون ہو گئے.....!

اس نے میز کے ایک کونے پر لگی گھنٹی کے پیش بزن پر ہاتھ رکھا..... چند منٹ بعد وہ کافی کی چسکیاں لیتا ہوا اپنے ہاتھ سے ایک خط لکھ رہا تھا۔

یہ خط اگلے روز سفارتی ڈاک میں خصوصی اہتمام کے ساتھ دہلی میں روس کے سفارتخانے میں پہنچ گیا..... اس سفارتخانے کے قریب ایسی فیصد ملازم براہ راست ”جی بی“ کے ایجنٹ تھے اور سفارتی لبادے میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھے۔

ان سفارتی نمائندوں میں ”یوری راگولین“ نام کا ایک تھرڈ سیکرٹری بھی موجود تھا۔ راگولین تھا تو تھرڈ سیکرٹری..... لیکن یہاں فرسٹ سیکرٹری کی حیثیت بھی اس کے سامنے نہ ہونے کے برابر تھی۔ سفارتخانے کا ہر ملازم اس سے خائف رہتا تھا کیونکہ سب ہی لوگ جانتے تھے کہ اصل میں وہ کیا ہے؟

یوری راگولین نے جنرل ولادی میروف کی طرف سے بھیجے ہوئے خط کو صرف ایک مرتبہ پڑھا پھر اپنے سامنے رکھی برقی انجینئری کی نذر کر دیا!

دوسرے روز روسی سفارتخانے کے لوگ ایک منصوبے کے تحت تھرڈ سیکرٹری یوری راگولین کے کان کی تکلیف کی خبر سفارتی حلقوں میں پھیل چکے تھے اگلے ہی روز راگولین اپنے کان کا علاج کروانے کے لئے ایئر انڈیا کی ایک فلائٹ سے ماسکو جا رہا تھا..... دہلی سے ماسکو تک کا سفر اس

نے ”بڑی اذیت“ کے ساتھ طے کیا تھا۔ اس دوران بھارت کے کونین بوجھا تھا۔ وہ اپنی راگوں کاں کی کسی انتہائی پیچیدہ بیماری کا شکار ہو چکا ہے۔

ماسکومیں کی آمد کی اطلاع ملنے کے بمشکل آدھ گھنٹے بعد ہی جنرل ولادی میروف نے اسے خصوصی میٹنگ کے لئے طلب کر لیا۔ دونوں رات کے تک ایک منصوبے پر بحث کرتے رہے۔



تیسرے دن جب یوری راگو لین واپس سفارتخانے پہنچا تو اس کی حالت قدرے سنبھل چکی تھی..... لیکن دوائیوں کا بیگ اس نے جان بوجھ کر اس انداز میں اور اتنی لا پرواہی سے پکڑ رکھا تھا کہ وہ ہر کسی کی نظر میں آ جائے۔

اسے ”کان کی تکلیف“ قدرے پرانی تھی اور مینے میں ایک آدھ مرتبہ اکثر وہ اس کا شکار ہو کر ماسکوا پہنچے ”خصوصی معالج“ کو دکھانے ضرور چلا جایا کرتا تھا۔ ہوائی اڈے پر ”را“ کے خصوصی ایجنٹ نے اس کی نقل حرکت پر کڑی نظر رکھی ہوئی تھی اور وہ روسی سفارت خانے کی کار کے پیچھے ہوائی اڈے سے سفارت خانے تک سائے کی طرح لگا رہا۔

CapTrue 1.1  
مول کی کاروائی“ کی رپورٹ لکھ دی تھی۔



<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

## عشق کا قاف

**عشق کا قاف** سرفراز راہی کے حساس قلم کی تخلیق ہے۔ عشق..... ازل سے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا یہ جذبہ جب اپنے رخ سے حجاب سرکا تا ہے انہو نیاں جنم لیتی ہیں۔ مثالیں تخلیق ہوتی ہیں۔ داستانیں بنتی ہیں۔ ”عشق“ کی اس کہانی میں بھی اسکے یہ تینوں حروف دمک رہے ہیں۔ ”عشق کا قاف“ میں آپ کو عشق کے عین، شین اور قاف سے آشنا کرانے کے لئے سرفراز راہی نے اپنی راتوں کا دامن جن آنسوؤں سے بھگیا ہے۔ اپنے احساس کے جس الاؤ میں پل پل جلتے ہیں ان انگارہ لہجوں اور شہنم گزریوں کی داستان لکھنے کے لئے خون جگر میں موئے بیان کیسے ڈبویا ہے آپ بھی اس سے واقف ہو جائیے کہ یہی عشق کے قاف کی سب سے بڑی دین ہے۔ **عشق کا قاف** کتاب گھر پر دستیاب۔ جسے **ناول** سیکشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

Capture and PDF by: Qamar Abbas

## نیا شکاری

ٹھاکر کریش نے کلکتہ کے گنجان آباد علاقے میں موجود پرانے زمانے کی چار منزلہ عمارت کا دوبارہ تہذیبی نظروں سے جائزہ لیا پھر مطمئن ہو کر سر بلاتا ہوا اس کی بوسیدہ میزیں چاٹنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد ہی وہ ایک کمرے کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

”کون ہے بے؟“

کسی نے اندر سے گالی دیتے ہوئے دریافت کیا۔

”ٹھاکر..... تیرا باپ“۔ ٹھاکر کریش نے بھی کلکتہ کی مخصوص زبان میں اسے مخاطب کیا۔

CapTrue 1.1 آواز آئی اور کسی نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔

دروازہ کھولنے والے کے جسم پر ایک دھوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ بھی شاید اس نے جنگی حالات کے پیش نظر ہی باندھ لی تھی۔

کمرہ بڑا بھیا یک منظر پیش کر رہا تھا۔

ایک کونے میں چھوٹی سی میز پر چائے کی پیالیاں اور کچھ کتابیں رکھی تھیں اور دوسری طرف ایک ڈسٹلی سی چار پائی پر درمیانی عمر کی ایک نیم برہنہ عورت لیٹی ہوئی تھی۔ اس نے ٹھاکر کو دیکھ کر بھی اپنی پوزیشن بدلنے کا کلف نہیں کیا تھا۔ کمرے سے شراب کے بھسوکے اٹھ رہے تھے!

ٹھاکر نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر چہرہ دوسری طرف کیا۔ اس نے دوسری مرتبہ اس عورت کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہیں کیا تھا۔

”جیل تو.....“ اندر موجود دھوئی والے نے دس کا نوٹ دیوار میں لٹکی ایک لمبی کیل پر جمولتے ہوئے پرانے سے کوٹ کی ایک جیب سے نکال کر اس پر پھینک دیا۔

عورت کچھ کہے بغیر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ نوٹ اس نے اپنی انگلیاں میں اڑس لیا تھا..... میز پر دھری سگریٹ کی ڈبیا میں سے ایک سگریٹ

نکال کر اس نے وہیں دھری ماچس سے سلگایا اور لمبا کش لگا کر دھوئی والے کی طرف دیکھتے ہوئے ٹھاکر کے لئے بڑا بے ہودہ اشارہ کیا لیکن ٹھاکر نے

آکھد بکرا سے کچھ سمجھایا اور وہ چار پائی کی پانچٹی پر دھرے کپڑے پہن کر وہاں سے نکل گئی۔

”مجھے پانڈے کہتے ہیں۔“ عورت کے جاتے ہی اس نے ٹھاکر کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”بہت خوشی ہوئی تم مل کر کامریڈ پانڈے.....“

ٹھاکر نے بڑی گرجوٹی سے اس سے مصافحہ کیا تھا..... ”میرا نام تو تم جان ہی چکے ہو گے..... اب کام بھی بتا دو۔“

”بیٹو..... پانڈے نے چارپائی Capture and PDF by Qamar Abbas سے کھول کر بیٹھ گیا۔ اس ٹرک میں پرانے کپڑے دھرے تھے اور ایک تیس کی جب سے اس نے ایک تصویر نکال کر رکھا کر کے سامنے رکھ دی!

تصویر پر پہلی نظر پڑتے ہی تھا کہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ آدی نو جوان اور سرخ و پید چہرے کا مالک تھا۔

”کیا نام ہے اس کا؟“

”فیضان..... فیضان اولٹو.....“ جواب ملا۔

”کہاں کا ہے؟“..... اس نے دوبارہ روکھے لہجے میں پوچھا۔

”افغانستان میں کسی جگہ کا۔“

”کک کیا مطلب..... مجھے وہاں جانا ہوگا“.....

تھا کہ کی زبان اچانک ہی لڑکھڑانے لگی تھی۔ اس سے پہلے صرف ایک مرتبہ اسے ایک مشن پر کاہل بھیجا گیا تھا۔ تب بھی اسے اس نوعیت کا مشن سونپا گیا تھا۔ اس نے ایک غیر ملکی سفارت کار کے مقامی ڈرائیور کو قتل کرنا تھا۔ کیونکہ وہ شخص اب کے جی بی کے لئے ناکارہ ہو چکا تھا۔

یہ CapTrue 1.1 میں بہر صورت مکمل کرنا ہے..... اس آدی کو ایک مہینہ کے اندر ختم کرنا ہے۔ یہ حکم ”ریڈ سکواڈ“ سے براہ راست آیا ہے۔ تم بچے نہیں ہو۔ اس کی اہمیت جان گئے ہو گے۔“ پانڈے کی آواز اسے کسی گہرے کنویں سے آتی سنائی دے رہی تھی۔

”ٹھیک ہے.....“ اس نے اپنی انگلیوں میں پھنسا سرایت زمین پر پھینک کر پاؤں سے مسٹے ہوئے کہا۔

پانڈے نے ایک نقشہ اور کچھ مزید تصویریں اس کے سامنے بچھا دیں اور اسے کچھ سمجھانے لگا۔

تھا کہ کاڈ بن پانڈے کے منہ سے نکلنے والے ایک ایک لفظ کو بڑی احتیاط سے حفظ کر رہا تھا۔ اس نے بلا کاڈ بن پایا تھا۔ یہ اس کاڈ بن ہی تھا جس نے اسے آج تحت الشری کی گہرائیوں سے اٹھا کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا تھا۔

اسے تو یہ بھی یاد نہیں تھا کہ اس کا اصلی نام کیا ہے..... اب تک اس نے درجنوں شہریت نام اور ملک بدلے تھے۔ کبھی وہ یورپ میں ہوتا۔ کبھی ایشیا کے کسی ملک میں اور کبھی مشرق وسطیٰ میں۔

اس کی ماں تو تھا کہ کو جنم دے کر کسی آشرم کے سامنے پھینک کر چلی گئی تھی۔ جانے کس نے خدا ترسی کر کے اسے اٹھالیا۔ پڑھایا، لکھایا، پھر وہ بھی مر گیا۔ اپنے محسن کی وفات کے بعد اس کا رہائی کون تھا یہاں۔ کالج سے بی اے کرتے ہی وہ نئے جہان کھوجنے نکل گیا۔ یہاں اس کی اپنی کوئی شناخت ہی نہیں تھی۔ اسے بہر کیف اپنی شناخت بنانا تھی۔ وہ جانتا تھا اس ملک میں بھیا تک ماضی ایک سائے کی طرح اس سے چنار ہے گا.....!!

ایک روز وہ نکل گیا!

مختلف ملکوں کی خاک چھانتا وہ جرمنی کو اپنی منزل مقصود دیکھ کر چلتا چلا جا رہا تھا۔ ترکی میں جب وہ بالکل تہی دست ایک سڑک کے

کناہرے بنے پارک میں بھوک اور پیاس سے لڑنے والی عورتیں تھیں۔ Capture and PDF by Omar Abbas

اس نے نہ صرف ٹھا کر کوکھلایا پالا یا بلکہ اپنے ساتھ اپنے گھر بھی لے گیا۔

اس کا گھر کیا تھا..... زمین پر جنت کا نمونہ۔

ٹھا کرنے یہاں شراب کی بد مستیوں میں خود کو غرق کر لیا۔ اس کے دوست نے اسے سارا مشرقی یورپ گھما دیا ایک روز بالآخر ٹھا کر جان ہی گیا کہ وہ کے جی بی کے قہقہے میں پھنس گیا ہے۔

لیکن وہ پریشان بالکل نہ ہوا۔ وہ تو پہلے ہی اپنی قسمت آزمائی کے لئے کسی میدان کی تلاش میں تھا۔ اس نے جی جان سے ان لوگوں کے لئے کام کرنے کی حامی بھری اور جو کہا اس پر عمل بھی کر دکھایا!

دو سال کی قلیل مدت میں اس نے اپنے کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ اب وہ ”کے جی بی“ کے خصوصی ایجنٹوں میں شمار ہونے لگا تھا.....! اپنے وطن کی روانگی کے چھ سال بعد جب وہ واپس آ گیا تو ایک کروڑ پتی رئیس اور باعزت آدمی بن چکا تھا۔ اس نے دہلی کی ایک ماڈرن آبادی میں بنگلہ خرید لیا تھا اور اپنا کاروبار تمام بھارت میں پھیلایا ہوا تھا!

CapTrue 1.1  
ہو.....!!

دہلی میں ٹھا کر کا گھر ہی شاید ”کے جی بی“ کا سب سے بڑا اڈا تھا۔ آئے روز کسی نہ کسی بہانے وہ مختلف ممالک کے سفارتی نمائندوں کو اپنے ہاں مدعو کرتا رہتا تھا۔

”یورپی راگولین“ بھارت میں اس کا سپاٹی ماسٹر مقرر ہوا تھا اور اس کے اشارے پر وہ یہاں بھی اب تک کئی کارہائے نمایاں انجام دے چکا تھا۔

آج بھی وہ ایک ایسے ہی کام کے لئے دہلی سے نکلتے آیا تھا..... پاؤں کے کوہ کچھ کراسے بالکل حیرت نہیں ہوئی۔ اس نے خود بھی تو پاؤں کے کی طرح اپنی شخصیت تہہ در تہہ بنائی تھی۔

اس نے خود پر اتنے خوب اس تک چڑھا لئے تھے کہ اب اسے اپنی اصل شخصیت خود تلاش کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ یہ احساس بھی اسے آج ہی بخوبی ہوا تھا کہ اس کی حیثیت اب بھی کے جی بی کے معمولی مہرے سے زیادہ ہرگز نہیں۔ جانے پاؤں کے جیسے کتنے اور لوگ ابھی بھارت میں موجود ہیں۔ وہ جانتا تھا کہ یہ جال دنیا کے ہر ملک میں پھیلا ہوا ہے۔

”ہمارے دوست وہاں ہر ممکن تعاون کریں گے۔“..... پاؤں کے نے اس ٹوٹے پھوٹے ٹرک سے ایک پاسپورٹ اور ہوائی جہاز کا ٹکٹ نکال کر اسے تھما دیا۔

یہ دہلی سے کابل تک انڈیا کا ٹکٹ تھا۔



”وہاں کامریڈ موجود ہوں گے۔ وہیں تمام برصغیر کی تحریکوں کے قائدوں نے اس کی بات سنے بغیر ہاتھ الوداعی مصافحے کے لئے اس کی طرف بڑھا دیا۔  
ٹھا کر میٹل باہر نکلا آیا.....!“

☆☆

وہ ”کے جی بی“ کی طرف سے سکھائے جانے والے تمام آداب سیکھ چکا تھا۔ کسی بھی ایجنٹ کا دوسرے ایجنٹ میں معمولی سا تجسس دونوں کی موت کا پیغام بن جاتا تھا۔ دونوں جانتے تھے کہ کوئی تیسرا ان کی اس ملاقات کی نگرانی بھی ضرور کر رہا ہوگا اور زیادہ دیر تک ان کی گفتگو سے اگر باہر والے کو شک ہو گیا تو دونوں ہی جان سے جائیں گے۔“  
یہ لوگ ایک دوسرے سے کوئی سوال اپنے مقصد کے علاوہ نہیں کرتے تھے۔ ٹھا کرنے پانڈے سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ اسے کابل میں کس کے پاس جانا ہے؟ کہاں قیام کرنا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

وہ جانتا تھا کہ اگر ان سوالات کے جوابات جانا ضروری ہوتا تو پانڈے اسے بتا دیتا۔

CapTrue 1.1

”سب سب نہیں جانتے کہ اب کابل کے ہوائی اڈے پر سی فوش آمدید کہا جائے گا۔ وہاں اس کی پہچان پہلے ہی سے پہنچ چکی ہوگی۔  
شام کی فلائٹ سے وہ دہلی واپس آ گیا۔  
اس روز رات کو دہلی کے ایک شاندار ہوٹل میں وہ پوری راگولین کے ساتھ ڈنر کھا رہا تھا۔  
”یہ خصوصی مشن تم پر بے پناہ اعتماد کی وجہ سے تمہیں سونپا گیا ہے۔ اس لفافے میں جو میں نے تمہیں دیا ہے تمہارا پریس کارڈ ہے۔ تم دہلی کے ایک انگریزی اخبار کے رپورٹر کی حیثیت سے کابل جا رہے ہو۔ وہاں ہمارے دوستوں کو خبر رہتی ہے کہ فیضان کس علاقے میں آپریٹ کر رہا ہے۔ اس کا انٹرویو لینے کے بہانے کسی بھی طرح اس تک پہنچ جاؤ اور اسے زبردے کر مار ڈالو۔“  
”زبردے کر ہی کیوں؟“ ٹھا کر مسکرایا۔ ”اگر میٹھے سے کام بن جائے تو۔“  
اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ کر قہقہہ بلند کیا۔

”نہیں ٹھا کر۔۔۔ اسے اتنا آسان مت لو۔ تمہارا واسطہ ایسے ہوشیار لوگوں سے کبھی نہیں پڑا ہوگا۔“ راگولین نے تنبیہ کی اختیار کر لی۔  
”اونہ۔۔۔ افغانی اور ہوشیار۔۔۔“ ٹھا کرنے طرز پر لہجے میں کہا۔  
”بہر حال اس بات کا خصوصی خیال رکھنا کہ ذرا سی بھی بے احتیاطی تمہیں مار ڈالے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ تم اندازے کی غلطی کا شکار ہو جاؤ۔ یہ شخص کوئی جاہل ملاں نہیں ہے۔ ماسکو یونیورسٹی کا پڑھا ہوا ہے۔ ہمارے داؤد سیکھ کر ہمیں پر آزار رہا ہے۔ تم میرے دوست ہو کامریڈ۔۔۔ صرف اپنے تک رکھنا یہ بات۔“  
راگولین نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔ ”اس سے پہلے ایک ایجنٹ کا ان لوگوں نے کابل ہی میں خاتمہ کر دیا تھا۔ بہت ہوشیار

Capture and PDF by: Qamar Abbas

”شخص ہے یہ۔“

اس بات پر غما کر کو واقعی منجیدگی اختیار کرنا پڑی۔

”کامریڈ میرا نام بھی غما کر ریش ہے۔“ اس نے واڈ کا ایک لمبا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ ”او کے گڈ لک“۔۔۔۔۔ یوری راگولین نے کسی مشتبہ سی آئی ڈی والے کو شاید دروازے سے اندر آتے دیکھ لیا تھا۔

☆☆

تیسرے دن ایڑاٹھیا کی ایک پرواز سے وہ کامل جا رہا تھا۔

ایک سرخ الاثر زہری شیشی جس پر گردے کی درد کی دوائی کا لیبل لگا ہوا تھا اس کی جیب میں موجود تھی۔۔۔۔۔ باقی سب کچھ اسے وہیں سے موصول کرنا تھا۔ یوری راگولین کی گفتگو کے بعد بھی وہ فیضان کو اہمیت دینے کے لئے تیار نہ تھا۔۔۔۔۔ اس نے دنیا کے بیشتر ممالک میں ”کے جی بی“ کے پیشہ ور قاتل کی حیثیت سے اب تک درجنوں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا۔۔۔۔۔ کسی بھی انسان کی جان لینے یا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔۔۔۔۔ وہ ہر انسانی جسم میں داخل کرنے کے بیسیوں طریقے جانتا تھا۔ اب تک اس نے بے شمار روپ بدل لئے تھے کہ اب وہ کسی بھی روپ میں خود کو تبدیل کیا۔

CapTrue 1.1

پاسپورٹ اس کے لئے مسلمان کے نام سے حاصل کیا گیا تھا اور پریس کارڈ پر بھی اس کا نام محمد حسین لکھا ہوا تھا۔۔۔۔۔ روسی یہ سمجھتے تھے کہ اول تو مجاہدین غیر ملکی کا بہت احترام کرتے ہیں۔ خصوصاً اپنی روایات کے مطابق وہ مہمان کے لئے جان سے بھی گزر جاتے ہیں، لیکن مسلمان ہونے کے باطن وہ غما کر پر اور زیادہ اعتماد کرتے۔

ایڑاٹھیا کا جہاز برق رفتاری سے کامل کی طرف نحوہ پرواز تھا اور غما کر اپنی سیٹ کی پشت سے ٹیک لگائے سگریٹ کے مرغولے اپنے سامنے بکھیر رہا تھا۔ اب تک اس نے فیضان کو مارنے کی دانست میں کئی طریقے سوچ لیے تھے۔ جہاز نے رات کے پہلے پہر کامل کے ہوائی اڈے پر لینڈ کیا۔۔۔۔۔

اس مرتبہ کے جی بی نے خصوصی احتیاط برتی تھی اور ”خاد“ کا جوائنٹ غما کر کو ہوائی اڈے پر لینے آیا پہلے ہی یہاں کے حلقوں میں اخبار نویس کی شہرت رکھتا تھا۔۔۔۔۔

واپسی پر اسے پہچانتے ہوئے ”کسٹم کلیئر ڈیک“ پر اسے سامان کی تلاشی دکھاوے کے لئے بہت سختی سے لی گئی تھی لیکن کسی نے اس کے جسم کو چھونے کی جرأت نہیں کی تھی۔۔۔۔۔ آج خاص طور سے ”خاد“ کے تربیت یافتہ ایجنٹ کسٹم آفیسروں کے روپ میں ہوائی اڈے پر ڈیوٹی دے رہے تھے۔

لاؤنج سے باہر نکلے ہی مقامی ”خاد ایجنٹ“ اس سے ”حسین بھائی“ کا نعرہ لگا کر ہتھیار ہمو کیا۔۔۔۔۔ جواب میں غما کر نے اس سے بھی زیادہ گرجوٹی کا مظاہرہ کیا۔ دونوں بے تکلف دوستوں کی طرح باتیں کرتے باہر آئے۔ کیا مجال جو دونوں کے متعلق کوئی گہری نظر سے جائزہ لینے والا

Capture and PDF by: Qamar Abbas

ٹنک میں جٹلا ہوتا۔

مہمان اسے اپنے ساتھ ہی کابل کے ایک ہوٹل میں لے آیا۔ ہوٹل میں داخل ہونے بعد بھی شکار میٹش نے اخباری نمائندوں کے سے انداز میں کیمروہ اپنے گلے میں لٹکا رکھا تھا..... دونوں دوست انگریزی میں گفتگو کرتے یہاں تک آئے تھے۔ اس کے ”دوست“ نے کمرہ پہلے ہی سے اس کے لئے بک کروا رکھا تھا۔ رات گئے تک وہ اسے فیضان کی موجودہ پوزیشن سمجھا تا رہا۔ اس نے ہر ممکنہ جگہ کی نشاندہی کر دی تھی جہاں فیضان کے ملنے کے امکانات ہو سکتے تھے۔

ٹھکانے اس کے ساتھ نیچے ڈائننگ ہال میں کھانا کھانے سے انکار کرتے ہوئے اس کے ذریعے ”مقامی کامریڈوں“ کو پیغام بھیج دیا کہ کوئی بھی اس سے ملنے یا رابطہ پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے..... بصورت دیگر وہ ان سے خود ہی رابطہ قائم کرے گا۔ دہلی سے روانگی پر اسے ”مقامی کامریڈوں“ سے رابطہ کے تمام طریقے بتا دیئے گئے تھے اور شکار میٹش نے وہ حفظ کر لئے تھے..... اس کی یہ غریبی ہمیشہ اس کے کام آتی کہ وہ بہت کچھ زبانی یاد رکھ سکتا تھا۔ اس نے کبھی اپنے پاس کچھ لکھ کر نہیں رکھا تھا۔

اپنے میزبان کو رخصت کرنے وہ دروازے تک بھی نہیں آیا تھا۔ اس کی روانگی کے قریب آدھ گھنٹے بعد شکار میٹش نے تلخ قدموں سے باوقار چال پل پلپٹو..... CapTrue 1.1 روم میں آ بیٹھا۔ اس نے کھانے کے ہال میں داخل ہوتے ہی کاؤنٹر پر موجود لوگوں کی طرف مسکرا کر دیکھا اور ان کے چہروں پر جوانی مسکراہٹ آتے ہی ان کی طرف بڑھ گیا۔

ٹھکانے نے زبردستی ہی ان سے گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے انہیں محمد حسین کے نام سے اپنا تعارف کروایا تھا اور ان لوگوں کو بتایا تھا کہ وہ ایک بہت بڑے اخبار سے منسلک ہے اور اس لڑائی کا جائزہ لینے ہی یہاں آیا ہے.....! ٹھکانے نے جان بوجھ کر اپنی گفتگو میں ”مجاہدین“ کا لفظ استعمال کیا تھا۔ اس نے کاؤنٹر پر ہی اندازہ کر لیا کہ یہ لوگ بظاہر تو حکومت کے خوف سے مجاہدین کی مخالفت کرتے ہیں لیکن ان کے دل ان کے قدموں کی آہٹ پر ہی دھڑکتے ہیں.....!

ہال میں متعدد میز پر خالی تھیں لیکن وہ جان بوجھ کر ایک ایسی میز پر بڑھا جس پر پہلے ہی سے ایک موٹا تازہ افغان جو خاصا ماڈرن بنا ہوا تھا بیٹھا نظر آ رہا تھا۔

”ہیلو“..... اس نے جاتے ہی اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

”ہیلو“..... جواب میں خاصی سرد مہری کا مظاہرہ کیا گیا۔

ٹھکانے اسے اسے موٹے افغان سے اپنا تعارف ایک غیر ملکی مسلمان اخبار نویس کے حوالے سے کروایا اور اسے بتایا کہ وہ مجاہدین کی سرگرمیوں سے بڑا متاثر ہے اور انہیں نزدیک سے لڑتے دیکھنے کی تمنا لے کر آیا ہے.....!

موٹے افغان نے مجاہدین کے ذکر پر خاصا ناک بھوں چڑھایا۔ وہ انگریزی سمجھ تو لیتا تھا لیکن بولنے میں خاصی دقت محسوس کر رہا تھا۔ شاید اس لئے اس نے کھانا ختم ہوتے ہی وہاں سے بھاگ جانے میں عافیت جاتی۔

ٹھاکر نے اپنے لئے ہلکا چمکا کھانا منگوایا اور ارد گردی میں بڑے بڑے گھوڑوں کو سناٹے سے لئے جواب خاصی آ باد ہو چکی تھیں قدرے بلند آواز میں بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کیا۔ اس کے بسم اللہ پڑھنے پر کئی لوگوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا لیکن وہ ان کی نظروں سے بظاہر لاتعلقی سا کھانے میں جتا رہا.....

کھانا ختم ہونے پر اس نے دعا کے سے انداز میں ہاتھ پھیلائے اور جب وہ ڈیڑھ دو گھنٹے بعد وہاں سے رخصت ہو رہا تھا اس ہوٹل میں آنے والے قریباً ہر شخص کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ محمد حسین نام کے اس اخبار نویس کو جس کا تعلق بھارت کے ایک مشہور اور بڑے اخبار سے ہے، افغان مجاہدین سے بہت ہمدردی ہے اور وہ ان کو برسرِ پیکار دیکھنے کی تمنا لے کر یہاں آیا ہے.....

لوگ یہ بھی جان چکے تھے کہ نووارد صحافی کٹر مسلمان ہے اور اپنے مذہبی عقائد سے بڑا قلمبند ہے..... اس نے جان بوجھ کر شراب نوشی اپنے کمرے میں ہی کی تھی۔ جہاں اس کے لئے کابل میں میزبان نے کمرے میں موجود فرنج میں پہلے ہی سے ”واڈا“ کی بوتلیں رکھوا دی تھیں۔



اگلا سارا دن اس نے کابل میں محوم پھر گزرا۔ وہ منجھے ہوئے اخبار نویسوں کے سے انداز میں مختلف طبقات زندگی سے متعلق لوگوں کی آراء لیما رہا۔ اس دوران اس نے ہر گفتگو کرنے والے کو اس بات کا یقین دلادینے میں کوئی کسر نہیں اٹھار کھی تھی کہ وہ دل و جان سے ایک مسلمان ہونے کے ناطے افغان مجاہدین کی جدوجہد آزادی کا حامی ہے.....

ٹھاکر کریمیش نے کئی گولیاں نہیں کھیلی تھیں! وہ جانتا تھا کہ یہاں موجود لوگوں میں سے کم از کم اسی فیصد دل و جان سے مجاہدین کے ساتھ ہیں..... یہ الگ بات کہ وہ خوف کے مارے کچھ نہ کہیں..... یہاں قدم قدم پر مجاہدین کے جاسوس موجود تھے خصوصاً ہر غیر ملکی پران کا چپک بہت سخت تھا۔ شہر میں ہونے والے واقعات کے چل چل کی خبر مجاہدین تک پہنچ جاتی تھی۔

یہ خبر بھی یقیناً اب تک مجاہدین کو پہنچ چکی ہوگی کہ یہ مسلمان صحافی نام ہی کا مسلمان نہیں بلکہ دل میں ایمان اور درد بھی رکھتا ہے۔ یہ اطلاع اسی روز رات کے دوسرے پہر فیضانِ اولوئیک بھی پہنچ گئی تھی وہ کابل کے نزدیک ہی مجاہدین کے ایک ”فئد“ (مرکز) پر موجود تھا۔ اس نے اس اطلاع پر اپنا کوئی خاص رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا۔ بس اسے معمولی کی ایک اطلاع ہی جانتا تھا۔



Capture and PDF by: Qamar Abbas

## شاہراہ موت

تیسرے روز ٹھا کر میٹش اپنے سفر پر روانہ ہو گیا.....!

اس کی منزل ”لوگر“ تھی۔ ”لوگر“ کی ولایت کو افغانستان میں ایک جنگشن کی حیثیت حاصل تھی۔ یہاں سے ہی کابل، قندھار اور کابل ہرات ہائی وے گزرتی ہے۔ روی اور افغان فوج کے لئے اس سپلائی لائن کی حیثیت شاہ رگ کی سی ہے۔ اس محاذ پر وہ مجاہدین کا قبضہ ختم کروانے کے لئے اب تک کئی حملے کر چکے تھے لیکن یہاں مجاہدین کی مزاحمت ختم نہیں کر سکتے تھے۔

اسی محاذ کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر مجاہدین کے مختلف گروپس یہاں مورچے بندھے فیضان بھی نہیں مصروف پیکار تھا۔ اور ٹھا کر میٹش

بھی اس کی تلاش میں اسی طرف نکلتا تھا.....!

**CapTrue 1.1** دیک۔ بس نے اسے اتار دیا۔ یہاں سے آگے کوئی سواری نہیں جاتی تھی۔ چھاؤنی کے نزدیک سے گزرتے ہوئے

اسے افغان ملیشیا کے جوانوں نے روک لیا۔ وہ اسے آگے جانے سے منع کر رہے تھے لیکن ٹھا کر آگے جانے پر ابعد تھا۔ ملیشیا کے جوان اسے گرفتار کر کے اپنے کمانڈنگ آفسر کے پاس لے آئے۔ ٹھا کر دل ہی دل میں بہت خوش تھا۔ اب تک ہرات اس کی مرضی کے مطابق ہو رہی تھی اور ایسے واقعات میں وہ اپنی پوزیشن مستحکم کرتا چلا جا رہا تھا۔

کمانڈنگ آفسر ایک روی کرل تھا.....!

وہ اس علاقے کا امیر یا کمانڈر تھا لیکن زیادہ تر ماتحت افواج افغان ہی تھیں۔ اس نے چھپتے ہی ٹھا کر کو انگریزی میں ڈانٹ دیا۔ لیکن جواب میں ٹھا کر کی زبان سے ایک مخصوص لفظ ادا ہوتے ہی اس نے ان جوانوں کو جو اسے یہاں تک لائے تھے باہر جانے کا حکم دیا۔

ان کے وہاں سے جاتے ہی دونوں بے تکلفی سے روی زبان میں باتیں کرنے لگے۔ پندرہ بیس منٹ بعد کمانڈر اس کے ساتھ ہی باہر

آیا تھا.....!

اس نے اپنے دفتر سے باہر نکلتے ہی غصے کے آثار طاری کر لئے اور وہاں موجود افغان عساکر کے سامنے ٹھا کر کو پشتو میں گالیاں دیتے ہوئے کہا۔

”اگر تم مرنے پر ہی تھے ہو تو جاؤ جنہم میں۔“

دونوں بڑی کامیاب اداکاری کر رہے تھے۔

”کیا کہا آپ نے؟“ ٹھا کر نے انجان بنے ہوئے انگریزی میں پوچھا۔



”اس سے آگے تم اپنی ذمہ داری پر جاؤ گے۔ ہم کوئی کمی نہیں دے سکتے۔“ روٹی کی ضمانت میں دے گئے۔ انگریزی زبان میں کہا۔  
 ”اوپر تم مجھے کیا ضمانت دو گے۔ تمہاری تو اپنی زندگی کی کوئی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔“ ٹھا کر نے طنز کی۔

”سٹاپ۔“ کرٹل نے اسے ڈانٹ دیا۔  
 ”مسٹر کرٹل! تم ایک ذمہ دار صحافی سے باتیں کر رہے ہو۔ اپنا لہجہ درست کرو ورنہ۔۔۔۔۔“ ٹھا کر نے غصے سے دانت پیستے ہوئے کہا۔  
 کرٹل جواب دیئے بغیر واپس مڑ گیا۔

ٹھا کر نے وہاں موجود افغان عساکر کے چہروں کو پڑھ کر بخوبی اندازہ کر لیا تھا کہ یہ لوگ اس کے طرز عمل سے بہت خوش نظر آ رہے تھے۔  
 اس نے مسکراتے ہوئے سب کو ”السلام علیکم“ کہا اور ان کے سامنے بھی ٹوٹی پھوٹی فارسی میں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر کے سامنے  
 نظر آتے پہاڑی مسلح کی طرف چل دیا۔

وہ اندازے سے لیکن قدرے لا پرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پیدل چلتا چلا جا رہا تھا۔ پہاڑوں میں دوڑھانے لگنے تک وہ مسلسل سفر کرتا  
 رہا۔۔۔۔۔ ابھی تک کسی سے اس کا ٹکراؤ نہیں ہوا تھا۔۔۔۔۔ اب تو ٹھا کر کو ابھین محسوس ہونے لگی تھی۔ اس کی خواہش تھی کہ مجاہدین اسے گھیرے میں لے  
 لیں۔

CapTrue 1.1

پہاڑوں میں مسلسل چلنے کا اتفاق اسے خاصی مدت کے بعد ہوا تھا اور اب وہ تھکاوٹ محسوس کرنے لگا تھا۔۔۔۔۔ اس کے چاروں اطراف  
 غیور افغانوں کی طرح سر بلند پہاڑی مسلح چبچ کر اسے اس بات کا احساس دلا رہے تھے کہ افغانوں کے ارادوں کی طرح وہ بھی ناقابلِ تسخیر ہیں۔  
 ٹھا کر سوچ رہا تھا کہ اگر فیضان مر بھی جائے تو کیا روسی استعماریت کا سیلاب ان سر بفلک پہاڑیوں سے نکلے سکے گا۔۔۔۔۔  
 ”نہیں۔۔۔۔۔ کسی نے اس کے اندر سرگوشی کی اور اسے افغانوں کا وہ مشہور سلوگن یاد آ گیا۔۔۔۔۔“ کھسرا ہاتی، افغان ہاتی۔۔۔۔۔“

ایک پہاڑی چشمے کے نزدیک رک کر اس نے گہری سانس لی پھر کچھ سوچتے ہوئے اپنے جسم پر موجود بوجھ سے نجات حاصل کر لی۔ اپنی  
 کمر پر باندھا سسری تھیلا اور کمرہ اس نے ایک طرف رکھ دیا۔۔۔۔۔ جوتے اتار دیئے اور پتلون کے پائے بچے چڑھا کر ایک پتھر پر بیٹھ کر پاؤں پانی میں لٹکا  
 دیئے۔ پہلے تو اسے خاصی ٹھنڈک محسوس ہوئی لیکن پھر سکون محسوس کرنے لگا۔

دس چندرہ منٹ اسی کیفیت کی نذر ہو گئے۔ اس نے جبکہ کر چلو پھر پانی پیا پھر اس پانی کے چھینٹے منہ پر مارے اور اٹھ کھڑا ہوا۔ جیسے ہی  
 اس نے گردن گھما کر اپنے سامان کا جائزہ لینا چاہا۔۔۔۔۔ سنسنی کی ایک تیز لہر اس کی ریزہ کی ہڈی میں دوڑ گئی۔

دو مجاہد اپنے کندھوں سے رائفلیں لٹکائے اس کے سامنے کھڑے تھے۔ اس کی زندگی کا بیشتر حصہ ایسے ہی کاموں میں گزرا تھا۔۔۔۔۔ اپنی  
 چھٹی حس پر اسے بے پناہ اعتماد تھا۔۔۔۔۔ اس کے کان بہت حساس تھے۔ معمولی چاپ بھی سن لیتے تھے لیکن اس کو گمان بھی نہ گزرا کہ یہ لوگ کب اور کس  
 طرف سے یہاں آئے ہیں۔

لیکن۔۔۔۔۔ دوسرے ہی لمحے اس نے اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔

”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“..... اس CaptTrue and PDF by Qamar Abbas کے سے انداز میں سلام کیا اور اپنا ہاتھ مصافحے کے لئے آگے کر دیا۔

”وعلیکم السلام“..... دونوں مجاہدوں نے بیک وقت کہا اور باری باری اس سے ہاتھ ملائے۔  
 ”محمد حسین..... جرنلٹ“..... اس نے مختصر سے الفاظ میں اپنا تعارف کروایا۔  
 دونوں نے جواب میں صرف گردن ہلا دی۔ کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ اس نے اپنے جوتے پہنے اور چاہا کہ اپنا سامان بھی اٹھالے لیکن رائفیل برداروں نے اسے ہندوق کے اشارے سے منع کر دیا۔ ان میں ایک نے اپنے دوسرے ساتھی کو مقامی زبان میں کچھ کہا۔ اس نے ٹھا کر کا بیگ اور کیمرہ اٹھالیا اور آگے آگے چلنا شروع کر دیا!

دوسرے مجاہد نے اشارے سے اپنے ساتھی کے پیچھے پیچھے چلنے کا حکم دیا۔  
 ”شکراً..... شکراً“..... ٹھا کر نے خواہ مخواہ دانت نکال کر اپنے کھپتے ہوئے اعصاب کو تسکین دینے کا سامان کیا۔  
 دونوں پندرہ بیس منٹ تک پیدل چلتے رہے۔ جیسے ہی وہ ایک پہاڑی کا موڑ گھومے انہیں تین اور مجاہد وہاں نظر آ گئے۔  
 ”CapTrue 1.1“ آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ جس محاذ پر آئے ہیں اتفاق سے یہاں کمانڈر فیضان اوفلو کمانڈر کر رہے ہیں۔“  
 ان میں سے ایک نے بڑی شستہ انگریزی میں اسے مخاطب کیا۔

اس کے منہ سے اپنا اور پھر فیضان کا نام سن کر ٹھا کر پہلے تو چونکا پھر اس کا دل بیویوں اچھٹنے لگا..... اس کی تو جیسے دلی مراد برآئی تھی۔ اس کے اپنے متعلق پھیلائی ہوئی باتیں مجاہدین تک پہنچ چکی تھیں۔ جس کا مطلب یہی تھا کہ وہ ان لوگوں کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو چکا ہے اور اس پر مستزاد یہ خوشخبری کہ اس محاذ کا فیضان ہی کمانڈر ہے!

وہی فیضان جس کی تلاش میں وہ یہاں آیا تھا.....!  
 ”بس کامریڈ بن گیا کام“..... اس نے دل ہی دل میں خود کو شاباش دی۔  
 ”اوہ امیرے خدا! انتہی خوش قسمتی ہے میری..... جس مجاہد کے عظیم کارناموں سے کامل کے درود پوار گونج رہے ہیں..... اس سے میری ملاقات ہوگئی۔“

اس نے اپنی خوشی کا اظہار نو واروں پر کیا۔  
 ”مسٹر حسین ہم بہت معذرت چاہتے ہیں کہ اس علاقے میں مزید گھومنے کی اجازت آپ کو کمانڈر ہی دے سکتے ہیں۔ آپ کو پہلے ان سے ملاقات کرنا ہوگی“.....

اسی مجاہد نے بڑے ادب سے ٹھا کر کو خبردار کیا۔  
 ”اوہو! ضرور! ضرور! کیوں نہیں چلتے“.....

اس نے بے چینی کا مظاہرہ کیا۔ Capture and PDF by: Qamar Abbas

”ایک اور زحمت کی معافی چاہوں گا“.....

اسی مجاہد نے ہاتھ کے اشارے سے اسے رکے کو کہا۔

”کیا؟“ ٹھا کر چونکا۔

”آپ کو یہاں سے کچھ سفر آنکھوں پر پٹی باندھ کر روایا جائے گا۔ اگر کمانڈر ضامنہ ہوں تو آپ کو کھلے عام گھومنے کی اجازت ہوگی۔“

”ضرور ضرور مجھے کیوں اعتراض ہوگا۔ بہر حال اگر یہ آپ کا اصول ہے تو مجھے بھی اس کی پابندی کرنا پڑے گی۔“ اس نے حیرت انگیز

پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے جذبات پر قابو پایا۔

”شکریہ۔“ اسی مجاہد نے کہا۔

ان کے ساتھی نے اپنے کندھے پر رکھا کلا کپڑا اٹھا کر اس کی آنکھوں پر باندھ دیا اور ایک مجاہد اس کا ہاتھ پکڑا کر چلنے لگا۔

ٹھا کر کو بہت الجھن ہو رہی تھی۔ اسے یہاں سے فرار کا راستہ بہر حال یاد رکھنا تھا۔ اب ایسا ممکن نہیں رہا تھا۔ بمشکل تین چار منٹ سفر

گھوڑے کی پشت پر بیٹھے ٹھا کر کو اب یوری راگولین کے اس فقرے کی اہمیت کا احساس ہونے لگا تھا وہ فیضان اوغلو کے متعلق کسی غلط فہمی

کا شکار نہ رہے۔ اس نے احتیاط پسند آدمی کی اس خطرہ زین پر موجودگی اس کے نزدیک کوئی مجوزہ ہی ہو سکتی تھی۔

☆☆

ان کا سفر تقریباً آٹھ گھنٹہ جاری رہا.....!!

اس دوران اس کے مسطروں نے اس سے متعدد مرتبہ اس سلوک پر معافی بھی مانگی تھی..... انہوں نے ٹھا کر کی خواہش پر اس کی فلاسک

سے چائے بھی نکال کر پلائی تھی.....!!

خدا خدا کر کے سفر کا اختتام ہوا جب اس کی آنکھوں کی پٹی کھلی تو ایک پہاڑ کی کھوہ میں بنی جمونہ پڑی کے سامنے فیضان اوغلو کھڑا مسکرا رہا تھا۔

”السلام علیکم یا امیر“..... ٹھا کر بلا کا مکار تھا۔

”وعلیکم السلام۔“ فیضان نے جواب میں اس سے بھی زیادہ گرمجوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس سے مصافحہ کیا۔

”میری خوش قسمتی ہے کہ میں نے آج اسلام کے اس عظیم مجاہد کو دیکھ لیا“..... ٹھا کر نے خواہ مخواہ اپنی ہمتی نکالی۔

”نہیں مسٹر حسین اعظمی تو اس خدائے بزرگ و برتر کے لئے ہے جو ہماری پہلی اور آخری امید ہے۔ جس کے سہارے پر ہم غفرت

کو روکے ہوئے ہیں۔ اس لڑائی میں حصہ لینے والا ہر مجاہد میرے جیسا ہے۔ ہم سب مل کر جہاد کرتے ہیں۔ کیونکہ میں کمانڈر ہیں، اس لئے ممکن ہے

میرا نام ہی سب کے سامنے آتا ہو۔ فیضان کی آواز بلند ہو گئی، بارعب اور محتاط کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھنے والی تھی۔

ٹھا کر کو پھر احساس ہونے لگا کہ یہ سب کچھ Capture and PDF by: Qamar Abbas ہے۔ اپنی اس بزدلانہ سوچ پر غصہ بھی آیا کہ آخر اس نے ان ان پڑھا اور جدید دور کے تقاضوں سے نا آشنا اجڈ لوگوں کو اپنے ذہن پر سوار کیوں کر لیا ہے۔

”مسٹر فیضان! یہ سب کیا ہے؟ یہ لوگ اتنی بڑی استعماری طاقت کا مقابلہ کیسے کر سکیں گے..... انکے پاس ایسی کون سی قوت ہے جو.....“ اس نے جانے کیوں فیضان کے نزدیک کھڑے ہوئے اور جوان مجاہدین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ دیا۔

”یہ ہماری تاریخ ہے! اصلی اور کھری تاریخ جو ہماری خوش قسمتی سے استعمار کے جھکنڈوں سے محفوظ رہی ہے۔ ان کے چہروں پر جو ملال لپک رہا ہے وہی ہمارا تقاضا ہے۔ ان کے جسموں پر جو استعمار مظلوم اقوام کی تاریخ کے چہرے پر لگایا کرتا ہے۔“ اس نے ایک لمحے کے لئے رک کر آسمان پر بہت دور پرواز کرتے ایک عقاب کو دیکھا پھر دوبارہ ٹھا کر سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

”مسٹر حسین! استحصال کا ٹھنڈا تازہ دوست ہوتا ہے کہ زخموں کی بڑی تعداد ناسور میں بدل جاتی ہے اور غصہ شدہ قوموں کا سارا اخلاقی ڈھانچا گل سڑ جاتا ہے..... سامراج چلا بھی جائے تو ایک اپنا چ قوم اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔ تم خود صفائی ہوا اپنے ملک کی طرف دیکھو۔ دو سو سال فرنگی کے دور حکمرانی نے برصغیر کے عوام کا معاشی اور سماجی استحصال کس کس ڈھنگ سے کیا ہے؟..... رد عمل وہاں بھی ہوا تھا۔ وہاں بھی سامراج کے خلاف CapTrue 1.1 یہ لڑنے والے نغداروں نے جن سے تم ابھی ”کابل“ اور ”لوگر“ میں مل کر آ رہے ہو.....!

پشت سے حملہ کرنے والے انہی نغداروں نے نیپو کو شہید کر دیا، لیکن اس نے اپنی شکست تسلیم نہیں کی..... اس نے ایک ہی نعرہ لگایا تھا کہ شیری کی ایک دن کی زندگی گیلڈر کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے..... یہ ہے حریت پسندی کی تاریخ کا سب سے عظیم نعرہ.....!!

اس نے بھی مرتے مرتے استعمار کے منہ پر تھوک دیا تھا۔ ہم بھی مرتے مرجائیں گے لیکن استعمار کے منہ پر تھوکتے رہیں گے! مسٹر حسین ہماری اپنی ایک تاریخ ہے..... ہم اس نسل کی نمائندگی کرتے ہیں جس نے خیر کے پہاڑی سلسلوں سے اسلام کی شمع روشن کی اور ہندوستان کے بت کدے کو شمع ایمانی کے نور میں مقل دیا..... ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ محمود غزنوی کے ہیرو کار ہیں۔ ہم بت شکن ہیں۔ ہم روی استعماریت کے بت کو بھی ضرب ایمانی سے پاش پاش کر دیں گے۔ تم کابل سے آئے ہو تم نے تصویر کا دوسرا رخ دیکھا ہے۔ لیکن یہ تو وہ پوشیدہ بیماریاں ہیں جو دفاعی نظام میں دراڑ پڑتے ہی ابھر کر سامنے آئے لگتی ہیں، مقلد اور ہوتی ہیں اور معاشرہ ایسی ہی تخریب اور بے راہ روی کا شکار ہو جاتا ہے جیسا وہاں کابل کے شہر میں بظاہر ہے۔

”مسٹر حسین! آج جو افغان اس سرخ عفریت کا ساتھ دے رہے ہیں وہ ہماری تاریخ کے ہیرو نہ تو کبھی پہلے تھے..... نہ آج ہیں اور نہ کبھی مستقبل میں ہوں گے۔ ہم افغانوں کی فطرت میں غلامی ہے ہی نہیں.....! ہم آزاد منش لوگ ہیں۔ ان چپکے زدہ بیمار انسانوں کو..... اپنی تاریخ کے اس کینسر کو ہم اپنے ملی جسم سے الگ کر کے پھینک دیں گے..... بہت جلد..... بہت جلد.....“ وہ خاموش ہو گیا۔

جس روانی سے انگریزی بول رہا تھا اور جس طرح الفاظ اس کی زبان سے نکل کر گھبراہٹ کے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح برس رہے تھے۔ یہ کیفیت بڑی جان لیوا تھی۔ اسے خواہ مخواہ ایک بے نام سا خوف ڈسنے لگا تھا۔

”اوہ! میں بھی کتاب بے وقوف ہوں Captive and PDF by Qamar Abbas ان مجاہدوں سے کرواؤں۔“  
”ضرور! ضرور!“..... ٹھا کر نے تھوک نچلتے ہوئے کہا۔

وہ بڑی شدت سے خواہش کر رہا تھا تا کہ اس اذیت ناک سے کم از کم اسے تھوڑی دیر ہی کے لئے چھٹکارا مل جائے!  
”اس کا نام کیا ہے؟“..... ٹھا کر نے اپنی نوٹ بک سنبھالتے ہوئے فیضان کے پہلو میں کھڑے ایک بارہ سالہ بچے کے متعلق دریافت کیا جو بڑے اٹھاکا سے اپنی رائفل کا تنقیدیں جانزولے رہا تھا..... شاید تھوڑی دیر پہلے ہی اس نے رائفل صاف کی تھی۔  
”اس کا نام عمر خان ہے“..... فیضان نے جواب دیا۔

”کمال ہے اتنی چھوٹی عمر اور کھاشکوف!“

”مسٹر حسین! یہ ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کو بھی نشانہ بنا سکتا ہے..... کیونکہ یہ بھی اسی نسل کی نمائندگی کرتا ہے جو اپنی روایات کا پاسدار ہے..... میں بھی آپ کی طرح کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ ان بچوں کا صحیح مقام میدان جنگ نہیں ہے..... یہ عمر سکول جانے اور علم حاصل کرنے کی ہے..... لیکن ہم خود پر مسلط کردہ جنگ لڑ رہے ہیں۔ اپنی بھائی اس لڑائی سے الگ رہنا ہماری مردانگی کی توہین ہے.....!“  
CapTrue 1.1 پڑھتے ہوئے فارسی میں کچھ کہا۔

بچہ سہماتے ہوئے ٹھا کر کی طرف دیکھنے لگا۔

”اس کا باپ کہاں ہے؟“

”شہید ہو گیا..... باپ بھی، بڑا بھائی بھی..... ماں اور چھوٹی بہن بھی..... کچھ بمباری میں شہید ہوئے اور کچھ دشمن کے مقابلے میں اب یہ اکیلا ہی ہمارے ساتھ ہے۔“

”کیا مطلب؟“..... ٹھا کر کی یہ اداکاری قطعی غیر فطری نہیں تھی۔

”مسٹر حسین!! ایسی ہزاروں مثالیں یہاں موجود ہیں..... ہمارا سب کا ایک ہی غزم ہے کہ ہم غیر ملکی حملہ آور فوجوں کو اپنی مقدس سرزمین سے نکال کر ہی دم لیں گے۔ یا پھر مٹ جائیں گے۔“  
”میرے خیال میں مجھے اپنے پیشہ ورانہ فرائض بھی ادا کرنے چاہئیں۔“  
ٹھا کر نے سہماتے ہوئے کہا۔

وہ دکھاوے کے لئے فیضان کے ایک ساتھی کے ساتھ جو انگریزی تھوڑی بہت بول سمجھ لیتا تھا۔ محاذ پر گھومتا رہا..... اس نے پیشہ ور صحافیوں کے سے انداز میں وہاں مجاہدین سے گفتگو کی..... انکے جذبہ جہاد کو سراہا۔ تصاویر بنائیں۔ اور شام ڈھلے تک اپنے کام میں مصروف رہا۔

☆☆



شام ڈھلنے پر وہ واپس آ گیا..... Capture and PDF by: Qamar Abbas

رات کا کھانا اس نے فیضان کے ساتھ ہی کھانا تھا..... اس نے دکھاوے کے لئے ان لوگوں کے ساتھ باجماعت نماز پڑھی۔ اس کی کسی حرکت سے یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ شام کو فیضان جب اگلے مورچوں سے واپس لوٹا تو تھا کر اس کا منتظر تھا۔ اس نے فیضان سے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ رات کو اکیلے میں اس سے انٹرویو کرے گا۔!!

فیضان اور تھا کر آ منے سامنے بیٹھے تھے اور تھا کر اس سے پیشہ ور صحافیوں کی طرح سوال جواب کر رہا تھا..... اچانک ہی فیضان کے ایک فقرے نے اسے چونکا دیا۔

”آپ کی انگلی بہت شاندار ہے!“

تھا کر کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی کی لہر دوڑ گئی..... اس انگلی میں گھینڈ کی جگہ گھڑی لگی ہوئی تھی جس کے اندر ایک خفیہ خانے میں زہر تھا..... سر بلع الاثر زہر.....!

”.....“ ”.....“ ”خود پر قابو پایا.....“ میں نے یہ جاپان سے خریدی تھی۔ مسٹر فیضان میری بڑی کمزوری ہے کہ میں بازو پر گھڑی نہیں باندھتا۔ خصوصاً ایسی مہمات میں..... پھر اس سے دونوں ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں..... گھڑی کی بھی اور انگلی کی بھی.....“

”بہت خوب.....“ فیضان بھی زرب مسکرایا۔

ایک مؤدب مجاہد نے دونوں کے سامنے کھانا چن دیا تھا.....!!

”میرے خیال میں باقی باتیں طعام کے بعد!“..... فیضان نے اسے کہا۔

”جیسے آپ کی مرضی.....“ تھا کر زبردستی مسکرایا۔

”میں ذرا ہاتھ دھو آؤں“..... فیضان نے اٹھتے ہوئے اجازت چاہی۔

☆☆

تھا کر کے تودل کی کلی ہی کھل اٹھی۔ اس سے شاندار موقعہ اسے کب ملنے والا تھا۔ تھا کر نے انگلی میز پر رکھ کر ذرا سادہ بازو ڈالا گھڑی دھکن کی طرح کھل گئی ہاتھ کو اس نے ہلکا سا جھٹکا دیا اور انگلی کے پوشیدہ خانے سے دو تین قطرے فیضان کے سامنے دھرے مٹی کے پیالے میں گرا دیے۔ ایسا ہی ایک پیالہ اس کے سامنے بھی پانی سے بھر پڑا تھا۔

ایک بڑی پلیٹ میں سائن موجود تھا اور بڑی بڑی دو تھوری روٹیاں ان کے سامنے دھری تھیں!!

انگلی خود بخود دایاں حالت پر واپس آ گئی۔ باہر سے فیضان کے قدموں کی چاپ پر وہ ٹاٹل ہو کر بچھڑ ہا..... لیکن اسے احساس بھی نہ ہوا کہ پشت سے کب کون اندر داخل ہوا اور کھانگشوف کی سر دانی اس کی گردن سے لگا دی۔

”مسٹر! تم جو کوئی بھی ہو اپنی داستان میں بہت زیادہ چالاکت ہے کی کوئی نہ کرنا۔ یہ وارنٹ ہے۔ کابل کے ہوائی اڈے پر اترنے والا ہر غیر ملکی ہمارا مہمان ہے لیکن دشمن یا اس کے ایجنٹ کو ہم کبھی معاف نہیں کرتے.....! تمہاری حرکات شروع ہی سے مشکوک رہی ہیں..... بہت جلد تم یہ بتا دو گے کہ تم کون ہو.....؟“

بہت اطمینان سے وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

”لیکن..... ہمیں اس سے کیا لیما دینا۔ تمہاری اطلاع کے لئے بتاتا چلوں کہ ان بیالوں میں جان بوجھ کر پہلے سے پانی بھر کر رکھا گیا تھا..... تاکہ تم ان میں سے کسی ایک میں زہرا نڈیو اور پکڑے جاؤ..... میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اس میں وہ زہر ہے جو ”جی آر یو“ کے ایجنٹ استعمال کرتے ہیں یہ زہر جسم میں داخل ہونے کے کم از کم چار گھنٹے بعد اثر کرتا ہے..... اس طرح تمہیں چار گھنٹے نکلنے کے لئے مل جاتے..... انہیں تم کا میا ب نہ ہو سکے۔“

اس کی زبان سے نکلنے والا ایک ایک لفظ نیزے کی انی کی طرح ٹھا کر میٹش کے کلیجے میں اتر رہا تھا۔ یہ شخص کتنی معلومات رکھتا ہے۔ CapTrue 1.1 کا واسطہ دینا کے کسی برا عظم میں آج تک نہیں پڑا تھا۔

”مرنے سے پہلے صرف ایک بات جان لو کہ اگر تم کسی غیر مسلم صحافی کے لباوے میں بھی یہاں آتے تو ہم تمہاری اس طرح عزت کرتے..... اور سب سے بڑی بات کہ اگر تم چپ چاپ واپس چلے جاتے تو بھی ہم تمہیں کچھ نہ کہتے..... لیکن اب.....“ وہ ٹھا کر کی آنکھوں کی دم توڑتی روشنی میں جھانکتے ہوئے بولا۔ ”تمہیں ان لوگوں نے شاید مشرقی یورپ کے کسی کیمپ میں ٹریننگ دی ہوگی۔ خیر اس سے کیا فرق پڑتا ہے..... اصل بات تو یہ ہے کہ اب تمہیں بہر حال مرنا ہے۔ تم خود جانتے ہو تمہاری ناکام واپسی پر“ ”جی بی“ تمہیں مار ڈالے گی..... پھر ہم ہی تمہیں کیوں نہ مار ڈالیں۔“

”مم۔ مم مجھے معاف کر دو..... ٹھا کر گڑ گڑایا۔

”تم بہت بزدل انسان ہو۔ موت سے اتنا ڈرتے ہو تو پھر یہاں کیا لینے آئے ہو۔ اچھا چھوڑو ان باتوں کو کھانا کھا تے ہیں۔“

وہ بڑی بے تکلفی سے کھانا کھانے لگے۔

ٹھا کر کی رگوں سے جیسے خون نچر چکا تھا..... خوف اس کے رونیں رونیں میں سرایت کر گیا۔ اسے اپنے ہاتھ پاؤں سے جان نکلنے محسوس ہو رہی تھی۔ گھبراہٹ کے مارے ڈھنگ سے اس کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی..... یہ ایک مجاہد کے جذبہ ایمان کا جلال تھا جس نے ”جی بی“ کے ایک پیڑہو قاتل کو بولکھا کر رکھ دیا تھا.....

”میرا خیال ہے تم کھانا کھا ہی لو..... زندگی کا آخری کھانا.....“

فیضان نے مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

اس کی موت اتنی اذیت ناک ہوئی یہ تو کبھی نہ سمجھ سکتے تھے۔ Capture and PDF by: Qamar Abbas  
 آ رہے تھے۔ ایک ایک کر کے ان تمام مقتولین کی شکلیں یاد آ رہی تھیں جو اس کی سفاکی کی بمیٹ چڑھ چکے تھے اس کے ہاتھ میں اپنی انگوٹھی نے جانے اب تک کتنے لوگوں کی جان لے لی تھی..... وہ اپنے شکار کو مارنے کا ہر دفعہ نیا طریقہ سوچتا تھا..... بڑی جدت پیدا کر لی تھی اس نے اپنے اس فن میں.....

☆☆

لیکن.....! یہ تو کبھی اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ وہ اتنی آسانی سے مر جائے گا۔  
 ”لوگر“ چھاونی کے اوپنی کے آنکھوں سے لگی دوربین نے پہاڑی سلسلوں سے ایک گھوڑے کو اس طرح آتے دیکھا تو اس کا چنکنا بالکل فطری عمل تھا۔ اس نے چیخ کر ششیں گن کے مورپے میں موجود روپی سپاہی کو مخاطب کیا۔ پہلے تو بے اختیار روپی سپاہی کا ہاتھ ٹریگر کی طرف بڑھا پھر وہ کچھ سوچ کر کر گیا.....!

گئے ٹیلی فونج کے ذریعے اپنے کمانڈر کو اطلاع دی دوسرے ہی لمحے کمانڈر وہاں موجود تھا..... روپی کرنل نے دوربین اپنی آنکھوں سے لگالی اسے گھوڑے پررسیوں سے بندھا ایک شخص نظر آ رہا تھا۔  
 ”اس پر نشانہ لگائے رکھو اگر معاملہ گر بڑا نظر آئے تو بلادرہیل گولی چلا دوینا.....“  
 اس نے روپی سپاہی کو حکم دیا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے تین افغان فوجیوں کو اس طرح روانہ کر دیا کہ وہ گھوڑے کو چھاونی سے دور ہی روک لیں۔  
 تینوں افغان فوجی بادل خواست اس مشن پر جا رہے تھے..... کچھ بھی ممکن تھا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ مجاہدین نے کوئی دھماکہ خیز مواد اس طرح نہ بھیجا ہو جو انہیں اڑ کر رکھ دے۔

کسی نہ کسی طرح انہوں نے گھوڑے کی لگام تھام لی۔ اس پر لدی شخصیت کو وہ دیکھے بغیر نہ رو سکے یہ تو وہی صحافی ہے جو جج ہی مجاہدین کے مورچوں کی طرف روانہ تھا۔  
 گھوڑا اپنے سامان سمیت روپی کمانڈر کے سامنے کھڑا تھا۔ کرنل نے مردہ تھا کر رمیش کورسیوں سے آزاد کروایا۔ اس کا پورا سامان اس کے ساتھ ہی بندھا تھا۔

اس کے گلے میں تعویذ کی طرح نکتا ایک لفاظی کرنل کو نظر آ گیا تھا۔ سب سے پہلے کرنل نے وہی لفاظی چاک کیا..... اندرا ایک کانڈ پر روپی زبان میں تحریر تھا۔

”حزب اللہ کے کمانڈر فیضان افغلو کی طرف سے “کے جی بی” کے نام۔ آپ کا بھیجا ہوا تحفہ واپس لوٹا رہا ہوں۔ ہم نے اسے وہی

زہر پلایا ہے جو آپ نے ہمارے لئے بھیجا تھا۔  
 نے تجھے کاختر.....!

خط کے آخر میں فیضان اولہو کے دستخط تھے۔

روی کرل نے دانت پیستے ہوئے وہ رقعہ دوبارہ لفافے میں ڈالا اور تیز رفتاری سے اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔ اسے یہ بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ جانے سے پہلے اس لاش اور سامان کے متعلق وہاں موجود فوجیوں کو کوئی حکم ہی دے جائے۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ سیٹلائٹ سسٹم کے ذریعے ”کے جی ٹی“ کے ہیڈ کوارٹر میں خاکریمیش کی موت کی رپورٹ دیگر تفصیلات کے ساتھ دے رہا تھا۔



## CapTrue 1.1

### چنگیز خان

چنگیز کی زندگی اور فتوحات تاریخ کا ایک ایسا باب ہے جسے پڑھتے بغیر تاریخ کا سفر مکمل نہیں ہوتا۔ اس کا شمار انسانی تاریخ کے عظیم واقعوں میں سے ہوتا ہے۔ گو اس کا تعلق وحشی قبائل سے تھا لیکن وہ ایک ممتاز دور ہے کا وحشی تھا۔ وہ صرف تلوار کی زبان ہی نہ جانتا تھا بلکہ از روئے ضرورت ٹریک نوڈ پلوہی بھی بروئے کار لاتا۔ 1219 سے 1225 تک کے درمیانی عرصے میں چنگیز نے ترکستان کے راستے ایران اور افغانستان، دوسری طرف پامیر کی پہاڑی چوٹیوں سے سندھ کے کناروں تک آذربائیجان، کاکس اور جنوبی روس کے علاقے کی مہمات سر کیں..... چنگیز خان کی تاریخ کتاب گھر کے تاریخ (History) سیکشن میں دستیاب ہے۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

## احمد ترسون

کرتل میخاک شلوخوف کے لئے یہ تازہ ترین چوٹ موت کے پیغام سے کم ہرزہ زنجی۔ وہ جانتا تھا کہ اب معاملہ براہ راست کے جی بی کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ اس کی کابل میں موجودگی کے دوران لالہ چندل کا راز قاش ہو گیا۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ان حالات میں جبکہ پہلے ہی اس کے افسران بالا اس سے خوش نہیں تھے یہ حادثہ اسے لے ڈوبتا۔

ایک بات تو صاف ظاہر تھی کہ یہاں ”خاؤ“ کے ہیڈ کوارٹر میں ضرور کوئی چاہدہ بن کر آ دی موجود ہے۔ لیکن وہ کون ہے؟ یہ سوال اسے مسلسل کچھ کے لگا رہا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں یہاں موجودہ افغانیوں کے گرد گرد جو حال پھیل رہا تھا اور جس طرح ایک دوسرے سے ان لوگوں کی جاسوسی وہ کردار تھا۔ اس کے بعد یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ آ دی ان کی نظروں سے چھپا رہتا۔

**CapTrue 1.1** مان ہوتا رہا۔ کوئی راستہ اسے اس اندھیرے غار سے جس میں وہ اندھوں کی طرح ٹانگ ٹوئیاں مار رہا تھا نکلنے کا نظر نہیں آتا تھا وہ اپنے کمرے میں اکیلا بیٹھا تھا اور صبح سے لے کر اب تک بے تحاشا سگریٹ پینے کی وجہ سے اسے اب گلے میں خارش ہونے لگی تھی۔ اچانک اسے خیال آیا اور اس کے کرخت چہرے کے سنے ہوئے اعصاب ذرا ڈھیلے پڑ گئے۔

کرتل شلوخوف نے اپنے سامنے میز پر رکھی ٹھنکی کا بن دبا یا۔ فوراً ایک باوردی ضابطہ اندر داخل ہوا۔

”احمد ترسون کو لے آؤ۔“ اس نے ضابطہ کی طرف دیکھے بغیر کہا اور وہ انہیں پاؤں واپس گھوم گیا۔

”مارچیل“ میں جب سنائی کو یہ اطلاع ملی کہ احمد ترسون کو ”آپریشن چیف“ نے اچانک طلب کیا ہے تو اس کی باجھیں کھل گئیں۔ اس نے یہی اندازہ لگایا کہ اب شاید اس کی جان ہمیشہ کے لئے احمد ترسون سے چھوٹ جائے گی کیونکہ کرتل شلوخوف نے آج تک کسی کوشا باش دینے کیلئے طلب نہیں کیا تھا۔ وہ خود بھاگا بھاگا احمد ترسون کے پاس پہنچا۔

”تمہارے لئے خوش خبری آئی ہے۔“ اس نے ترسون پر نظر پڑتے ہی بڑے مٹھے انداز میں اسے کہا۔

”کیا؟“ ”ترسون کی چھٹی حس نے جیسے پہلے ہی سے اسے ”خوشخبری“ کا احساس دلایا ہو۔

”جہیں کرتل شلوخوف نے طلب کیا ہے۔ اس کا ضابطہ باہر کھڑا ہے ابھی اور فوراً۔“

ایک لمبے کے لئے تو احمد ترسون کو خون اپنی رگوں میں رکتا ہوا محسوس ہوا لیکن اس نے جلدی ہی سنبھال لیا۔

”ٹھیک ہے۔ میں نے فلگر خانے کا حساب رکھا تھا۔ وہ آپ دیکھ لیں۔“ کہتا ہوا وہ باہر آ گیا۔

سنائی اسے اپنے بلاک کے دروازے تک چھوڑنے گیا تھا۔ بلاک کے دروازے پر ایک مسلح ضابطہ اس کا منتظر تھا۔ ”آپ کو کرتل صاحب



نے یاد فرمایا ہے۔ "اس نے احمد ترسون کو دیکھ کر ہی میری دلچسپی کا کوئی سراغ نہ دیا۔"  
"چلو۔"

احمد ترسون اس کی معیت میں چلتا ہوا سوچ رہا تھا کہ ضرور اس کی کسی حرکت پر کرل شولوفوف کو شک ہو گیا ہے۔ اس نے ابھی تک کوئی "کام کی بات" سنائی سے متعلق بھی تو کرل تک نہیں پہنچائی تھی۔

دروازے پر مسلح محافظوں نے اس کی تلاشی لی اور اس کا سروں ریوالور اپنے پاس رکھ کر دروازہ کھولتے ہوئے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ مسلسل سگریٹ نوشی کی وجہ سے کمرہ دھوئیں سے بھرا ہوا تھا شاید سردی کے مد نظر شولوفوف نے ایگزاسٹ فین نہیں چلایا تھا۔

احمد سگریٹ نوشی نہیں کرتا تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی اسے اپنا دم گھٹنا محسوس ہوا اور اس کی گھبراہٹ میں نہ جاتے ہوئے بھی اضافہ ہو گیا۔ کرل شولوفوف اس کی طرف پیٹھ کے کھڑکی میں لگے شیشے پر جمی دھند اور اسے گھمکتی پانی کی یونڈوں پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔ جیسے وہ احمد ترسون کی طرف گھوما جو نیزہ ضابطہ کی ایڑیں آپس میں ٹکیں۔ اس نے کھٹاک سے سیلیوٹ مار کر اسے تعظیم دی۔

"تمہاری طرف سے ابھی تک کوئی خبر نہیں ملی۔"

CapTrue 1.1 سیدھا کھانڈا ترسون کے اعصاب پر مار دیا۔

"سرا میں نے اس پر مکمل نظر رکھی ہوئی ہے۔" احمد ترسون نے خود پر بہت قابو پایا تھا۔

"میں نے تمہیں نظر رکھنے کو نہیں رپورٹ کرنے کو کہا تھا۔ گلدے....."

شولوفوف نے اپنے ہاتھ میں پکڑے بید کو دوسرے ہاتھ پر مارتے ہوئے فیسے کا اظہار کیا اور اس نے لفظ "رپورٹ" پر خاصا زور دیا تھا اور اس کا مطلب ترسون بخوبی سمجھتا تھا۔

"کچھ بھی ہو....." شولوفوف کا لہجہ بڑا رواؤنا تھا۔ لرزادینے والا۔ اس کی شخصیت کے اسی روپ پر یہاں کے ملازموں نے اسے خوشنور

بھیڑے کا خطاب دے رکھا تھا۔

"مجھے ایک ہفتہ کے اندر ہر صورت اس کے خلاف ثبوت چاہئے۔"

اس نے حسب عادت چھڑی ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ پر ماری اور اس کی طرف گھور کر دیکھا۔ احمد ترسون کو اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلنے کا احساس ہو رہا تھا۔

وہ ہم کر رہ گیا۔

اسے یوں لگا جیسے اس کے جسم کی تمام توانائی آہستہ آہستہ نکل رہی ہو۔

"دفع ہو جاؤ....." کرل شولوفوف دھاڑا۔

احمد ترسون جب اس کے کمرے سے نکلا تو شدید سردی کے باوجود اس کا جسم سینے سے بھیگ رہا تھا..... ڈیوٹی پر موجود گاؤڈ نے بڑے

احترام سے اس کا ہسپتال لونا دیا۔ احمد ترسون نے دل اور دھڑکنوں سے پتا چلا دیا کہ یہ جہاد میں لڑ رہا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ شولوف یہ سارا چکر اسفندیار کو چھٹی کروانے کے لئے چلا رہا ہے..... سنائی چونکہ اس کا خاص آدمی تھا اور اس کا سلسلہ ایک مرتبہ اگر مجاہدین سے ثابت ہو جاتا تو اسفندیار کے یہاں قیام کے تمام مواقع بھی خود بخود ختم ہو جاتے۔ اول تو وہ خود ہی استغنیٰ دے دیتا۔ بصورت دیگر یہاں سے اس کا تبادلہ کر دیا جاتا۔

”لیکن وہ بیچارے بوڑھے سنائی کے لئے مشکلات کیوں پیدا کرے۔“ اس نے سوچا۔ جنم میں جائے شولوف۔ وہ بوڑھے سنائی کیلئے مشکلات پیدا کرنے سے پہلے ہی یہاں سے چلا جائے گا۔ یوں بھی وہ یہ نوکری افغان حکومت کے لئے تو نہیں کر رہا۔ اگلے روز وہ چپ چاپ یہاں سے نکلا اور مجاہدین کے مرکز پر پہنچ گیا۔ اس کی سابقہ ڈیوٹی اب کسی اور نے ادا کر لی تھی۔

☆ ☆ ☆ http://kitaabghar.com

ہائیکس روز کا جال جان لیوا سفر طے کر کے وہ بنگر ہار پہنچے تھے.....

یہ راستے اس کے لئے انجینی نہیں رہے تھے۔ یہاں کا ایک ایک ذرہ اس کے ساتھ ہی نفیم کے خلاف مصروف جہاد تھا۔ اسی راستے سے گزر کر ان کے لئے سڑک کے کفرکدے میں نورامیانی کی مشعل جلائی تھی..... آج انہی راہوں پر سفر کر کے وہ پناہ کی تلاش میں ادھر آ نکلا تھا۔

جلال آباد سے یہاں تک کا سفر انہوں نے پہاڑیوں میں چھپتے چھپاتے چھ سات روز میں طے کیا تھا۔ عموماً وہ یہ سفر دو روز میں طے کر لیا کرتا تھا لیکن اس مرتبہ کے جی بی بی اپنی ہی کرگزری تھی۔ یہ الگ بات کہ روی مکاٹر و زاوہ ”خاؤ“ کے ایجنٹ دونوں کی گرد کو بھی نہ چھو سکے!.....

دشمن نے اس راستے پر جاسوسی کا وسیع جال بچھا رکھا تھا۔ اس کے جاسوس مجاہدین کا لبادہ اوڑھ کر مختلف ”مراکز“ میں موجود تھے۔ وہ لوگ بڑی پچھلی سے شمشیر خان اور فیضان اوفلو کے منتظر تھے۔ ان کی گرفتاری یا موت کی صورت میں کسی بھی خبر کا منہ افغان سرکار موتیوں سے بھر دیتی۔

فیضان جانتا تھا کہ ان کے استقبال کو مجاہدین کے ہر ”فٹنڈ“ (مراکز) پر ”خاؤ“ کا کوئی نہ کوئی ایجنٹ ضرور موجود ہوگا۔ اس نے کوئی معمولی چوٹ دشمن پر نہیں کی تھی۔ ایسا بھرپور اور کیا تھا کہ دشمن مدقوں اپنا زخم چاٹتا رہتا لیکن اس کی تلافی ممکن نہیں تھی۔

الا چند میل کی موت اس علاقے میں کے جی بی کی موت تھی! یہ خبر دشمن کیلئے دھماکہ سے کم نہیں تھی کہ ”خاؤ“ کے مرکزی دفتر میں بھی مجاہدین کے ساتھی موجود ہیں اور دنیا میں جہاں کہیں افغان تارکیں وطن نے بسیرا کر رکھا ہے وہاں تک مجاہدین کے نظام جاسوسی کو بھی رسائی حاصل ہے۔ وہ جنہیں ان پڑھ، جاہل اور گمراہ سمجھ رہا تھا وہ لوگ اس کی شاطرانہ چالوں کو نہ صرف جانتے تھے بلکہ ان سے غٹنے کے فن سے بھی انہیں آگاہی حاصل تھی۔

کابل کے گرد و نواح میں مصروف جہاد مجاہدین اپنے مشن کی تکمیل کے بعد جب اپنے کیسوں کو لوٹنے تو وہ اپنے راستے میں آنے والے مجاہدین کی مختلف جماعتوں کے ”فٹنڈ“ (مراکز) پر قیام کرتے ہوئے واپس آتے تھے، لیکن دونوں نے یہ خطرہ مول نہ لیا۔ راستے میں پڑنے والے مختلف دیہاتوں سے انہوں نے پیٹ کی آگ بجھائی اور کسی نہ کسی طرح بنگر ہار پہنچ گئے۔ اس مرتبہ انہوں نے یہ سفر اکیلے ہی طے کیا اور نہ عموماً وہ لوگ

قائدوں کی صورت ہی میں سفر کیا کرتے تھے Capture and PDF by: Qamar Abbas  
نگار بار سے وہ خیر کے راستے پشاور گئے۔

http://kitaabghar.com ☆☆ http://kitaabghar.com

چند روز قیام کے بعد وہ دونوں بنوں کے راستے پر سفر کرتے دوبارہ میران شاہ کی طرف جارہے تھے..... جہاں پکتیان میں مجاہدین کے مضبوط مرکز ”ژاور“ پر دشمن کے حملے کی اطلاع نے مجاہدین کے قریباً سب ہی گروپوں میں تشویش کی لہر دوڑا دی تھی۔  
اس بات کا علم تو فیضان کو بھی ہو چکا تھا کہ دشمن ”خوست“ میں اپنی قوت جمع کر رہا ہے۔ قلعہ خوست میں اجتماع کا مقصد اس پر بخوبی عیاں تھا۔ وہ جان سکتا تھا کہ دشمن کی نظریں ہاڑی بلوہ اور ژاور میں موجود مجاہدین کی قلعہ بندیوں پر لگی ہیں۔  
ان علاقوں میں مجاہدین نے اپنے قدم بڑی مضبوطی سے جمائے تھے اور اپنے مورچے انہوں نے پہاڑوں میں اس طرح پھیلارکھے تھے کہ دشمن کی بمباری ان کا کچھ نہیں لگاؤ سکتی تھی۔

میران شاہ کی ایک خیر بستی میں فیضان مقامی کمانڈر مولوی حسن قلی کے پاس بیٹھا تھا۔ ایک نقشہ انہوں نے اپنے سامنے پھیلا رکھا تھا۔ 1.1 CapTrue  
وہ اسے دیکھ رہے تھے۔ گفتگو کے دوران بار بار بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا.....!!  
وہ ماسکو کا تربیت یافتہ ضابطہ تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ اس حملے میں روسی فوج کے ائربورن ڈویژن کے کمانڈر حصہ لے رہے ہیں.....!  
جنہا اپنی جگہ ایک اہم چیز ہے لیکن اسلحہ کی کمیابی نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔

”میں جانتا ہوں عمر خان تم کیا سوچ رہے ہو؟“ مولوی حسن قلی نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا..... ”لیکن یہ ہمارے ساتھ پہلی مرتبہ نہیں ہو رہا..... ہماری تعداد ہمیشہ کم رہی ہے۔ اور نہ ہونے کے برابر ہے ہم نے ہر حملہ اللہ کے بحرو سے اور اپنے ایمان کی قوت پر روکا ہے..... عمر خان تم نہ بھی کچھ کو مجھے دشمن کے حملے کی شدت کا اندازہ ہے۔ ہمارے پاس ٹینک حکم نہیں ہونے کے برابر ہے ہم ہوائی جہازوں کو کیسے گرائیں گے۔ لیکن اس کے باوجود ہم نے یہ جنگ لڑنی ہے..... آخری دم تک ”ژاور“ کی لڑائی کا اثر اس محاذ کے ہر مورچے پر موجود جوانوں پر ہو سکتا ہے۔“  
”بس مولوی جی اور کچھ نہ کہیے!“ ضابطہ عمر خان کی آنکھیں فضا میں کہیں جھانک رہی تھی۔

تینوں کچھ دیر تک حملہ کرنے کی چانگ کرتے رہے پھر تینوں ایک ہی جیب میں بیٹھ کر ”ژاور“ کی طرف روانہ ہو گئے۔  
اگلے ہی روز دشمن نے حملہ کر دیا۔  
حملے کا آغاز کمانڈوز نے کیا.....!

علی الصبح..... افغان فوج کے کمانڈوز کو پہلی کاپڑوں کے ذریعے لوہا کی پہاڑی پر اتار دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ژاور کے گرد و گرد بنی قریباً سب ہی اہم پہاڑوں پر افغان چھاتہ برداروں کا نڈی دل پھیلنے لگا۔

دشمن نے وہی چلی تھی جو عموماً ایسی لڑائیوں میں چلی جاتی ہے۔ فرنگی بھی یہاں کے جیالوں سے ٹھنڈے کے لئے حربے آزمایا کرتا

Capture and PDF by Qamar Abbas

تھا۔ اسی طرح دشمن نے مجاہدین کے سروں پر اپنی تمام چیزیں سبب لڑائی کیں۔  
اب دشمن نے ان پہاڑی مورچوں کے کور (Cover) کے ساتھ آگے ایڈوانس کرنا تھا۔ مجاہدین نے اپنے پاس جیسے ہی اسلحہ کے ساتھ حملہ آور پہلی کا پٹروں میں سے دو کواہر مارا اور دشمن کے سینکڑوں کمانڈرز کا بھی صفایا کر دیا۔  
لیکن..... دشمن نے بے پناہ قوت کے بل بوتے پر یہ حملہ کرنے کا خطرہ مول لیا تھا۔ مجاہدین کو کمانڈرز کے ساتھ مقابلے میں الجھا کر دشمن کی آرٹلری نے ”ترغار“ کی بلند پہاڑیوں کی اوٹ میں اپنے محفوظ مورچوں سے مجاہدین پر قیامت ڈھا دی۔  
اس کے ساتھ ہی افغان فضائیہ کے دو سکوارڈن حملہ آور ہوئے۔ زمین اور فضا سے بیک وقت دشمن اتنی تیز اور مسلسل بمباری کر رہا تھا کہ کسی مجاہد کو مورچے سے سر اٹھانے کا موقعہ نہیں مل سکتا تھا۔  
افغان توپ خانہ اپنے روسی آقاؤں کی کمان میں ایک ایک انچ زمین پر آگ برسا رہا تھا۔ آسمان سے آتش و آہن کا الگ سیلاب مجاہدین پر برس رہا تھا۔

آخرین بے ان جیالوں پر جو اس آتش نمرود کے طوفان کے سامنے سینہ سپر ہے۔ رات تک دشمن نے تباہ کن بمباری جاری رکھی اور علی الصبح ہیوں و پٹھانوں کی بمباری آڑ میں قلعہ خوست میں موجود پیدل فوج نے ڈاور کی طرف بڑھنا شروع کر دیا!  
مجاہدین کی تعداد دشمن کے مقابلے میں آٹے میں نمک جتنی بھی نہیں تھی۔ فیضان مولوی شیرگل کے ساتھ باڑی مرکز پر مشین گن سنبھالے بیٹھا تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے دشمن کے بہتر بند قافلے گزر رہے تھے۔ لیکن اس ہلکی مشین گن سے وہ ان کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھا۔ وہ جوش فضا میں جو گولیاں ان فوڈا کے ڈھیروں پر پھینکتا وہ صرف دشمن کی آواز پیدا کر کے رہ جاتیں۔  
پیدل فوج پر البتہ وہ قہر برساتا رہا۔

شام تک مرکز میں موجود قریباً ہر مجاہد یا تو شہید ہو چکا تھا یا پھر شدید زخمی تھا۔  
تھوڑے زخمی مجاہدین اپنے زیادہ زخمی ساتھیوں کو ڈاور کی طرف منتقل کرتے رہے رات ڈھلنے تک مرکز میں فیضان کے ساتھ مولوی شیرگل اور دو زخمی مجاہدین باقی رہ گئے تھے.....

”فیضان! مقابلہ بے سود ہے..... ہمیں ڈاور کی طرف پسپائی اختیار کرنا ہوگی۔“ مولوی شیرگل نے جو اس کے نزدیک ہی ایک زخمی مجاہد کے بازو پر اپنی چٹری باندھ رکھا تھا۔ فیضان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

فیضان نے گردن موڑ کر مولوی گل شیر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ اور بے بسی کے ملے جلے قہر نے پناہ لے رکھی تھی۔ مولوی شیرگل جانتا تھا کہ فیضان کا دل اس کی بات قبول نہیں کر رہا۔

لیکن..... اس نے بھی یہ فیصلہ بادل خواست ہی کیا تھا۔  
وہ نہیں چاہتا تھا کہ صبح اپنے اس قیمتی جانا باز سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے۔ ”فیضان میرے بیٹے! میں تمہارے جذبات اچھی طرح سمجھتا

ہوں۔ مجھے معلوم ہے تم کیا سوچ رہے ہو۔ Capture and PDF by Qamar Abbas یہ جنگ جانے کتنی لمبی ہو جائے۔ ہمیں جانے ابھی کب تک لڑنا ہے..... مجھے کچھ اپنے پاس محفوظ بھی رکھنا ہوگا۔ میرے بیٹے.....!"

http://kitaabghar.com

"یا امیر! امیر اول پسپائی اختیار کرنے کو رضامند نہیں....."

فیضان نے اس کے علاوہ کچھ نہ کہا۔

"نہیں بیٹے! یہ حکمت عملی کا تقاضا ہے۔ مسلمان میدان جہاد سے پیٹھ نہیں دکھایا کرتا۔ ہم پسپا ہو رہے ہیں۔ وہاں آنے کیلئے..... خدائے وحدہ لا شریک کی قسم اگر ہماری رگوں میں افغانی ماؤں کا خون ہی دوڑ رہا ہے تو ہم "ڈاور" پر دشمن کا قبضہ کبھی برقرار نہیں رہنے دیں گے۔"

تینوں نے رات کے اندھیرے میں پسپائی اختیار کی تھی پہلے وہ "ڈاور" آئے جہاں صورت حاصل مختلف نہیں تھی..... دشمن کی سینکڑوں لاشوں کے درمیان انہیں مجاہدین کے شہید لاشے بھی دکھائی دے رہے تھے۔

http://kitaabghar.com

ایک ایک کر کے شاید تمام مجاہدین اپنی حاضری اللہ کے حضور لگوا چکے تھے!

تینوں نے "ڈاور" پر حسرت کی نظر ڈالی اور میران شاہ کی طرف چل دیے..... گو کہ دشمن ہر طرف گھیرا ڈال چکا تھا لیکن کسی نہ کسی طرح یہ تینوں پہنچ گئے۔ CapTrue 1.1

ان کی آمد سے پہلے کچھ دشمنی مجاہد یہاں موجود تھے۔ جن کی زبانی اطلاع ملی کہ سوائے دو تین مورچوں کے باقی ہر جگہ مزاحمت دم توڑ چکی ہے۔ مجاہدین یا تو شہید ہو چکے ہیں یا پھر شدید دشمنی حالت میں وہاں سے فرار ہو گئے ہیں۔

http://kitaabghar.com

علی الصبح میران شاہ میں تمام محاذوں کے کمانڈر جمع ہو چکے تھے۔!! وہ لوگ مل کر کوئی لائحہ عمل طے کرنے لگے۔ پھر ظہر کی نماز تک ایک فیصلے پر پہنچ کر سب مطمئن ہو گئے۔

اسی روز مغرب کے بعد مختلف مراکز سے اکٹھے ہونے والے قریباً سات آٹھ ہزار مجاہدین دشمن کی موت کا پیغام بن کر اپنے اپنے مراکز سے "ڈاور" کی طرف یلغار کرنے لگے..... ان کی دہشت اتنی زیادہ تھی کہ ان کی آمد کی اطلاع پر ہی دشمن اپنا بھاری اسلحہ چھوڑ کر بھاگنے کی تیاری کرنے لگا۔

http://kitaabghar.com

اس دوران مجاہدین نے جو دشمنی حالت میں پہاڑوں میں چھپے ہوئے تھے لوہا اور باڑی پانچپن شروع کر دیا اور اس طرف سے فرار ہونے والے روسی افغان فوجیوں کے فرار کے راہیں مسدود کر دیں۔ دشمن بری طرح گھیرے میں آ چکا تھا۔ اس کا مورال تو مجاہدین کے اتنی زیادہ تعداد میں اکٹھے ہو کر حملہ کرنے کی خبر سے ہی ختم ہو چکا تھا.....! جب دشمن کو یہ احساس ہوا کہ وہ گھیرے میں بھی آ گیا ہے تو اس کے حوصلہ بالکل ہی پست ہو گئے۔

http://kitaabghar.com

دو پہر تک مجاہدین کا قبضہ دوبارہ خوست تک ہو چکا تھا۔ سینکڑوں روسی افغان فوجی مارے گئے تھے اور سینکڑوں ہتھیار ڈال چکے تھے۔

http://kitaabghar.com





Capture and PDF by: Qamar Abbas

## محسن کا ملاپ

نگار ہار سے پاڑہ چنار کے طرف آنے والے راستے پر دونوں بڑی دیر سے نظریں جمائے بیٹھے تھے..... اس راستے پر مجاہدین عموماً بہت چوسک ہو کر پہرہ دیا کرتے تھے کیونکہ اس راہ سے مہاجرین کے لئے پٹے قافلے پاکستان میں داخل ہوتے تھے.....!

فیضان خود آنکھوں سے دور بین لگائے خستہ اور غڑھال لیکن سرخ و سپیدہ اور پر عزم چہروں کے مالک افغانوں کو دیکھ رہا تھا..... ان کے جسموں پر کپڑوں کے بجائے چیتھڑے لٹک رہے تھے اور شدید سردی میں لرزتے، کپکپاتے اپنے گھروں کو خیر باد کہہ کر وہ ہمسایہ مسلمان مملکت کی طرف ہجرت کر رہے تھے۔

انہیں دیکھ کر فیضان کا ذہن چودہ سو سال پیچھے لوٹ گیا۔ اس نے تصویر کی آنکھ سے خدا کے ان برگزیدہ بندوں کو دیکھا جن پر مکہ کی زمین محض 1.1 CapTrue کہ انہوں نے خدا کے اصلی چچے اور ہمیشہ رہنے والے دین کی حقانیت کو قبول کر کے اس دین میں کوانسائوں تک پہنچانے والے وغیرہ نبی آخر الزماں محمد ﷺ کی صدائے حق پر لبیک کہا تھا۔

ان میں وہ بھی شامل تھے جو اپنے قبیلوں کے سرکردہ لوگ شمار ہوتے تھے..... ان میں وہ بھی تھے جن کی حیثیت سے کبھی مکہ کی گلیاں لرز اُرتی تھیں۔ جن کے وہ دبے اور جلال کے سامنے انسانی نظری نہیں ٹھہرتی تھی لیکن آج.....!

آج وہ سب اپنی سرداریاں، عزت، جاہ، منصب چھوڑ کر اپنے سردار رحمت اللعالمین محمد ﷺ کے حکم پر مکہ سے مدینے کی طرف ہجرت کر رہے تھے.....!!

تاریخ کا ایک اور ورق پلٹا اور اس کی نگاہیں ابو جندل کے باپ پر گز گئیں! جو صلح حدیبیہ کا معاہدہ کھنسنے سے پہلے ہی پاؤں میں جڑیاں پہنے گرتے پڑتے وہاں آن پہنچے تھے.....!!

ابو جندل نے روتے ہوئے فریاد کی تھی۔

یا رسول اللہ ﷺ! یہ دیکھنے میری پینہ پر کوڑوں کے نشان ابھی تازہ ہیں.....!

میرا سیدہ چلنے ہوئے چہروں سے داغا گیا ہے!

میری پشت کو تھقی ریت پر گھسیٹا گیا ہے!

ان کافروں نے مجھے ہر ممکن اذیت بہم پہنچائی ہے۔

میرا جرم کیا ہے؟..... یہی جرم ہے میرا کہ میں نے اعلانِ کفر کے الحق پر لبیک کہا ہے.....!

Capture and PDF by: Qamar Abbas

یا رسول اللہ ﷺ یہ لوگ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ سے بیزار رہنے کا اعلان کر دو ورنہ اسی سرسٹائے جاؤ گے..... مگر میں نے صاف کہہ دیا کہ ظالم و وحشیو! نادانو! محمد ﷺ کی رفاقت اور اخلاعت پر مجھ ایسی ایک تو کیا ہزار جانیں بھی قربان۔

تم میرے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دو..... میرے ہر عضو کو دھکتی ہوئی آگ سے دھندلا کر دو..... تمہارے کوڑے میرے خون میں نہا جائیں لیکن جب تک میرے جسم میں خون کی ایک رقیق بھی باقی ہے..... جب تک میری سانسوں کا رشتہ ٹوٹ نہیں جاتا میں اللہ کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کا دم بھرتا ہوں گا!

ابو جندل بڑی مشکل سے بیڑیوں سمیت فرار ہو کر آئے تھے لیکن حضور ﷺ انہیں پناہ دے سکے..... انہیں واپس جانا پڑا۔ تاریخ کا سفر جاری رہا۔

اس کے چشم تصور نے اگلا ورق ٹٹا تو دیکھا کہ وہی مظلوم، اور اپنے گھروں سے نکالے گئے مقبور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین تاجدار نبوت ﷺ کی سربراہی میں جوق در جوق اسی مکی طرف بڑھ رہے ہیں جن کی زمین ان پر تلگ کر دی گئی تھی!!

مکی وہ گھماں، جن کی کھڑکیوں اور دروازوں سے مسلمانوں پر پتھروں اور گالیوں کی بارش ہوا کرتی تھی آج انکی جلالت کے سامنے سرنگوں تھیں۔ اس سر بھرا سر پہاں سے زرنے والے مجبور انسان آج فاتح بن کر لوٹے تھے..... ان کی گردنیں تو اب بھی خدا کے حضور جھکی ہوئی تھیں۔

لیہ تو ان پر گزرا جن کی نخوت سے جتنی ہوئی گردنیں خم کھا گئیں..... اوہ جنہوں نے مسلمانوں کو گھروں سے بے گھر کیا تھا..... ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے تھے..... انہیں عرب کے پتے پر گیزاروں پر گھسیٹا تھا..... پہاڑوں کی گھاٹیوں میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا..... ان کے دشمن اور خون آلود جسموں پر گھوڑے دوڑائے تھے.....!

وہ چاروہ حاصر قریش کے سردار بدھاس اور سر اسیمہ ہو کر اپنے گھروں میں بزدلوں کی طرح بند ہو کر بیٹھ رہے تھے۔ مقابلہ کرنا تو دور کی بات تھی..... اس لشکر جبار کے سامنے کسی کو آکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

قریش کے بازوئے شجاعت آج شل ہو گئے تھے۔ جراتیں جواب دے گئی تھیں!

ان کی آبائی عربی غیرت پراں پڑ گئی تھی.....! تلواریں زنگ آلود ہو گئی تھیں۔

مکہ میں مقام خیف ہی کو نبی کریم ﷺ کی پہلی قیام گاہ کا شرف حاصل ہوا.....! یہ وہی مقام مظلومیت تھا جہاں بنو ہاشم کفار مکہ کی طرف سے اپنے بایکاٹ کے بعد محصور ہوئے تھے.....!

کل کے محصور آج کے فاتح تھے.....!

کل کے ظالم آج اپنے ہاتھوں ستائے گئے مظلوموں کی چشم کرم کے محتاج تھے۔ ان کے سامنے پناہ کے لئے، زندگیوں کی امان کے لئے

Capture and PDF by: Qamar Abbas

گزرنا رہے تھے!!.....

اتجائیں کر رہے تھے۔

حق آ گیا تھا..... باطل کا جنازہ اٹھ چکا تھا.....!

اور فیضان سوچ رہا تھا.....!

کیا سچائی کو اپنا آپ منوانے کے لئے ان مراحل سے گزرنا ضروری ہے؟ تو اسے قرآن کی وہ آیات یاد آئیں جن میں اللہ نے اپنے بندوں سے امتحان لینے کا ذکر کیا تھا.....!

☆☆

ماضی میں سفر کرتا فیضان اولوحوال کی تلخ حقیقت میں واپس لوٹا تو اچانک اس کی دور بین اللہ کے راستے پر سفر کرتے ایک بوڑھے مسافر پر فوکس ہو رہی گئی۔

”میرے خدا! یہ تو ویسے ہے“ وہ بڑبڑایا۔

CapTrue 1.1

وہی بوڑھا مصور..... جس نے اس کی تصویر حیات میں بڑے گہرے رنگ بھرے تھے جس نے اسے مرنے کے بجائے جینے کی راہ دکھائی تھی..... جس نے اسے زندگی کے حقیقی مفہوم سے آشنا کیا تھا۔

یہی تھا اس کا محسن عظیم.....

فیضان بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پھر دیوانہ وار اس کے قدم بڑی تیزی سے اپنی سمت آنے والے پتھر پر راستے پر اٹھنے لگے جس سے گزر کر قافلے نے یہاں پہنچنا تھا۔

پہاڑیوں میں مورچہ بن مجاہدین نے ممکنہ فضائی اور زمینی حملے کے پیش نظر اس قافلے کو اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ بڑوں دشمن ان نیچے اور بے بس مظلوم مجاہدین پر اس وقت تک فضا اور زمین سے آگ برساتا رہتا ہے جب تک وہ سرحد پار نہ کر جاتے.....!

اپنی حدود میں قدم رکھنے کے فوراً ہی بعد مجاہدین ان مظلوموں پر اپنی گولوں کا سایہ کر دیتے تھے۔

فیضان کو اچانک بھاگتے دیکھ کر اس کے تین ساتھی اس کے تعاقب میں لپکے انہیں کمانڈر فیضان کی اس اچانک حرکت نے بوکھلا کر ہی تو رکھ دیا تھا..... فیضان کا رخ اپنے بوڑھے محسن کی طرف تھا.....!!

بوڑھے مصور کے نزدیک پہنچ کر دوڑ گیا..... قافلے والوں کی نظریں اس کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔

”بزرگوار!“ اس کے منہ سے بمشکل نکلا۔

”میرے بچے..... بوڑھے مصور نے اسے پہچان کر اپنی بانہیں پھیلا دیں۔

فیضان ان کی ہانہوں میں سٹپ ہو کر رہ گیا۔ Capture and PDF by Qamar Abbas  
جانیے اس بوڑھے مصور کے پاس ایسی کیا روحانی قوت تھی کہ اس کے سامنے آکر فیضان ہمیشہ دب کر رہ جاتا تھا۔

”کیسے ہیں آپ؟“..... یہ فقرہ بھی اس نے بالکل الاشعوری طور پر ادا کیا تھا۔  
میری بات چھوڑ دینا..... میرا سفر تو ختم ہوا..... خدا کا شکر ہے میں کم از کم سرخرو ہو کر دنیا سے جا رہا ہوں..... تمہارے کارناموں کی خبر مجھے ملتی رہتی ہے.....!!

”آئیے! میرے ساتھ آئیے“.....

فیضان نے اسے سہارے کر ایک طرف کرنا چاہا۔ اس نے محسوس کر لیا کہ اس کا محسن شاید اس سے زیادہ غرا اپنے قدموں پر نہ کر سکے۔  
”نہیں میں خود چل کر جا سکتا ہوں“.....

بوڑھے مصور نے کہہ کر ابھی بمشکل ایک قدم ہی بڑھایا تھا جب وہ اچانک لڑکھڑا گیا۔

فیضان اور اس کے دوسرے مجاہد ساتھی نے اگر اچانک ہی اس کو سہارا نہ دیا ہوتا تو وہ گر پڑتا۔

CapTrue 1.1  
..... ان کو عتب سے بوڑھے کا نام لے کر پکارا۔

”بس کرو..... تم اور نہیں چل سکتے..... تمہارا زخم بگڑ چکا ہے“.....

آواز کے تعاقب میں فیضان نے گردن موڑی تو کشادہ پیشانی اور گہری آنکھوں والے ایک نوجوان سے اس کی آنکھیں ٹکرائیں جس نے بوڑھے کو اس کا نام لے کر پکارا تھا۔

فیضان کے استفسار کرنے سے پہلے وہ ان کے نزدیک پہنچ گیا۔

”غلام اللہ پر بہت تشدد ہوا ہے..... یہ بڑی مشکل ہے ان کے چنگل سے نکل کر بھاگا ہے..... ہم نے دیسی ٹونگوں سے علاج کیا ہے اس کا

..... اس کی حالت بہت خراب ہے..... جلدی کرو..... میں میڈیکل کا طالب علم ہوں..... میں اس کی حالت کو زیادہ بہتر جانتا ہوں..... جلدی

کرو..... جتنی جلدی ممکن ہو اسے طبی امداد ملنی چاہئے..... نوجوان بے راہی گفتگو کر رہا تھا۔

فیضان کو یوں لگا جیسے کسی نے اچانک زوردار گھونرہ اس کے دل پر مارا ہو۔ اس نے بوڑھے کو اپنے کندھوں پر اٹھایا اور پتھر لیے راستوں پر

قریباً بھاگتا ہوا اس پناہ گاہ کی طرف بڑھا جہاں مجاہدین نے ہنگامی طبی امداد کا مرکز قائم کر رکھا تھا۔

اس علاقے میں ان لوگوں نے حال ہی میں مورچہ بندیاں کی تھیں اور فیضان کے علاوہ دوسرے گروہیں کے مجاہدین بھی یہاں موجود

رہتے تھے..... جیسے ہی وہ اپنے بوڑھے محسن کو اٹھائے پناہ گاہ تک پہنچا اس نے وہاں موجود بہت سے بوڑھے اور نوجوان مجاہدین کو اپنی طرف آتے دیکھا۔

”غلام اللہ.....“

Capture and PDF by: Qamar Abbas

”یہ تو غلام اللہ ہے۔“

”زخمی ہے شاید؟“

”غلام اللہ ٹھیک تو ہوتا؟“

کئی آوازیں اسے پہچان کر ابھریں۔

غلام اللہ نے کسی کی بات کا جواب نہ دیا۔ ایک مسکراہٹ بدستور اس کے ہونٹوں سے چپکی رہی۔

فیضان نے اسے اندر موجود ایک سڑچر پر لٹا دیا۔ مہاجرین میں آنے والا میڈیکل کا طالب علم بھی اس کے ساتھ ان کے تعاقب میں

چلا آیا تھا۔

”مجھے بھی دیکھئے دو۔۔۔۔۔ میں انہیں زیادہ بہتر طریقے پر سمجھا سکوں گا۔“

اس نے سڑچر کے نزدیک موجود دو جھگے ہارے ڈاکٹروں کی طرف اشارہ کیا جو چند منٹ پہلے ہی ایک مجاہد کی مرہم پٹی سے فارغ ہو کر

یہاں بیٹھے تھے۔

CapTrue 1.1

”اس کے پیٹ کا زخم بہت گہرا ہے۔۔۔۔۔“

اس نے خود ہی سڑچر پر لیٹے غلام اللہ کے پیٹ سے لپٹا ایک میلا سا کپڑا لگ کرتے ہوئے کہا۔

دونوں ڈاکٹر اس طرف لپکے۔

”انفلکشن ہو گیا ہے شاید۔۔۔۔۔“

تینوں نے ایک دوسرے کی طرف متوجہ نظروں سے دیکھا۔

”ہری اپ۔۔۔۔۔ ایک نے جوان میں سینٹر تھا اپنے ساتھی سے کہا۔

”تم لوگ باہر جاؤ۔۔۔۔۔ اسی ڈاکٹر نے فیضان اور اس کے ساتھی کو مخاطب کیا۔

”ڈاکٹر صاحب! میں۔۔۔۔۔ فیضان نے کچھ کہنا چاہا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ جاؤ۔۔۔۔۔ تم لوگ فوراً چلے جاؤ۔۔۔۔۔“

ڈاکٹر کو شاید ان کا بھی تک یہاں رکن گوارا نہیں تھا۔

فیضان نے ایک مرتبہ اپنے محسن کی طرف دیکھا اور تیزی سے باہر نکل آیا۔ طبی امداد کا یہ چھوٹا سا کمرہ ایک پہاڑی کو کاٹ کر بنایا گیا تھا

جس میں ان لوگوں نے ایک دروازہ بھی فٹ کر رکھا تھا۔۔۔۔۔ ان کے باہر نکلتے ہی ڈاکٹروں نے دروازہ بند کر دیا۔

☆☆



یہ ڈاکٹر بھی وہ مجاہد تھے جو مختلف Capture and PDF by: Qamar Abbas کے ساتھ دن رات وہ ڈھکی مجاہدین کی زندگیوں کا تحفظ کرنے کے لئے موت سے برسرِ پیکار رہتے تھے۔ بسا اوقات ایک ایک دن میں درجنوں مجاہدین یہاں لائے جاتے۔ جن کو صرف ایک یا دو ڈاکٹر بغیر کسی مددگار کے طبی امداد دیتے تھے۔

کمرے کا دروازہ تقریباً آدھ گھنٹے بعد کھلا تھا۔!

یہ آدھ گھنٹہ فیضان کے لئے کئی صدیوں پر محیط ہو گیا تھا۔ اس آدھ گھنٹے میں اس نے زندگی کا بڑا روحانی کرب محسوس کر لیا تھا۔ بے اختیار اس کی نظریں باہر آنے والے ڈاکٹر کی طرف اٹھیں۔

”دعا کرو.....“ ڈاکٹر نے اس سے نظریں ملائے بغیر کہا۔ اور ہاتھ دھوئے کے لئے نزدیکی چشمے کی طرف بڑھا۔

”میں اس سے مل سکتا ہوں؟“..... فیضان کی آواز پڑ ڈاکٹر رک گیا۔ اس نے بڑی عجیب سی نظروں سے فیضان کی طرف دیکھا۔

”کمانڈر فیضان! تمہارا کوئی رشتہ ہے اس سے؟“

”تم سمجھ سکو گے ڈاکٹر!.....“ فیضان کی آواز کہیں دور فضاؤں میں کھو گئی۔

CapTrue 1.1

میرے نزدیک نہ آؤ مجھے اپنی بات پوری کرنے دو۔“ اس نے رک رک کر کمرے میں موجود دونوں انسانوں کو احکامات سنائے۔

☆☆

غلام اللہ ہوش و حواس میں بظاہر بڑے اطمینان سے کمرے میں رکھے ہوا صلحے کے چنگ پر لیٹا ہوا تھا۔ فیضان کو اندر آتے دیکھ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اس کے سر ہانے کمرے کے قافلے کے ساتھ آنے والے میڈیکل سٹوڈنٹ نے اسے روک دیا۔

”بابا! تم کہاں رہے اتنی دیر..... میں نے تمہیں بہت تلاش کیا۔“ فیضان بے اختیار بول پڑا۔

”میں اپنی ڈیوٹی پر تھا بیٹا! جس طرح تم اپنا کام کر رہے ہو۔ میں وہاں کا بل میں کام کر رہا تھا۔ ایک روز ان لوگوں کو میری کسی حرکت پر شک گزرا اور مجھے گرفتار کر لیا گیا۔“ اچانک درودی ایک ٹیس اٹھی تھی بوڑھا غلام اللہ وہ ہرا ہو کر رہ گیا۔

فیضان بے ترقاری سے اس کی طرف بڑھا۔

”نہیں..... کچھ نہیں..... تم ہٹ جاؤ..... میرے نزدیک نہ آؤ مجھے اپنی بات پوری کرنے دو۔“ اس نے رک رک کر کمرے میں

موجود دونوں انسانوں کو احکامات سنائے۔

فیضان میں اتنی جرأت بھی نہیں رہ گئی تھی کہ وہ اس کی بات کاٹ کر اس کا حال ہی دریافت کر لے۔

”ان لوگوں نے مجھ پر ہر ممکن تشدد تو ڈالیا لیکن میں نے انہیں کچھ نہیں بتایا۔ میں بعددِ ہاک ان کا شک غلط اور بے بنیاد ہے..... کسی نے

میرے خلاف انہیں بھڑکانے کی سازش کی ہے۔“ چند لمحوں کے لئے رک کر اس نے اپنی سانسوں کے منتشر ہونے پر توجہ دینا۔

”دراصل میں یہ چاہتا تھا کہ کسی طرح مجھے اس آستین کے ساپ کا پتہ چل جائے جس نے میری ٹخری کی تھی.....“

”دو ماہ تک مجھ پر تشدد کرنے کا سلسلہ جاری رہا۔ Capture and PDF by Qamar Abbas غلط فہمی یا پھر اس نے حسد کے جذبے کے تحت میرا نام لے دیا ہے۔“

http://kitaabghar.com

”مجھے ایک گھونٹ پانی دو۔“ اس نے رک کر لمبا سانس لیا۔

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی لمبا سفر کر کے تھک گیا ہو اور اب آرام کرنا چاہتا ہو۔

”پھر مجھے علم ہو ہی گیا اس آستین کے سانپ کا۔“ اس نے فیضان کی طرف دیکھا۔ ”اور میں نے اسے مار ڈالا۔۔۔۔۔!! مجھے علم نہیں تھا کہ اس کی نگرانی بھی کی جا رہی ہے۔ بھاگتے ہوئے مجھے اس کے محافظ کی گولی لگ گئی۔۔۔۔۔ اندھیرا تھا جو جیج نکلا۔۔۔۔۔ ورنہ شاید تم سے اگلی ملاقات اس زندگی میں کبھی ہو ہی نہ سکتی۔“ فیضان تڑپ اٹھا۔

”اس نوجوان نے اصل میں مجھے یہاں تک پہنچایا ہے۔۔۔۔۔ مجھے یہ امید نہیں تھی کہ دوبارہ زندگی میں کبھی اپنے لوگوں سے مل پاؤں گا۔۔۔۔۔ تم فوراً ایک کام کرو۔“

”کیا؟“ فیضان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

CapTrue 1.1 یہ کسی طرح یہاں لے آؤ۔۔۔۔۔ اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔

”قاسم“ کو۔۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔۔ ٹھیک ہے۔ تم میرا انتظار کرنا۔“ فیضان کھلی کی سی سرعت سے باہر نکل آیا۔

باہر آ کر اسے احساس ہوا کہ اس نے اپنے دم توڑتے ہوئے محسن سے جھوٹ بولا ہے۔ وہ قاسم ایٹان زادہ کو اتنی جلدی یہاں کیسے لاسکے گا۔۔۔۔۔ وہ تو یہاں سے چند روز قبل دور ایک خفیہ ٹھکانے میں موجود تھا جہاں پہنچنے کے لئے بھی اسے دشمن کے علاقے میں سے گزرنا پڑتا۔

”کچھ بھی ہو۔۔۔۔۔ اس نے اپنے آپ سے کہا۔“ میں اپنے محسن کی آخری خواہش ضرور پوری کروں گا۔“

☆☆

برق رفتاری سے پہاڑی سلسلوں میں بھاگتا ہوا وہ مولوی گل شیر تک پہنچا تھا۔ اس نے مقامی کمانڈر کو بتایا کہ وہ کسی دم توڑتے مجاہد کی آخری خواہش کے احترام میں قاسم ایٹان زادہ کو بلانے جا رہا ہے تو اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی بادل خواست فیضان کو اجازت دے دی۔ اس علاقے میں دو تین روز پہلے ہی روسی فوج نے کابل فوجیوں کے ساتھ مل کر مورچے سنبھالے تھے۔ یوں بھی یہ میدان کارزار تھا اور پچھلے کچھ عرصے سے طرفین یہاں زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہے تھے۔!!

شام کا گھبراہٹ اندھیرا بارود سے جلی پہاڑیوں کے پتیلے اور کالے سبزے پر رنگ رہا تھا جب فیضان اپنے مورچے سے باہر نکلا۔۔۔۔۔! اس نے پہاڑی کالمبا چکر کاٹ کر قدرے محفوظ راستہ اختیار کیا تھا۔ یوں تو وہ لوگ اکثر رات کو گھات لگانے بھی انہی راستوں سے گزر کر جایا کرتے تھے، لیکن آج اس کا ”مارگٹ“ خاصا مشکل تھا۔

اس راستے پر چھٹی بارودی سرنگوں سے پختا بچا تاہو کسی نہ کسی طرح مجاہدین کے اس خفیہ ٹھکانے تک پہنچ ہی گیا جہاں بوڑھا قاسم ایٹان

Capture and PDF by: Qamar Abbas

زادہ مجاہدین کی کمان کر رہا تھا۔

فیضان کو اس طرح اچانک اتنی رات گئے وہاں دیکھ کر وہ چونکے بغیر نہ رو سکا۔ جب اس نے اپنے یہاں آنے کا مدعا بیان کیا تو قاسم ایٹان زادے کے بدن کا سارا ہوا اس کے چہرے سے ہٹ گیا.....!!

اپنے دیرینہ ساتھی غلام اللہ کا نام سنتے ہی اندھیری رات میں بھی اس کا چہرہ دک اٹھا۔ اس کے جذبات کی شدت کا اندازہ فیضان بڑی آسانی سے لگا سکتا تھا۔

”میں ضرور چلوں گا..... ابھی تیار ہوتا ہوں۔“ اس نے بے کفلی سے کہا۔

اپنی آمد کے قریب پندرہ بیس منٹ بعد ہی فیضان دوبارہ واپسی کے لئے تیار کھڑا تھا۔ بوڑھے ایٹان زادہ نے اپنی کلاشکوف اس طرح ہاتھ میں پکڑ رکھی تھی کہ چند لمحے کی مہلت ملنے پر بھی وہ آزادانہ اسے استعمال کر سکتا تھا۔ مقامی مورچے کی کمان اس نے دم رخصت اپنے نائب کے سپرد کر دی تھی۔

تین مجاہدوں کا ایک دست انہیں دو تین میل دور تک چھوڑنے آیا تھا۔ اس کے بعد فیضان نے انہیں زبردستی واپس بھیج دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کا دیرینہ دوست اس کی سرورس میں ہے۔ اور ان میں سے کسی ایک کی کمی بھی کتنی گراں گزر سکتی ہے۔

CapTrue 1.1

دونوں ایک دوسرے کے تعاقب میں آگے پیچھے چل رہے تھے۔ ان کی خوش قسمتی اندھیری رات کی صورت میں ان کے سروں پر سایہ نکلنے لگی۔ کبھی قاسم آگے ہوتا اور کبھی فیضان..... دونوں ایک دوسرے سے کچھ فاصلہ رکھ کر لیکن ایک دوسرے کے چھوڑے ہوئے قدموں کے نشانات پر پاؤں دھرتے آگے بڑھ رہے تھے کیونکہ کسی بھی بارودی سرنگ پر اچانک پاؤں کا بوجھ پڑنے سے چھٹ جانے پر وہ ایک کے بجائے دو جانوں کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے!!

فیضان آگے آگے چل رہا تھا جب اچانک اس نے اپنے کندھے پر قاسم ایٹان زادہ کے ہاتھ کا دباؤ محسوس کیا۔

☆☆

وہ ٹھنک کر رک گیا.....!!

قاسم نے نزدیک آ کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔ اس نے نزدیک ہی کہیں قدموں کی چاپ کی تھی۔ ان پہاڑیوں پر ہونے والی کسی بھی نقل و حرکت کا احساس ”مرد کو ہستانی“ فوراً کر لیا کرتے تھے کہ وہ انہیں فضاؤں کے پلے بڑھے ہوئے تھے۔

فیضان نے اس کے اشارہ کرنے پر اپنے کان بھی اسی طرف لگا دیئے جلد ہی دونوں کو احساس ہو گیا کہ ان کے قریب ہی کہیں روسی کا ٹل فوج کی کوئی پٹرونگ پارٹی گشت کر رہی ہے۔ یہ لوگ رات کو عموماً مجاہدین کے ناگہانی حملوں کے تذکرے کے لئے گشت کرتے رہتے تھے تاکہ اپنے باقی ساتھیوں کو مجاہدین کے شب خون سے بچا سکیں۔

دونوں وہیں ایک پہاڑی کے چھجے تلے جنگلی گھاس کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھ گئے کیونکہ قدموں کی آوازیں اب قریب آتی سنائی دے

رہی تھیں۔ جو اس بات کا اشارہ تھا کہ پٹرولنگ پلاٹوں پر قابض ہو گئے۔

یہ بات تو وہ جانتے ہی تھے کہ یہاں محفوظ راستے تھوڑے ہی ہیں۔ عام راستوں پر مجاہدین اور دشمن دونوں نے بارودی سرنگیں بچھا رکھی تھیں اور جس راستے پر وہ سفر کر رہے تھے اگر یہ راستہ محفوظ تھا تو دشمن فوج کے پٹرولنگ دستے نے بھی یہی راہ اختیار کرنی تھی۔  
دونوں دم سادھے بیٹھے تھے.....!

اچانک ہی فضا ایک زوردار دھماکے کی آواز سے لرز اُٹھی۔ دھماکے کی گونج ابھی پہاڑیوں میں ختم نہیں ہوئی تھی کہ گولیوں کی تڑتڑ سے پہاڑی سلسلہ کو ہلنے لگا۔

شاید گشت کرنے والے کسی فوجی کا پاؤں بارودی سرنگ پر آ گیا تھا اور دشمن نے اسے مجاہدین کی کاروائی جان کر حفظ مآلقدم کے لئے گولیاں چلائی شروع کر دی تھیں۔ اس علاقے میں یوں بھی مجاہدین اکثر شب خون مارتے رہتے تھے۔ اور رومی کا بل فوجی ان کی آہٹ پر بھی اپنی توپوں اور رائفلوں کے دبانے کھول دیا کرتے..... کیونکہ ان کے لاشعور میں موجود مجاہدین کا خوف انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیا کرتا تھا۔  
یوں بھی ان لوگوں کے پاس پھونکنے کے لئے بے شمار اسلحہ موجود تھا۔

**CapTrue 1.1** یہ ہے کہ جب دوسری طرف سے فائرنگ کا جواب نہیں آئے گا تو یہ بلاخود بخود نل جائے گی کیونکہ ان لوگوں کو اپنی غلط کا احساس ہو جائے گا۔

لیکن..... ان کی توقعات کے بالکل برعکس فضا میں پھیلی تاریکی تیز روشنیوں سے جھلکانے لگی۔  
دشمن روشنی راؤنڈ فائر کر رہا تھا.....!  
شاید وہ لوگ کسی قسم کا خطرہ مول لینے کو تیار نہیں تھے۔

روشنیوں کے گولے ان کے سروں پر پھٹ رہے تھے اور دونوں کو اس تلخ حقیقت کا ادراک ہو چکا تھا کہ اب واپسی کا راستہ قدرے مشکل بلکہ کسی حد تک ناممکن ہو چکا ہے.....!  
وہ اس پوزیشن میں بھی نہیں تھے کہ یہاں چھپ کر ہی کچھ وقت گزار لیں۔ فیضان کو صرف یہی احساس تھا کہ اسے اپنے دم توڑتے محسن کی خواہش بہر حال پوری کرنی ہے۔

”اگر وہ خدا خواستہ ایسا نہ کر پاتا تو پھر مجھے تو بے کا بوجھ اپنے دل و دماغ پر لئے وہ اپنی اگلی زندگی کیسے بسر کرے گا۔“  
اس سوچ نے اسے پریشان کر رکھا تھا.....

”کچا چا!“ اچانک ہی اس نے قاسم ایسا ن زائے کو مخاطب کیا۔

”کیا بات ہے؟“

”تم یہاں سے فوراً نکلو۔“

”کیا“..... بوڑھا قاسم گھبرا گیا Capture and PDF by: Qamar Abbas

”ہاں چاچا..... میرے حواس بالکل بجا ہیں۔ جلدی روشنیوں کا یہ طوفان ہمارے سروں پر منزل لانے لگے گا..... یہ ناممکن ہے کہ ہم کوئی گولی چلائے بغیر یہاں سے نکل سکیں۔ اور میں نہیں چاہتا کہ اپنے عظیم محسن کے سامنے قیامت کے روز شرمندہ ہو جاؤں“.....

اس کی آواز شدت جذبات سے بھرا گئی تھی..... ”چاچا! وہ میرا سہیا ہے۔ اس نے مجھے نئی زندگی عطا کی ہے۔ میری حیات میں نئے رنگ بھرے ہیں۔ آج اگر قسمت نے اس سے ملا یا بھی تو کس روپ میں.....“

”بیٹا! جذباتی مت بنو..... تربیت کے اصول کے مطابق بھی میں بوڑھا ہوں تم ابھی بچے ہو۔ ابھی تمہارے بازوؤں میں بہت سی قوت موجود ہے۔ تم نے ابھی لمبی جنگ لڑنی ہے۔ میری جان کا اتنا نقصان ہمارے مشن کو نہیں اٹھانا پڑے گا۔ جتنا تمہاری جان جانے سے.....“

”چاچا! میں نے آج تک تمہاری کوئی بات نہیں مانی۔ لیکن آج مجھ سے کچھ نہ کہنا۔“

فیضان کا لہجہ اتنا سخت اور کھر درا تھا کہ اگلی کوئی بات بوڑھا قاسم کہہ نہ سکا۔

”نی امان اللہ میرے بچے! میں ہر ممکن کوشش کرتا ہوں کہ تمہاری خواہش کا احترام کر سکوں“.....

CapTrue 1.1

پہاڑی کے ساتھ ساتھ چپک کر چلتا ہوا بوڑھا قاسم ایک سائے کی طرح اسے نظر آتا رہا پھر اس کا بیولا غائب ہو گیا۔

ابھی اس نے بمشکل گردن موڑی تھی کہ اچانک ہی اس کے محض چند گز کے فاصلے پر روشنی کا ایک گولہ پھٹا اور فیضان کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔

سب سے پہلے اس کی نظر پندرہ بیس گز کے فاصلے پر موجود ان تین روی فوجیوں پر پڑی ہوائی دانست میں بڑے چوکنے ہو کر اس طرح قدم بڑھا رہے تھے۔ اس سے پہلے ان کی نظر فیضان پر پڑتی اس نے گمن سے کیے بعد دیگرے آٹھ دس شعلے اگلے اور آنے والے سپاہی صورت حال کی سنگینی کا احساس کئے بغیر ہی جہنم واصل ہو گئے۔

دم توڑتے سپاہیوں میں سے ایک کے منہ سے لگی سیٹی کی آواز نے باقی سب کو ہشیا کر دیا..... ایسی سیٹی رات کو گھٹ کرنے والے سپاہی اپنے پاس رکھا کرتے تھے۔ مرتے مرتے وہ فیضان کی موت کا سامان اپنی دانست میں کر گیا تھا!!

سیٹی کی آواز بلند ہونے کی دیر تھی کہ اچانک اس کے گرد اگرد موجود پہاڑیاں دیکھتے ہوئے الاؤ میں بدلنے لگیں۔

شاید اس علاقے میں نصب سینکڑوں اقسام کی گولوں کا رخ دشمن نے اس کی طرف کر دیا تھا۔

ان لوگوں نے سیٹی بجانے والے سپاہی کی پوزیشن کے اندازے پر آگ برسانی شروع کی تھی..... اس کے سامنے کے زمین کا ایک ایک انچ جہنم زاد رہن رہا تھا۔ بارش کے اولوں کی طرح گولے اور گولیاں برس رہی تھیں۔



فیضان کی خوش قسمتی ہی تھی کہ وہ Capture and PDF by: Qamar Abbas پر ہوا اور گولیاں مختلف آواز پیدا کرتے آگے پیچھے گزر رہے تھے۔

<http://kitaabghar.com>

جیسے ہی فائرنگ شروع ہوئی۔ روشنی راؤنڈ چلنے بند ہو گئے۔  
فیضان نے ایک لمحے کیلئے کچھ سوچا پھر راستے کے محفوظ یا غیر محفوظ ہونے کو خاطر میں لائے بغیر دیوار پھاڑیوں میں بھاگتا چلا گیا۔  
گولیوں کا قصص آہن و آتش اس کے نزدیک جاری رہا۔ لیکن اس کا سفر نہ رکا۔

دس پندرہ منٹ وہ بھاگتا چلا گیا.....

پھر پہاڑی سلسلے کے خانے پر رک گیا۔

<http://kitaabghar.com>

اب اسے ایک قدرے ہموار اور میدانی قطعہ عبور کرنا تھا۔ ڈیڑھ سو گز کا یہ فاصلہ ہی اس کے سفر کا سب سے مشکل مرحلہ تھا.....!

بھاگتے بھاگتے اس کی سانس دھوکئی کی طرح چل رہی تھی۔

یہاں چند منٹ کے لئے رک کر اس نے اپنے حواس قابو کئے۔ ایک بات کی گواہی تو اس کے دل نے دے دی تھی کہ یہ علاقے قاسم  
ایشان CapTrue 1.1 پر رہا ہے۔ ابھی یہاں ہوتا تو فیضان کو اس کی موجودگی کا احساس ضرور ہو جاتا۔

اس نے رک کر اپنی میگزین چیک کی۔

<http://kitaabghar.com>

نئی میگزین اپنی گن میں لوڈ کر کے اور دل ہی دل میں خدا کو یاد کرتا ہوا میدانی قطعے کی طرف بڑھا۔  
ابھی وہ بمشکل چند گز ہی چلنے پایا تھا جب اچانک اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

اس مرتبہ اس کا واسطہ کامل سے نہیں روں کے تربیت یافتہ "سپنیر" سے تھا جو اسے گھیر کر زندہ پکڑنے کا بندوبست کر چکے تھے..... اپنا حال  
ان لوگوں نے اس میدان قطعہ اراضی پر پھیلا ہوا تھا۔ اس سے پہلے تو شاید وہ صرف ریبرسل ہی کرتے آئے تھے۔

روشنی راؤنڈ اچانک اور اتنی زیادہ تعداد میں فائر ہوئے تھے کہ فیضان چکر اکر رہ گیا۔ اس کے ہاتھ کی انگلی کا دباؤ گھبراہٹ میں ٹریگر پر  
بڑھتا اور بڑھتا ہی چلا گیا۔

<http://kitaabghar.com>

اس بات کا احساس ہی اسے نہ ہوسکا کہ ساری میگزین خالی ہو گئی ہے۔

اس سے پہلے کہ وہ نئی میگزین اپنے کندھے سے لٹکتے تھیلے سے نکال کر اپنی گن میں لگاتا۔ اچانک جیسے زمین بھٹی اور اس میں پانچ چھ روہی  
کمانڈوز نکل کر اس پر چبھنے۔ فیضان نے بہترے ہاتھ پاؤں چلائے لیکن اچانک سر کے نزدیک لگنے والی ایک زوردار ضرب نے اس کے چودہ طبق  
روشن کر دیئے۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

Capture and PDF by: Qamar Abbas

کتاب گھر کی پیشکش

کتاب گھر کی پیشکش

http://kitaabghar.com



http://kitaabghar.com

فیضان کو ہوش ایک خیمے میں آیا.....!

رات کا شاید ابھی ایک پہری گزرا تھا۔ خیمے میں روشنی نام کی کوئی شے نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی سے کسی خاص رسی کے ساتھ پھنچے کی طرف باندھے گئے تھے۔ اور وہ شاید اونٹن سے منڈ زمین پر گر رہا تھا۔

ہوش میں آتے ہی اسے سب سے پہلے جو آواز سنائی دی وہ بجلی کے زوردار کڑکے کی آواز تھی۔ ان دنوں موسم ایسا ہور ہا تھا کہ کسی بھی لمبے آسمان بادلوں سے گھر جاتا اور موسلا دھار بارش شروع ہو جاتی اور یہ سلسلہ پھر صبح دیر کے تک جاری رہتا.....!

پہلا خیال فیضان کے ذہن میں یہی آیا کہ قدرت..... نے ابھی اس سے شاید اور کام لینا ہے..... اور یہ تائید فیضی ہے۔

**CapTrue 1.1** وجود نہیں تھا لیکن اب ہر پہرے داروں کے آپس میں باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

یہ لوگ روسی زبان میں باتیں کر رہے ہیں اور فیضان کو فوراً اندازہ ہو گیا کہ وہ روسی "سپنٹر" کے ٹکٹے میں پھنس چکا ہے۔

روس کی اس خصوصی فوج کی آمد کی اطلاع مجاہدین کو مل چکی تھی بلکہ ہرات اور قندھار کے محاذ پر وہ اس فوج کی دو کمپنیوں کا صفایا بھی کر چکے تھے۔

اس علاقے میں روسی فوج نے حال ہی میں خصوصی فوج کی کمانڈ قائم کی تھی۔

جیسے ہی فیضان نے چاہا کہ وہ سیدھا ہوا چانک دردی ایک تیز لہر نے اس کے سر کے پچھلے حصے سے سر اٹھایا اور وہ تڑپ کر رہ گیا۔

اس کے ساتھ ہی کسی کے خیمے کے اندر آتے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

فیضان نے دوبارہ بیہوش ہو جانے ہی میں عافیت جانی.....

اندر آنے والے روسی تھے.....!

دونوں نقشے میں دھت معلوم ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک نے اپنے پاؤں کی ٹھوک فیضان کے پہلو میں لگائی۔

ضرب بڑی جان لیوا تھی لیکن فیضان نے اپنی زبان دانتوں تلے دبائی۔ شاید وہ اندازہ کرنا چاہتے تھے کہ وہ ابھی ہوش میں آیا ہے یا نہیں۔

اس کی طرف سے کوئی خاص رد عمل نہ ہونے پر ٹھوک مارنے والے نے زوردار قہقہہ بلند کیا۔ پھر اس نے فیضان کو گالی دے کر اپنے ساتھی سے کہا۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

”زور دار ضرب لگ گئی ہے شاید.....“

”کہیں مرنے نہیں گیا؟“ دوسرے نے جوتھے میں بدست ہو رہا تھا لڑکھڑاتی زبان سے پوچھا۔

”ارے یہ لوگ پہاڑوں کی طرح سخت چان ہوتے ہیں۔ اتنی جلدی مرنے والے نہیں یہ بکثرت!.....“

”چھوڑو پرے..... مرنے دو..... باہر موسم بڑا شاندار ہو رہا ہے۔ آؤ ایک دو پیگ اور لگائیں..... تھوڑی دیر بعد وہ حرامی۔ مہجر آ جائے

”گا..... دوسرے نے اس کا بازو پکڑ کر کہا۔

شاید وہ اپنے افسر کے آنے سے پہلے کوئی بوتل خالی کر دینے کے چکر میں تھے۔

دوسرے نے ایک بھاری بھر کم گالی اپنے مہجر کو دی اور دونوں روی زبان کا ایک فحش سا گیت اپنی بھدی آوازوں میں گنگنا تے خیمے سے

باہر نکل گئے۔!!

”سٹنچر“ کا خیال ذہن میں آتے ہی فیضان نے دو امکانات پر سوچنا شروع کر دیا تھا۔

اس نے سوچا تو وہ فرار ہو جائے یا پھر فرار ہونے کی کوشش میں مارا جائے۔ تیسری کوئی بھلی صورت ممکن نہیں تھی۔ ایک دفعہ اگر وہ زندہ

CapTrue 1.1

ان لوگوں سے ہاتھ اچھڑاتا تو وہ اس کے جسم کا رواں رواں الگ کر دیتے۔

یہ لوگ اپنی بربریت کے لئے ساری دنیا میں مشہور تھے۔ فیضان کو طم حقا کہ جس جس افغان علاقے سے ان کا کنوایے گزرا وہاں انسان

اور حیوان کوئی شے زندہ نہیں بچی تھی۔

محض اپنی بربریت کو تسکین دینے کے لئے یہ لوگ بستیوں جلا دیا کرتے تھے قندھار اور ہرات کے جانے کتنے دیہات ان کے بھیا بک

مظالم کی منہ بولتی تصویر بن کر زمین کے سینے پر نشانِ عبرت بنے نظر آتے تھے.....!!

دونوں ”سٹنچر“ کے باہر نکلتے ہی اس نے اپنے جسم کو بل دے کر سیدھا کیا۔ پھر کسی نہ کسی طرح ہمت کر کے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

اپنے دونوں ہاتھ پشت کے نیچے سے گزار کر وہ سامنے لے آیا۔ اب وہ خود کو قدرے آسان پوزیشن میں محسوس کر رہا تھا۔

فرار کے خیال نے اس کے جسم میں جیسے بجلیاں بھردی تھیں۔

اگر وہ یہاں سے دو میل دور تک بھی نکل جاتا تو بحفاظت اپنے ساتھیوں میں پہنچ سکتا تھا۔ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر وہ بڑی بے

چینی سے ماحول کا جائزہ لے رہا تھا۔

ایک کونے میں دو کاشکوف ایک اوپے کے پٹنگ پر دھری تھیں۔ شاید یہ باہر موجود گدھوں ہی کی ملکیت تھیں۔

اپنی رسیاں کاٹنے کیلئے اسے کوئی صورت دکھائی نہیں پڑتی تھی۔ اب یہاں مزید ایک لمحہ ضائع کرنا بھی کسی نئے طوفان کا پیش خیمہ ثابت

ہوتا۔ اس نے اپنے بندھے ہوئے ہاتھوں سے ایک گن کو سٹنگ سمیت گلے میں ہار کی طرح لٹکالیا اور دوسری کو بندھے ہوئے ہاتھوں میں تھام لیا۔

☆☆

اپنی ایک گن وہ دشمن کے قبضے میں آگئی۔ Capture and PDF by: Qarni Abbas یہ گوارا ہی نہیں کر سکتی تھی کہ وہ پشیمان ہونے کے ناطے اپنا ہتھیار دشمن کو سوپ کر زندہ واپس چلا جائے۔

کھینچوں کے بل بندھے ہاتھوں سے ریگتے ہوئے اس نے پہرے داروں کی مخالف سمت سے خمیے کے پروئے کی دیوار کو تھوڑا سا اٹھا کر باہر اندھیرے میں جھانکا..... آنکھوں پر بہت زور دینے کے باوجود اسے دور تک کسی کے ہونے کا گمان نہ گزرا۔

دل ہی دل میں قرآنی آیات کا دور کر رہے اس نے کروٹ لی اور لڑھکتا ہوا خمیے سے باہر آ گیا.....!!  
دوسرے ہی لمحے وہ اٹھ کھڑا ہوا.....

اس کے ہاتھ گوکہ بندھے ہوئے تھے لیکن یہ مجبوری جیسے اس نے بالکل ہی نظر انداز کر دی تھی۔ پندرہ بیس گز دور تک وہ ماہر فوجیوں کے سے انداز میں زمین پر کھینچوں کے بل کر الٹک کرتا ہوا چلتا چلا گیا۔  
پھر اٹھ کر کھڑا ہوا گیا۔

سوڑھ سو گز کا فاصلہ اس نے اسی طرح طے کیا۔ جلد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ اسے میدانِ قطعی سے کچھ زیادہ دور نہیں رکھا گیا تھا۔ یہ رات 1.1 CapTrue میں پھیلے ہوئے تھے۔

یوں بھی وہ رات کے اندھیرے میں کسی افغان قیدی کو اپنے پچھلے مورچوں میں لے جانے کا خطرہ کبھی مول نہ لیتے۔ وہ تو دن کے اجالے میں نیکی کا پتروں کے ذریعے ایک سے دوسری جگہ آیا جایا کرتے تھے۔

چھپتے کی طرح قدموں کی چاپ کو دبائے ہوئے وہ بندھے ہاتھوں کے ساتھ میدانِ علاقے تک آ گیا تھا.....!!  
بندھے ہاتھوں اور دھڑکتے دل سے بالآخر اس نے یہ قطعہ ارضی بھی عبور کر لیا۔ ابھی بمشکل وہ اپنے ”مرکز“ کی طرف جانے والے راستے پر گامزن ہوا ہی تھا کہ اس کے عقب میں قیامت ٹوٹ پڑی.....!

عائبا اس کے فرائی خبر ان لوگوں کو ہو گئی تھی.....!  
روسی ”سپئر“ دیوانہ دار لوگیاں چلا رہے تھے.....! روشنی راؤنڈ سے انہوں نے رات کو دن کے اجالے میں تبدیل کر دیا تھا لیکن اب فیضان ان کی دسترس سے باہر نکل چکا تھا..... اسے اتنی ہی مہلت درکار تھی۔

وہ جانتا تھا کہ بوڑھے قاسم ایٹان زادہ نے اگر وہ اپنی منزل پر پہنچ چکا ہے تو مجاہدین کو اس صورت حال سے آگاہ کر دیا ہوگا۔ اور اپنے ایک ساتھی کو دشمن کے گھیرے میں دیکھ کر وہ لوگ کبھی آرام سے نہیں بیٹھ سکتے۔

بندھے ہاتھوں کو کھولنے کی کوئی صورت ابھی دکھائی نہیں دے رہی تھی.....!  
ان لوگوں نے تاکن کی کسی مضبوط لیکن پتلی رسی سے اس کے ہاتھ بڑی مضبوطی سے باندھے تھے۔ یہ شاید وہ مخصوص رسی تھی جو کانڈوز اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ کئی جگہ نوکدار پتھروں میں پسپا کر اس نے جب اس رسی کو کانٹا چاہتا تو فیضان کو کانٹوں سے دہشت محسوس ہوئی۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

مسلسل بھاگنے سے اب اس کا سانس پھرتا تھا۔ ہاتھ کھلے ہوتے تو اور بات تھی۔ دور انگلوں اور بندھے ہاتھوں کے ساتھ ابھی اسے مزید کم از کم سات آٹھ میل کا پہاڑی سفر طے کرنا تھا۔

☆☆☆ <http://kitaabghar.com> ☆☆☆

وہ رات کے اندھیرے میں زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتا تھا۔ دن کے اجالے میں اس کی خیریت کی صرف ایک ہی صورت تھی کہ جس قدر ممکن ہو وہ اپنے مرکز سے نزدیک ہو جائے۔ فیضان جانتا تھا ”سینٹر“ حکام کی کتوں کی طرح اس کے تعاقب میں آ رہے ہیں اور اجالا ہونے پر نیلی کا پتھر بھی اس کی تلاش کی اس مہم میں شامل ہو جائیں گے لیکن کوئی نا دیدہ طاقت اس بات کا احساس دلانے جاری تھی کہ وہ ایک مرتبہ اپنے بوڑھے محسن سے اس کی زندگی میں ملاقات ضرور کرے گا۔

<http://kitaabghar.com>

گولیاں اور گولے ایک مرتبہ پھر اس کے نزدیک اور دور پھٹ رہے تھے۔

اس مرتبہ اس نے اپنی دانست میں بہت محفوظ راستہ اختیار کیا تھا۔

میرداد خان کو وارنٹس پراگلے کسی مورچے سے فائرنگ کی خبر ملی تھی۔

CapTrue 1.1

پہلے سے ہی نام ایٹان زادہ نے یہاں پہنچ کر اسے فیضان کے متعلق بتایا تھا میرداد خان نے اس فائرنگ سے یہ اندازہ لگایا کہ فیضان کم از کم دشمن کے ہاتھ نہیں لگا ورنہ وہ رات کی تاریکی میں یوں اندھا حد اہنا اسلحہ نہ پھونکتا.....!

”لیکن.....“ <http://kitaabghar.com> <http://kitaabghar.com>

یہ بات بھی اسے بخوبی سمجھ آ گئی تھی کہ دشمن فیضان کے تعاقب میں ہے اور اگر خدا نخواستہ فیضان زندہ ان کے ہتھے چڑھ گیا تو وہ اسے پہچان کر اس کے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ اس کا تصور ہی بڑا اذیت ناک تھا.....!

”اپنے دوچار ساتھیوں کے ساتھ جو یہاں موجود ہیں فائرنگ کر کے دشمن کو اپنی طرف متوجہ کرو۔ میں اس دوران نزدیکی مرکز سے مدد روانہ کرتا ہوں..... خیال رہے فیضان دشمن کے گھیرے میں آ چکا ہے..... اور اسے ہر حال میں بچانا ہے..... خواہ اس کی کچھ قیمت بھی ادا کرنی پڑے.....“ اس نے او۔ پی کے فرائض انجام دینے والے کو مطلع کیا۔!

اس کے ساتھ ہی اس علاقے میں دشمن کے نزدیک موجود مجاہدین کے دوسرے گروپ کے ”مرکز“ سے وہ رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگا.....!

جلد ہی رابطہ مل گیا.....!

فیضان کا نام مجاہدین کے کسی گروپ کے لئے ابھی نہیں رہا تھا.....!

اطلاع کے ملنے ہی کہ فیضان ”سینٹر“ کے گھیرے میں ہے ”مرکز“ پر موجود مجاہدین حرکت میں آ گئے۔

<http://kitaabghar.com>

بھاگتا ہوا فیضان اچانک کسی خیال کی آمد سے وہیں ٹھہر گیا.....!



اس نے فائرنگ کی آوازوں پر پہلے سے بچنے والی ہوئی تھی۔ اس نے بھڑک کر کہا کہ اب وہ اکیلا نہیں رہا۔ اس کی مدد کو تار یک اور اندھی رات کے دم توڑتے اندھیرے میں مجاہدین بھی نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ وہ لوگ روسیوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کے لئے فائرنگ کر رہے تھے۔ واقعی دشمن کی توجہ ہٹ گئی۔

فیضان کو تھوڑی دیر کے لئے سستانے کا موقع مل گیا۔ رائفل ابھی تک اس نے فائرنگ پوزیشن میں اپنے بندھے ہاتھوں میں پکڑ رکھی تھی۔ پندرہ بیس منٹ تک وہ بیس دیکھا بیٹھا رہا۔ اب اس نے ہاتھوں کو آزاد کرنے کی کوشش ترک کر دی تھی۔

ہاتھ اس بری طرح بندھے ہوئے تھے اب سر کو پریکٹس کریں وہ اس کی گرفت سے نکل سکتے تھے۔

تھوڑی دیر سستانے سے ہی وہ خود کو تازہ دم محسوس کرنے لگا تھا۔ شاید بے ہوشی کی حالت میں بھی وہ لوگ اسے وحشیانہ انداز سے پیستے رہے تھے کیونکہ فیضان کو اپنے جسم کا بند بندہ کھتا محسوس ہو رہا تھا۔ جسم کے مختلف حصوں سے اٹھنے والی درد کی لہریں اس کے سر کے پچھلے حصے کا رخ کر رہی تھیں لیکن کمال ہمت سے اس نے ابھی تک خود کو سنبھال رکھا تھا۔

صبح کی پو پھٹ رہی تھی۔

**CapTrue 1.1**، پہاڑیوں میں گونجتی "اللہ اکبر" کی صدا اسی اور ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ رہا۔ پھر اسے آدگی آئی۔ اس نے لاکھ کوشش کی کہ فینڈ کو خود پر غلبہ نہ پانے دے لیکن رات بھر کی بھاگ دوڑ کی تھکن اور اس کی جسمانی حالت نے اس کی اس کوشش کو ناکام بنا دیا۔

اور فیضان نے آنکھیں موند لیں۔

اچانک آہٹ پر چونک کر ہی اس نے دوبارہ آنکھیں کھولی تھیں۔ غیر ارادی طور اس کے بندھے ہوئے ہاتھ سب سے پہلے گود میں رکھی کلاشنکوف کی طرف جھپٹے لیکن اپنے کانوں سے گھرانے والی آواز پر اس کے ہاتھ وہیں قہم گئے۔

"اس کی ضرورت نہیں فیضان۔ اللہ نے کرم کر دیا۔ تم اپنوں میں ہو۔" شمشیر خان کی مانوس آواز اس کے کانوں سے نکل آئی۔

آنکھیں کھولنے پر فیضان کی نظر اپنے گرد گھیر ڈالے چار مجاہدین پر پڑی تو اس نے خدا شکر ادا کیا۔

شمشیر خان نے اپنی چھانگل کھول کر پانی اس کے منہ کو لگا دوسرے مجاہد نے اپنے خنجر سے اس کے ہاتھوں کی بندھی دی کاٹنی شروع کر دی۔

رسیوں سے نجات ملنے ہی اس نے ہاتھوں کو زور زور سے جھٹک کر دوران خون کا عمل درست کیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ لوگ اسے ایک گھوڑے پر بٹھا کر "مرکز" کی طرف لے جا رہے تھے جہاں اس کا بوڑھا محسن خدا سے زندگی کے چند سانسوں کی مزید مہلت مانگ رہا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ مرنے سے پہلے ایک مرتبہ پھر اپنی تصویر کے رنگوں کا حسن اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ فیضان ضرور واپس لوٹے گا۔

"کاش میں نے اس کے ہاتھوں کا سم کو نہ بلایا ہوتا۔" اس نے اب تک کی مرتبہ سوچا تھا۔



Capture and PDF by: Qamar Abbas

## الوداع!

قاسم اس تک پہنچ چکا تھا.....!

دونوں ایک ہی گاؤں کے رہنے والے تھے.....!

دونوں ایک ہی تیر کے شکار تھے.....!

دونوں کی ایک ہی کہانی تھی.....!!

دونوں شاید اپنے خاندان کے واحد زندہ بچ جانے والوں میں سے تھے۔ ورنہ تو ان کے گاؤں پر حملہ ہونے کے بعد کسی کا بچ جانا کسی مجھڑے سے کم نہیں تھا!

**CapTrue 1.1** اس سے اب تک بے ہوشی، مدہوشی اور بے خبری کے کئی دورے پڑ چکے تھے۔ میڈیکل کا طالب علم اور قاسم ابھی تک

اس کے سر ہانے بیٹھے تھے۔ اس نے قاسم ایشان زادہ سے جی بھر کر باتیں کی تھیں۔  
دونوں قریباً ایک سال بعد آپس میں ملے تھے۔ غلام اللہ خاسا مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ بس اب ایک ہی بوجھ اس کے دل میں تھا اور وہ فیضان.....!

صبح جب کسی عباد کی اذان اس کے کانوں میں پڑی تو جیسے اس کے سارے گمشدہ حواس لوٹ آئے۔  
اس کے دل سے بے اختیار ایک ہی دعا نکلی۔ فیضان سے آخری ملاپ کی دعا۔ رحمت خداوندی جوش میں آئی اور فرشتہ اجل کے بڑھے ہاتھ رک گئے۔ غلام اللہ نے انہیں سہارا دے کر بٹھانے کو کہا پھر چار پائی پر بیٹھے بیٹھے دیوار سے ٹیک لگا کر اس نے نماز پڑھی۔  
نماز کے اختتام پر تینوں نے مشترکہ اپنے ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے۔ جب غلام اللہ نے آخری مرتبہ آمین کہہ کر ہاتھ نیچے گرائے اور نظریں اٹھا کر سامنے دیکھا تو زندگی کی نئی لہر اس کے چہرے پر رینگ گئی۔

فیضان اس کے سامنے کھڑا تھا.....!

”فیضان میرے بیٹے!“

اس نے متحیر ہو کر اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔ فیضان بے اختیار آگے بڑھا اور اس کے سینے سے لگ گیا۔  
”میرا دل کہتا تھا تم ضرور آؤ گے.....“ خدا یا حیر الہ لاکھ لاکھ شکر ہے۔ اب میں دل پر کوئی بوجھ لے کر دنیا سے نہیں جاؤں گا.....“ وہ رندمی ہوئی آواز میں بڑبڑایا۔ ”فیضان میرے بیٹے! جب روسیوں نے میرے گاؤں پر حملہ کیا تو میں اکیلا ہی اپنے گھر میں زندہ بچا تھا.....“ اس نے رک

Capture and PDF by: Qamar Abbas

کر سانس لیا۔

”میرا ایک بیٹا تھا تہا رہی طرح.....!! کامل جا کر وہ بھی آزاد خیال ہو گیا..... جب کبھی چھٹی آتا مجھے ”انقلاب کی برکتوں“ سے آگاہ کرتا

http://kitaabghar.com

http://kitaabghar.com

رہتا.....!!

میں نے اسے ایک دوسرے سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس نے میری بات پر کان نہ دھرے۔ تم نوجوانوں میں یہی ایک کمی ہوتی ہے کہ تم جب تک خود غور نہ کھا لو..... دوسرے کی بات پر کان نہیں دھرتے..... جانے تم لوگ خود تجربہ کرنے پر کیوں تمل جاتے ہو؟ یہ جانے بغیر کہ اس تجربے کی کتنی قیمت تمہیں ادا کرنی ہوگی۔

اپنے بزرگوں کے تجربات سے فائدہ اٹھانا شاید تم نے سیکھا ہی نہیں۔

خیر.....! میں نے جب دیکھا وہ میری بات نہیں مانتا تو چپکا ہو رہا..... میں نے سوچا! وقت اسے خود ہی حالات کی اصلیت سے آگاہی دے دے گا.....!

انکی آواز بھر امان سے گھا رنڈھ گیا تھا..... یوں محسوس پڑتا تھا جیسے اس کی آنکھوں میں رکے تمام آنسو اس کے طلق میں اٹکنے لگے ہیں! ایک مرتبہ وہ وہی آیا تو اس کا چہرہ جوش مسرت سے دک رہا تھا۔ اس نے مجھے آتے ہی کہا! بابا! ہماری قسمت جاگ اٹھی..... روی

CapTrue 1.1

دوست ہماری مدد کو آگئے ہیں۔ افغانستان کی قسمت بدل جائے گی۔“

ہاں بیٹا! میں نے کہا۔ تم واقعی ٹھیک کہتے ہو اب افغانستان کی قسمت بدلنے والی ہے۔ ذلت اور بدبختی اب ہمارا نصیب بننے والی ہے۔

وہ روز بد جس کے نہ آنے کی دعا افغانستان کا ہر بوڑھا کر رہا تھا..... آ کر رہی رہا۔

اس روز تو میرے بیٹے نے ہمیشہ کی طرح میری بات کا مذاق اڑایا، لیکن جب تیسرے ہی روز اس کا ماموں نزدیک کی ایک ولایت سے ہمارے ہاں پہنچا اور اس نے میرے بیٹے کو بتایا کہ اس کے ”روی دوستوں“ نے ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا تو میرا نادان بیٹا خاموش ہو گیا.....!!

فیضان! وہ بہت جذباتی تھا۔

ہر پٹھان کی طرح جوشیلا..... کچھ نہ کچھ کر گزرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہنے والا!

اسی روز رات کو وہ اچانک غائب ہو گیا.....! ہمارے نزدیک دور سے روی فوجیوں کی ”دستی کے ثبوت تو موصول ہو رہے تھے لیکن پاکستانی سرحد سے نزدیک ہونے کی وجہ سے ابھی تک ہمارا علاقہ ان کی دست برد سے محفوظ رہتا۔

تیسرے روز اچانک میرا بیٹا ٹوٹ آیا.....!!

جانتے ہو فیضان اس نے مجھے آتے ہی کیا کہا.....!!

”کیا“.....؟ فیضان کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

”وہ ہمیشہ انقلاب کے گن گایا کرتا تھا..... بورڈوں کو جون کی آمد اور انقلاب کی قیادت سے Capture and PDF by: Qamar Abbas تعبیر کرتا تھا جب تین روز تک نزدیک دور کے علاقے میں کامریڈوں کی بربریت کے نظارے اپنی آنکھوں سے دیکھے تو اس کی دنیا ہی بدل چکی تھی۔

”بابا! ہمیں آج رات ہی یہاں سے نکلنا ہوگا۔ لاکھوں کی تعداد میں لوگ اپنی جان اور عزتیں بچا کر مسایہ اسلامی ملک میں پناہ لے رہے ہیں.....!“

”بابا! تم سچ کہتے تھے.....!“

وہ ننھے منے بچوں کی طرح سسک پڑا۔

میں نے اسے حوصلہ دیا اور یاد دلایا کہ وہ افغان ہے۔ اسے اپنا فرض نبھانا ہوگا۔ اسے آج مجاہد بننا ہوگا۔

اپنی تھری ناٹ تھری رائفل اسے چھاتے ہوئے کہا کہ بیٹا! اس رائفل سے نکلنے والی گولیوں نے فرنگیوں کو اس سرزمین پر قدم بھانے کا موقع نہیں دیا تھا..... میرے ہاتھ اب بوڑھے ہو رہے ہیں..... شاید اتنی تیزی سے ٹریگر پر نہ چل سکیں جتنی تیزی سے تمہارے جوان ہاتھ.....! آج سے یہ امانت تمہارے حوالے کر رہا ہوں.....!

CapTrue 1.1

آج وہ دوسرے روز کسی قافلے کے ساتھ یہاں سے نکلنے کا ارادہ کیا تھا۔

وہ میری زندگی کا خوش قسمت ترین دن تھا..... اس روز میرے بچے کی چھن جانے والی غیرت لوٹ آئی تھی.....

لیکن.....!

وہ سسک پڑا۔ آنسو جو اس کے اندر جانے کب سے جم رہے تھے۔ اس کے سینے کی تپش سے پگھل گئے۔!

اس کی سفید داڑھی آنسوؤں سے بھینکنے لگی تھی۔

جوان بیٹے کی یاد نے اسے رلا دیا تھا.....!

”یہ خوشی بہت عارضی ثابت ہوئی.....“ اس نے غصٹی سانس بھر کر کہا۔

”جب صبح ہم روانہ ہونے کی تیاریاں کر رہے تھے تو اچانک روپی بیللی کا پڑوا ہاں آگئے۔ انہوں نے اندھا دھند بغیر کسی وارننگ کے نہتے اور بے بس انسانوں پر آگ برسانا شروع کر دی۔

میرا بیٹا! میرے روکنے کے باوجود رائفل لے کر باہر بھاگا۔ شاید نزدیکی پہاڑی میں بیٹھ کر وہ بیٹھے آنے پر بیللی کا پڑ کو تھری ناٹ تھری کی معمولی سی رائفل سے گراتا چاہتا تھا.....!

”بیٹا! ابھی وہ چند گز دور تک ہی گیا تھا جب ایک بیللی کا پڑ کی مشین گنوں سے پلکنے والی سرخ انگاروں کی زبان نے اسے چاٹ لیا۔

میں بھاگ کر اس کے نزدیک پہنچا تو میرا بیٹا!..... میرا گھبرو شہید ہو چکا تھا..... میرے پیچھے ایک دوسرے بیللی کا پڑ نے میرے گھر پر راکٹ پھینکا اور میری بیوی اور دوسری عورتوں کو جنہوں نے یہاں پناہ لے رکھی تھی موت کی نیند سلا دی۔





اس کے کانوں میں غلام اللہ کے **Capture and PDF by: Qamar-Abbas** پھر بڑا ہٹ بھی ڈوبے گی.....! قاسم ایٹان زادہ نے اس کے سر ہانے سورہ یسین کی تلاوت شروع کر دی تھی۔

آخری رکوع فتح ہوئے پر جب اس نے اپنے دوست کی بغض قہمی تو زندگی کی بغضیں ساکت ہو چکی تھیں۔

”اللہ وانا الیہ راجعون“ اس کے منہ سے نکلا۔

یہی آیات فیضان اور ڈاکٹر نے دہرائیں۔

”بھدا تو سرخرو ہو کر اللہ کی عدالت میں جا رہا ہے۔“ قاسم ایٹان زادہ نے رندھے ہوئے گلے سے کہا۔

فیضان نے اپنے آنسو روکنے کی ہزار کوشش کی تھی لیکن مضبوطی کے سارے بندھن ٹوٹ چکے تھے۔

اس نے سسکیوں کا گلا گھونٹتے ہوئے اپنے کندھے سے چادر اتار کر غلام اللہ پر ڈالی پھر اس کے سر ہانے دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

اللہ کے غلام نے انسانی غلامی کی لعنت کا طوق گلے سے اتار کر پوری کائنات کے آقا کی آغوش میں پناہ لے لی تھی۔

☆☆

**CapTrue 1.1** میں پڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ اسے کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا یوں جیسے کسی نے اسے پاؤں کا انگوٹھا پکڑ کر چمکا

ہو۔ اس نے گھبراہٹ ہی میں ٹھیل لیپ کا بلب روشن کیا تھا۔ واقعی وہاں کوئی موجود تھا، لیکن آنے والے کا منہ کپڑے میں لپٹا ہوا دیکھنے کے باوجود اس نے سکھ کا سانس لیا وہ کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا سوائے فیضان کے۔

”آپ کب آئے؟“.....!

اس کو بیدار ہوتے دیکھ کر نقاب پوش نے نقاب گرادیا تھا۔

”ابھی آیا ہوں۔ خدا خیر کرے آج اس علاقے میں فوج اور سیکورٹی کچھ زیادہ ہی نظر آ رہی ہے۔“

چچا ارخان تو آگے ہیں نا.....!

اس نے ایک ہی سانس میں بہت سی باتیں کہہ ڈالیں۔

”آج کل وہرات کو کم ہی گھر آتے ہیں۔ آج بھی شاید نہیں آئے۔“ یامین بولی۔

یہ فیضان کی اس سے پہلی ملاقات نہیں تھی۔ وہ جب بھی کابل آتا یا یامین سے ضرور مل کر جاتا۔ اگر کبھی دس پندرہ دن تک اسے آنے کا موقع نہ ملتا تو کسی ذریعے سے پیغام بھیج کر اپنی خیریت سے ان لوگوں کو مطلع کر دیا کرتا۔

ارخان کا تعارف اس نے میر واد خانان سے کروا دیا تھا۔ جگہ ان ارخان اب مجاہدین کا قابل اعتماد مسندہ تھا۔ اس کی رسائی اکثر ان مقامات

تک بھی ہو جاتی تھی جہاں احمد ترسون کی رسائی ممکن نہیں تھی۔

جگہ ان ارخان کی مجاہدین میں آمد تیار فیضی سے کم نہیں تھی۔ انہیں ”خاؤ“ کے ہیڈ کوارٹر میں طے پانے والی کسی بھی کارروائی کی خبر بہت پہلے

مل جایا کرتی تھی۔ جگلوں ارخان کی مدد سے **Capture and PDF by: Qamar Abbas** اور پھر یہاں تک پہنچایا۔

☆☆

”خاد“ کا آپریشنل چیف کرنل شولوفوف پکرا کر رہ گیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کیا کرے؟ کدھر جائے؟ اس کا ہر منصوبہ رو بہ عمل آنے سے پہلے اپنے ہیما تک انجام کو پہنچ جاتا تھا۔ مجاہدین بنگمان پر قریباً ہر رات حملہ کرتے تھے۔ اب تو ان کے حملے کاہل ایئر پورٹ پر بھی ہونے لگے تھے۔ اس بات کا تو شولوفوف کو یقین ہو چکا تھا کہ ضرور کوئی مجاہدین کا جاسوس ان میں موجود ہے لیکن وہ کون ہے یہی جاننے کے لئے اس نے باری باری سب کو چیک کیا تھا۔

اور آج..... جگلوں ارخان کی باری تھی۔

کرنل شولوفوف نے دانستہ ایک کارروائی اس کی موجودگی میں ترتیب دی جس کی رو سے ایمونیشن سے بھرے ایک ٹرک کورات کے اندھیرے میں کاہل کے ایک پہاڑی مقام تک لے جانا تھا۔

وہی ہوا اور کرنل شولوفوف کی توقع کے مطابق، ایک مخصوص مقام پر جہاں ٹرک نے موڑ کاٹا تھا مجاہدین نے رکاوٹ کھڑی کر کے اسے روک دیا۔ **CapTrue 1.1** کے لئے یہ روپوشی اور ایمونیشن کے خالی ڈبوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ یہ چال شولوفوف نے ان لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے چلی تھی جس میں وہ بہر حال کامیاب رہا۔ اسے علم ہو گیا تھا کہ یہ کام جگلوں ارخان ہی کا ہے..... لیکن اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

اس روز جگلوں ارخان حسب معمول حالات سے بے خبر کاہل کے ایک پرانے قبوہ خانے کی طرف چلا جا رہا تھا..... یہ بات اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی کہ وہ ”زیر نگہانی“ ہے!

اس کی گہرائی کے لئے کرنل شولوفوف نے خاص طور سے ایسے لوگوں کا انتخاب کیا تھا جن کی وفاداریاں وہ ایک مدت سے آزمایا رہا تھا۔ ان لوگوں کا تعلق براہ راست کے جی بی سے تھا اور کاہل میں یہ کے جی بی کے لئے خدمات انجام دے رہے تھے۔

روسی انٹیلی جنس نے اپنا جال بڑی مضبوطی سے بنا ہوا تھا گوکہ افغانستان کی اپنی خدمت اطلاعات دہتی (خاد) بھی انہی کی بنائی اور سنواری ہوئی تھی اس کے باوجود انہوں نے کے جی بی کا جال بھی سارے افغانستان پر پھیلا رکھا تھا۔

”کے جی بی“ کے یہ ایجنٹ ”خاد“ کی نظروں سے بھی پوشیدہ رکھے جاتے تھے۔ لاشعوری طور پر روسی اس بات کو کبھی کے تسلیم کر چکے تھے کہ کبھی نہ کبھی افغانوں کی ملی غیرت ضرور جاگے گی اور جو مٹی بھرا لوگ بظاہر ان کے ساتھ دے رہے ہیں وہ کسی بھی لمحے ان کے لئے بالکل اجنبی بن کر رہ جائیں گے..... تب پھر ان کے یہی مقامی ایجنٹ ہی تھے جن کے ذریعے وہ دوبارہ اس سرزمین پر سازش کی کوئی نئی سیکم تیار کر سکتے تھے۔

یوں بھی ان ایجنٹوں سے وہ لوگ ”آف ری ریکارڈ“ کام کرواتے رہتے تھے۔ ان کے ذریعے ہی وہ کاہل کے اعلیٰ حکام پر نظر رکھتے تھے اور ان کے خیالات اور جذبات کے ہل چل کی اطلاعات جمع رکھتے۔

آج میجر ارخان کی گہرائی بھی ایسے ہی کے جی بی کے دوزخ پر غلام کر رہے تھے.....!!

اس مخصوص قبوہ خانے میں پہنچ کر Capture and PDF by: Gamar Abbas کے پڑھنے والے کوئیں سے بھرا ہوا تھا۔ وہاں موجود گاؤں اور ریڈیو سے نشر ہونے والی اونچی آوازوں کے درمیان کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔

مجاہدین ارخان سے ماپ کے لئے عموماً ایسی جگہوں کا انتخاب کیا کرتے تھے۔  
 آج بھی جیسے ہی قبوہ خانے میں داخل ہوا..... اس کے استقبال کے لئے پہلے ہی سے موجود ایک مقامی افغان کی نظریں اس پر جم کر رہ گئیں۔ قبوہ کا بڑا سا گھونٹ بھر کر اس نے..... ارخان کے بیٹھے کا انتظار کیا اور اس کے بیٹھے کے دو تین منٹ بعد ہی اسکے پاس پہنچ گیا۔

ارخان اس سے اٹھ کر یوں بھٹکیں ہوا تھا جیسے وہ اس کا کوئی دیرینہ آشنا ہو۔ اس بات کا دونوں ہی کو احساس نہ ہو سکا کہ میجر ارخان کے تعاقب میں یکے بعد دیگرے آنے والے دو اور افغانوں کی پر تھیں نظریں ان کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔

جب دونوں آپس کی گفتگو سے فارغ ہو کر باہر نکل رہے تھے تو دونوں کے تعاقب میں بھڑائی ایک کے جی بی کا ایجنٹ لگ چکا تھا۔  
 اس کے بعد سے اس نے اپنے خصوصی اور انتہائی قابل اعتماد آدمیوں کے ذریعے ارخان کی نگرانی شروع کر دینی تھی۔

جس روز دوبارہ اس کے آدمیوں نے ارخان کی خفیہ نگرانی اور پراسرار آدمیوں سے ملاقات کی "رپورٹ" پیش کی تو کرنل شلوفوف کی آنکھوں میں یہ لفظ CapTruse 1.1 لکھا۔ اس نے فوراً ہی ایک خصوصی دستے کو اس کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔

میجر ارخان کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں تھا کہ وہ معاملات کی سنگینی کا احساس نہ کر پاتا۔ اس نے سرشام ہی جب ایک ضابطہ کو زیرِ کمان چار سپاہیوں کو اپنے بلاک کی طرف آتے دیکھا تو اس کا ماتھا ٹھکا۔ چھٹی جس کسی پیش آمدہ خطرے کی نشاندہی کر رہی تھی اور آج تک اسے چھٹی جس نے کبھی دھوکا نہیں دیا تھا۔

ایک لمحہ کے لئے اس نے کچھ سوچا پھر گھر کا نمبر گھما دیا، لیکن دوسری طرف تو صبح ہی سے لائن کٹ چکی تھی۔ اس نے جیسے ہی ٹیلی فون نیچے رکھا۔ اسی لمحے انٹر کام کی گھنٹی بجنے لگی۔ اپنی اندرونی حالت پر قابو پا کر اس نے دھڑکتے دل سے انٹر کام اٹھایا اور دوسری طرف سے بلاک پر متعین گارڈ کا انچارج اس سے مخاطب تھا۔

"آپ کو آپریٹل چیف نے یاد فرمایا ہے۔" اس نے سلام کے بعد مختصر سا پیغام دیا۔  
 "ٹھیک ہے۔ میں آتا ہوں"

اس نے مختصر سا جواب دے کر فون رکھ دیا۔ اس کے پاس کوئی بھی فیصلہ کرنے کے لئے صرف چند سیکنڈ تھے۔ ایک لمحے کے لئے جھکوں ارخان نے کچھ سوچا اور پھر ایک فیصلے پر پہنچ کر مطمئن ہو گیا۔

☆☆

اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ بزدلوں کی طرح سسک سسک کر جینے کی بجائے غیرت مندوں کی طرح ایک ہی مرتبہ موت کو گلے لگا لے گا۔ کمرے کے ایک کونے میں کائنس پر دھری اپنی کلاشکوف اٹھاتے ہوئے ایک لمحہ کے لئے اس کا دھیان یا سیمین کی طرف ضرور گیا تھا، لیکن

جیسے..... کسی غیر مرئی قوت نے اسے اپنا یک Capture and PDF by: Qamar Abbas قید کر کے اس کی ضرورت نہیں۔

کمرے سے باہر نکلتے ہوئے وہ سچے دل سے اپنے گناہوں کی معافی اللہ سے مانگ رہا تھا۔ بلاک کے دروازے کی طرف قدم اٹھاتے ہوئے جگلوں ارخان کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ ہلکا پھلکا ہو کر ہوا میں اڑنے لگا ہو۔

اس کے دل کا سارا بوجھ اتر چکا تھا.....!!!

گمن اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی اور یہ بلاک کے دروازے پر متعین کارڈ کے لئے کوئی اچھنبھے کی بات نہیں تھی کیونکہ جس خصوصی چھاپہ مارا بنی مجاہدین گروپ سے میجر ارخان کا تعلق تھا اس کے نمبر ان ہر وقت "سینڈ ٹو" رہتے تھے۔ خصوصاً اپنے افسرانہ کے سامنے پیش ہوتے وقت وہ مسلح ہو کر جاتے تھے۔ یہ الگ بات کے دروازے پر ہی ان کے ہتھیار رکھ لیے جاتے.....!

ضابطہ اور اس کے ساتھی بظاہر میجر ارخان کے احترام میں مستعد ہو گئے۔ انہیں خصوصی ہدایت کی گئی تھی کہ کرل شولوفوف کے کمرے کے دروازے پر پہنچنے تک ارخان کو بالکل نہ چھیڑا جائے۔ یہ ضابطہ مقامی ملازمین کی مکمل انکلیف کے پیش نظر اختیار کی گئی تھی۔ کمرے کے دروازے تک وہ لوگ اس کے آگے آگے چلتے ہوئے آئے تھے۔ دروازے سے چند قدم دور ہی رک کر اس کی طرف واپس مڑے۔

CapTrue 1.1 یہ سونے جیسے ان کے قدم جکڑ لئے ہوں۔

جگلوں ارخان کی شنیں گمن ان کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ دروازے پر متعین روی سپاہی ابھی اس طرف متوجہ نہیں ہوا تھا.....!

"اپنے ہتھیار پھینک کر فوراً یہاں سے بھاگ جاؤ۔ میں نہیں چاہتا کسی مسلمان کے خون سے اپنے ہاتھ رنگوں۔"

ارخان کے لہجے میں جھٹکتی سچائی اور آنکھوں سے نیچتی وحشت نے ان لوگوں کو یقین دلایا تھا کہ یہ شخص سچ بول رہا ہے۔ صرف دھمکی ہی نہیں دے رہا۔

محض چند سیکنڈ میں وہاں تین کلاشنکوف رائفلیں پڑی تھیں اور حسب حکم وہ لوگ اٹے قدموں پیچھے ہٹ رہے تھے۔ شنیں ان لمحات میں کمرے کا دروازہ کھلا اور ڈیوٹی پر متعین روی سپاہی اندر سے برآمد ہوا۔ آج یہاں "ضابطہ" کے فرائض وہی سرانجام دے رہے تھا۔ اور شاید کسی کام سے اندر گیا تھا۔

اس سے پہلے کہ باہر کی صورت حال اس کی سمجھ میں آتی۔ میجر ارخان کی شنیں گمن نے آگ اٹکنا شروع کر دی۔ وہ فضا میں اڑتے پرندے کا نشانہ لے کر گر آیا کرتا تھا۔ ایک دوسرے کے تعاقب میں تین گولیاں محض ایک ایک انچ کے فاصلے پر "روی ضابطہ" کے سینے میں سوراخ کر گئیں۔ خون فوارے کی طرح ابل رہا تھا۔ وہ پیکر آکر گر پڑا۔

کمرے کے اندر موجود کرل میخائل شولوفوف کو باہر کے حالات کا علم ہونے سے پہلے دروازہ جگلوں ارخان کی زور دار ٹھوکر سے کھل گیا۔ شولوفوف نے اپنی دانست میں رویہ اور اپنے ہولسٹر سے نکالنے میں بہت بھرتی دکھادی لیکن اہل سے زیادہ جلد نہ دکھا۔ کا اور ارخان کی گمن سے لپٹی لمبی سرخ زبان نے اسے چاٹ لیا۔



ارخان بڑی پھرتی سے باہر کپڑے پہنے اور اپنے پاس سے ایک کپڑا نکال کر اس کی طرف آ رہے تھے۔

تینوں سپاہیوں اور ارخان کی انگلیاں اکٹھی ہی ٹریگروں پر دبی تھیں۔ جگہوں ارخان کو ان کا انجام دیکھنے کی مہلت نصیب نہ ہوگی۔ بس گرتے گرتے اس نے آخری منظر بھی دیکھا کہ تینوں سپاہی ڈمگ مار رہے تھے۔

قریبی بیرک میں فائرنگ کی آواز سن کر تیزی سے بھاگ کر باہر آنے والے افغانی سپاہیوں نے جگہوں ارخان کو سیدھا کیا جو پہلو کے بل گرا ہوا تھا۔ ارخان آہستہ آہستہ کلہ طبعیکہ رو کر رہا تھا۔ اسکی آنکھیں دور کہیں فضا میں تک گئی تھیں اور ہونٹوں سے ایک ابدی مسکراہٹ چمک گئی تھی۔ پھر اس کی بڑبڑاہٹ بھی بند ہوگئی!

”انا للہ وانا الیہ راجعون!“..... بوڑھے فوجی نے اپنے گرد دوائے بنائے جوانوں پر نظر دوڑائی اور اٹھ کر کھڑا ہونے سے پہلے اپنے لرزے ہاتھوں کی انگلیوں سے جگہوں ارخان کی کھلی آنکھیں بند کرویں۔

نزدیک ہی تینوں رومی سپاہی ایڑیاں رگڑ رہے تھے، لیکن ان میں سے کسی نے اس طرف دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔ ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اور دلوں میں نفرت کے الاؤدک رہے تھے لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ ان سب پر تو جیسے سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ تمام معاملہ ان کی سمجھ میں پہنچا۔

CapTrue 1.1

وہاں موجود تمام سپاہی ایک دوسرے سے نظریں ملانے سے ہٹ چکے تھے۔ ڈائریکٹر اسفند یار کو دو مسلح ضابطوں کے ساتھ اس طرف آتے دیکھ کر وہ لوگ جو جھل قدموں سے اپنی بیرک کی طرف چل دیے۔

اسفند یار نے زمین پر بیٹھ کر جھکتے ہوئے ایک نظر جگہوں ارخان کے شہید وجود پر ڈالی۔

”میرے خدایا.....“ اس کے دل سے آہ نکلی اور وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

ایک نظر اس نے سامنے کے کھلے دروازے پر ڈالی پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ کنگل شولوفوف کی لاش پر ایک نظر پڑے ہی اس نے ایسے لمبی سانس بھری جیسے کسی بہت بڑے بوجھ سے چھٹکارا پایا ہو۔ وہ شولوفوف کی لاش کے بہت نزدیک آ کر اکڑوں بیٹھ کر اس کا جائزہ لیتا رہا۔ جیسے اس کی موت کا یقین کر لینا چاہتا ہو۔ جب اس کو یقین ہو گیا کہ وہ واقعی کوئی خواب نہیں دیکھ رہا تو جو جھل قدموں سے لیکن قدرے مطمئن باہر آ کر کھڑا ہو گیا۔

اسے اس حادثے سے اگر کوئی معمولی سا بھی دکھ ہوا تھا تو وہ ارخان کی موت کا دکھ تھا۔ وہ کم از کم اس بات پر خدا کا شکر گزار تھا کہ جگہوں ارخان حرام موت نہیں مرا اور جاتے جاتے ایک بڑے موذی کا صفایا بھی کر گیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آنے والا اس سے بھی کوئی سخت گیر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس عہدے پر بہر حال کسی ”رومی مشاؤز“ ہی نے فائز ہونا تھا۔

کچھ بھی تھانی الوقت تو ڈائریکٹر اسفند یار نے سکھ کا سانس لیا.....!





Capture and PDF by: Qamar Abbas

## نئی منزلوں کے مسافر

رات کے اس پہر یا کمین کی خواب گاہ کے دروازے پر ہونے والی دستک نے ان دونوں ہی کو پریشان کر دیا تھا۔ دونوں باتیں کر رہے تھے جب اچانک ایک قدرے شریفانہ دستک انہیں چونکا گئی۔

”کون ہو سکتا ہے؟“..... فیضان نے سوچا۔

وہ اپنی یہاں موجودگی کی اطلاع ”مرکز“ کو ضرور دیا کرتا تھا۔ کہیں اچانک اس کی مٹی نہ آگئی ہو یا پھر دشمن کو اس کی موجودگی کا یہاں علم ہو چکا ہے؟

کچھ بھی تھا اسے چند سیکنڈ کے اندر ہی کوئی فیصلہ کرنا تھا۔

**CapTrue 1.1** پھوٹیاں اڑنے لگی تھیں۔ خوف سے یوں دکھائی دیتا تھا۔ جیسے کسی نے اس کے چہرے سے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ سفید کپڑے کی طرح دھلا ہوا چہرہ لے کر وہ کسی لاشووری عمل کی تابع اٹھ کھڑی ہوئی فیضان نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور دروازے سے ملحق دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے یا کمین کو اشارے سے دروازہ کھولنے کو کہا۔ فیضان نے اپنی رائفل بالکل پوزیشن میں کی ہوئی تھی اور دروازہ کھول کر اندر آنے والے کی اس پر نظر پڑنے کا امکان بھی نہیں تھا۔ یا کمین اس کا مطلب تو سمجھ گئی تھی لیکن اس کے جسم نے کوئی حرکت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر اس نے خود کو سنبھالا۔ ڈنگا تے قدموں پر چلتی وہ دروازے تک گئی۔ اس دوران دوسرے مزید دستک ہو چکی تھی۔ اس نے لرزے ہاتھوں سے دروازہ کھول دیا۔

نواوار نے اپنا منہ کپڑے میں ڈھانپ رکھا تھا.....

”گھبرا جائیں بیٹی میں دوست ہوں۔“

اس نے اندر داخل ہوتے ہی پہلا فقرہ بڑی تیزی سے محض اس لئے ادا کر دیا تھا کہ یا کمین سنبھل جائے۔ فیضان نے کپڑے میں منہ چھپائے ہونے کے باوجود پہچان لیا تھا کہ یہ کام ایشان زادو ہے۔ اور اس کی اچانک آمد..... خدا خیر کرے۔ وہ دروازے سے نکل کر سامنے آ گیا۔

”خیریت!“.....

”اللہ ہم سب پر خیر کرے۔“

Capture and PDF by: Qamar Abbas

## نئی منزلوں کے مسافر

رات کے اس پہر یا سمین کی خواب گاہ کے دروازے پر ہونے والی دستک نے ان دونوں ہی کو پریشان کر دیا تھا۔ دونوں باتیں کر رہے تھے جب اچانک ایک قدرے شریفانہ دستک انہیں چونکا گئی۔

”کون ہو سکتا ہے؟“..... فیضان نے سوچا۔

وہ اپنی یہاں موجودگی کی اطلاع ”مرکز“ کو ضرور دیا کرتا تھا۔ کہیں اچانک اس کی مٹی نہ آگئی ہو یا پھر دشمن کو اس کی موجودگی کا یہاں علم ہو چکا ہے؟

کچھ بھی تھا اسے چند سیکنڈ کے اندر ہی کوئی فیصلہ کرنا تھا۔

**CapTrue 1.1** پھوٹیاں اڑنے لگی تھیں۔ خوف سے یوں دکھائی دیتا تھا۔ جیسے کسی نے اس کے چہرے سے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ سفید کپڑے کی طرح دھلا ہوا چہرہ لے کر وہ کسی لاشووری عمل کی تابع اٹھ کھڑی ہوئی فیضان نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور دروازے سے ملحق دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔

اس نے یا سمین کو اشارے سے دروازہ کھولنے کو کہا۔ فیضان نے اپنی رائفل بالکل پوزیشن میں کی ہوئی تھی اور دروازہ کھول کر اندر آنے والے کی اس پر نظر پڑنے کا امکان بھی نہیں تھا۔ یا سمین اس کا مطلب تو سمجھ گئی تھی لیکن اس کے جسم نے کوئی حرکت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر اس نے خود کو سنبھالا۔ ڈنگا تے قدموں پر چلتی وہ دروازے تک گئی۔ اس دوران دوسرے مزید دستک ہو چکی تھی۔ اس نے لرزے ہاتھوں سے دروازہ کھول دیا۔

نواوار نے اپنا منہ کپڑے میں ڈھانپ رکھا تھا.....

”گھبرا نہیں بیٹی میں دوست ہوں۔“

اس نے اندر داخل ہوتے ہی پہلا فقرہ بڑی تیزی سے محض اس لئے ادا کر دیا تھا کہ یا سمین سنبھل جائے۔ فیضان نے کپڑے میں منہ چھپائے ہونے کے باوجود پہچان لیا تھا کہ یہ کام ایشان زادو ہے۔ اور اس کی اچانک آمد..... خدا خیر کرے۔ وہ دروازے سے نکل کر سامنے آ گیا۔

”خیریت!“.....

”اللہ ہم سب پر خیر کرے۔“

ایشان زادہ نے ایک گہری سانس لے کر چپکا چڑھا اور دیا۔ وہ اب پاس سے ٹکاپ تھا۔

”بیٹی! موت تو برحق ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اچھی موت مرتے ہیں۔ میں تمہارے لئے کوئی اچھی خبر نہیں لایا، لیکن ایک مسلمان افغان زادی ہونے کے ناطے یہ خبر تمہارے لئے بری بھی نہیں..... ہمیں ابھی اطلاع ملی ہے کہ تمہارے والد ارخان نے روٹی کرل کو مار ڈالا اور خود شہید ہو گئے ہیں۔“

اتنا کہہ کر وہ چند ثانیے کے لئے خاموش ہو گیا۔

یاسمین کو یوں محسوس ہوا جیسے اچانک کسی نے بڑا زوردار گھونٹہ اس کے دل پر مار دیا ہو۔ اسے اپنے قدموں پر کھڑے رہنے میں بڑی دشواری پیش آرہی تھی۔ سسکیاں بھرتی ہو اپنے پٹنگ پر ڈھیر ہو گئی۔ فیضان مرد تھا لیکن اپنے جذبات پر کنٹرول رکھنا اس کے لئے بھی بہت مشکل ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں ضبط کے باوجود..... بھیگ چلی تھیں۔

”اللہ وانا الیہ راجعون“..... وہ بڑبڑایا۔

قاسم ایشان زادہ نے آگے بڑھ کر سسکیاں بھرتی یا یسین کے سر پر ہاتھ رکھا اور اسے چپ کرانے لگا۔

CapTrue 1.1

”یہ سب برسرِ اصرار فری میں اپنے ایک اور ساتھی کے ساتھ بڑا خطرہ مول لئے کر یہاں تک پہنچا ہوں۔ ہمارے پاس بہت مختصر وقت ہے کسی بھی لمحے یہاں کوئی بھی آ سکتا ہے۔ تم جلدی تیار ہو جاؤ۔ ہم یہاں سے فوراً چلنے والے ہیں۔“

غمر وہ یا یسین کو بہر حال وقت کی نزاکت کا احساس تھا۔ اس نے خود پر قابو پانے میں حیرت انگیز پھرتی کا مظاہرہ کیا۔ بڑی ہمت سے اس نے اپنی شال سے اپنا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ صاف کیا اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”ہم دروازے پر تمہارے منتظر ہیں۔ جتنی جلدی ممکن ہو تیار ہو کر آ جاؤ۔ زیادہ سامان اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ صرف ایک اٹیچی کیس لے آنا۔ جلدی کرو.....“

کہتا ہوا قاسم ایشان زادہ پارکنگ گیا۔

فیضان کو اس کے دکھ کا احساس ضرور تھا، لیکن اسے قتل دینے کیلئے اسے کوئی مناسب الفاظ بھی نہیں مل رہے تھے۔ بالآخر وہ اتنا ہی کہہ رکھا۔

”یا یسین مجھے تمہارے دکھ کا احساس ہے لیکن تم خود کو اکیلے نہ بھننا۔ ہمارے پاس وقت کم ہے جلدی تیار ہو جاؤ۔“

یہ کہہ کر وہ بھی کمرے سے باہر آ گیا۔ مرد ہونے کے باوجود وہ یا یسین سے آنکھیں ملانے کی جرأت نہیں پارہا تھا۔

یاسمین نے بڑی افراتفری میں بہت دھکی دل سے اپنی ماں کے زیورات اور چند جوڑے کپڑوں کے اپنے اٹیچی کیس میں رکھے۔ اپنے کمرے کے ایک کونے پر رکھی ماں باپ کے ساتھ اپنی تصویر کو ایک لمحے کے لئے اس نے تنگ کی بانڈھ کر دیکھا۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں اور دل خون کے آنسو رو دیا۔

تصویر اس نے بڑے احترام سے اپنی اٹیچی کیس میں رکھ لی تھی اور باہر آ گئی۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

فیضان نے اٹیچی پکڑ لیا۔

”ہم تیار ہیں۔“

اندھیرے میں اپنی طرف بڑھتے سایوں کو دیکھ کر فیضان نے سرگوشی کی۔

”آؤ.....“ ایشان زادہ کا ہمراہی پکارا۔

دونوں آگے بڑھ آئے۔

”ایک منٹ میں اپنا کام مکمل کر لوں۔“

قاسم ایشان زادہ کی آواز سنائی دی۔

سب وہیں رک گئے۔ ایک چرمی تھیلا اٹھائے قاسم ایشان زادہ ان کے قریب سے گزر کر آگے نکل گیا..... فیضان سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہا ہے۔ اس تھیلے میں یقیناً طاقتور نام بم رکھے ہوں گے۔ ایشان زادہ اپنا کام بمشکل دو تین منٹ میں مکمل کر کے واپس آ گیا۔

کابل کی اس ماڈرن آبادی سے چار سائے ایک دوسرے کے تعاقب میں باہر نکلے اور اندھیرے کی چادر نے جلدی ہی انہیں نگل لیا۔ چاروں نے روس رات پیدل قریباً پندرہ بیس میل کا سفر طے کیا تھا۔ اس دوران متعدد مرتبہ انہیں کرفیو کے اوقات میں گشت کرتی افغان فوج کی جھپوں کی روشنیوں سے خود کو چھپانا پڑا۔

☆☆

کابل شہر میں زیادہ تر گشت رات کے اوقات میں روسی فوج ہی کا ہوتا تھا۔ صبح البتہ وہ چھاؤنیوں میں واپس چلی جاتی تھے۔ یاسمین کے لئے یہ سفر بڑا دشوار اور جان لیوا تھا، لیکن حالات اور وقت کی نزاکت کا احساس اس سے زیادہ اور کس کو ہو سکتا تھا وہ جانتی تھی ایک مرتبہ بھی اگر خدا نخواستہ وہ انسانی درندوں کے ہاتھوں میں پھنسی گئی تو اس کے جسم کی بوٹی بوٹی وہ لوگ فوج ڈالیں گے۔۔۔

صبح کا ڈب کا جال چھیلنے تک وہ لوگ اپنے ایک محفوظ ٹھکانے تک پہنچ چکے تھے۔ فجر کے بعد اس کے والد کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی اور شام کے بعد دونوں کا نکاح پڑھا دیا گیا اور رات کے اندھیرے میں ایک مرتبہ چھروہ دونوں دو اور مجاہدین کی ہمراہی میں اگلے ٹھکانے کی طرف چل دیے۔

اس مرتبہ ان کی منزل پاکستان کا ایک مہاجر کیمپ تھی۔ جہاں فیضان نے یاسمین کو پہنچانا تھا۔ اسے زبردستی ایک ہفتے کی رخصت پر بھیجا گیا تھا۔ جس کے بعد اسے واپس آ جانا تھا۔

دوسری طرف ان لوگوں کی روانگی کے بمشکل پندرہ منٹ بعد ہی دو تین فوجی ٹرکوں نے کابل کی ماڈرن آبادی کے اس بڑے کوٹھیرے میں لے لیا تھا۔ اپنی دانست میں ان لوگوں نے بہت بھرتی دکھائی ہوگی، لیکن اب موت اور تباہی کے سوا ان کے لئے اور کچھ نہیں تھا۔ یہ موت جو آدھ گھنٹے سے منہ پھاڑے انہیں نگھنے کی منتظر تھی مقررہ وقت پر پھٹ پڑی۔

بلکہ اپنی تلاشی لینے والوں سمیت حالات کا جائزہ لیتا تھا۔ اسے دور دراز سے ہوتے تھے کہ دور دور تک کئی خوبصورت جنگلوں کی کھڑکیوں کے شیشے ٹوٹ گئے۔

☆ ☆ http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

روسی جارحیت دم توڑنے لگی تھی۔

روسی سپاہیوں کی لاشوں نے روس کا معاشرتی ڈھانچہ تباہ کر کے رکھ دیا تھا اور معیشت کا جنازہ بے پناہ فوجی اخراجات نے نکال دیا تھا۔ 1986ء میں صورتحال ایسی تھی کہ روسی صدر گورباچوف کو مجبوراً کہنا پڑا کہ افغانستان رستا ہوا زخم ہے اس بیان نے سفارتی حملاً پر ایک نئے کھیل کا آغاز کر دیا۔

امریکی روس کو چھٹا کر اپنا الوسیدھا کرانے کے پکڑ میں تھے جبکہ جنرل اختر عبدالرحمن روسی ہزیمت کو مجاہدین کی سیاسی فتح میں تبدیل کرنا چاہتا تھا..... اس کے لئے جنرل اختر نے لاگت فٹ پلاننگ کی تھی۔

امریکن سٹنگر میزائل میدان میں لے آئے تھے..... روس کی فضائی برتری بھی ختم ہو چکی تھی اور امریکن جانے لگے تھے کہ اب کسی بھی روس کو اس سے آہٹا رہنا ہے۔

CapTrue 1.1

روس کو اس سے آہٹا رہنا ہے۔

لیکن اس کے بعد؟.....

یہ سوال ان کے لئے بڑا ہی پریشان کن تھا۔ جنرل اختر نے مجاہدین کا سات جہاتی اتحاد بنا دیا تھا تاکہ وہ روس کے افغانستان سے نکلنے کی کابل میں ایک مضبوط اور مستحکم حکومت قائم کر لیں جبکہ امریکی ایسا نہیں چاہتے تھے.....

مجاہدین کی بنیاد پرست حکومت امریکیوں کے لئے ناقابل برداشت تھی.....

وہ چوں چوں کا مرہ بنا کر یہاں مستقل بدامنی کے خواہاں تھے اب تک جنرل اختر ان کے راستے کی بڑی مضبوط دیوار بنا ہوا تھا..... جنرل اختر نے آج تک مجاہدین کا براہ راست رابطہ ان سے ممکن نہیں ہونے دیا تھا۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ روس کی پسپائی کا کریڈٹ

امریکہ کے بجائے ہی آئی اے کے بجائے مجاہدین، پاکستان اور آئی ایس آئی کو ملے.....

امریکیوں کے لئے اب اس کا وجود ناقابل برداشت تھا کیونکہ امریکہ کا دورہ کرنے والے افغان وفد میں شامل سب سے زیادہ قابل ذکر افغان لیڈر گلبدین حکمت یار نے صدر ریگن سے شدید باؤ کے باوجود ملاقات کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

اس ملاقات کے ذریعے امریکن دنیا کو یہ تاثر دلانا چاہتے تھے کہ افغانوں نے روس کی پسپائی کے لئے ان کا شکر یہ ادا کیا ہے جبکہ غیور افغانوں کے لئے یہ ناقابل برداشت تھا۔

یعنی ان لمحات میں جب افغانوں کی بے پناہ قربانیوں اور آئی ایس آئی کی ناقابل یقین کارکردگی نے روس کے گھٹنے زمین سے لگا دیئے تھے۔ امریکنوں نے اپنے دیرینہ حلیف جنرل خیا، الملق کو جنرل اختر عبدالرحمن کی آئی ایس آئی سے رخصتی پر مائل کر لیا۔



اور..... جنرل اختر عبدالرحمن کو آپس میں گرفتار کر لیا۔

سب کئے کرائے پر پانی پھر گیا ان کے بعد آنے والوں نے جنرل ضیاء الحق کی امریکہ نواز پالیسیوں کو آگے بڑھایا۔

سی آئی اے نے براہ راست مجاہدین سے رابطہ کر کے اپنے مقاصد کو بروئے کار لانا شروع کیا اور دنیا نے عجیب منظر دیکھا کہ سپر پاور کونکوں چنے چبانے والے مجاہدین روس کی پسپائی کے بعد پاکستانی جرنیلوں کی معاونت کے باوجود جلال آباد پر قبضہ نہ کر سکے۔

جلال آباد پر قبضہ کے لئے روزنی تاریخوں کے اعلانات ہوتے رہے لیکن بالآخر وہی جو اسلام دشمن تو توں کا منشا تھا۔

جلال آباد اور کابل تسخیر ہوئے تو جوتوں میں دال بیٹے لگی.....

نیا قماش شروع ہو گیا۔

بد اعتمادیوں نے جنم لیا، ایک دوسرے سے شکایات پیدا ہونے لگیں ایک کے بعد دوسرا فارمولا بننے اور ٹکڑے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے، جہاد نے فساد کی صورت اختیار کر لی۔

پاکستانی عوام کہ قربانیاں دیتے دیتے جن کی کمرٹوٹنے لگی تھی۔ دہشت گردی ہیر و من اور کاشکوف نے جن کا کلچر ہی تبدیل کر کے رکھ دیا

تھا یہ 1. CapTrue ہے۔

لاکھوں جانوں کی قربانی دے کر روس کی سپر پاور کا بھرم توڑنے والے مجاہدین کی بوس کے خصموں میں اپنی بد بختی کا ماتم کر رہے تھے۔

جنرل اختر عبدالرحمن بے بسی سے ہاتھ مل رہا تھا.....

حالی شاطر شطرنج کی نئی بازی بچھا رہے تھے۔ نئے مہرے آگے بڑھاتے جا رہے تھے۔ نیا کھیل شروع ہو گیا تھا۔

روسی افواج کو بالآخر پسپائی کا محفوظ راستہ مل چکا تھا۔



## عشق کا عین

عشق کا عین..... عظیم الحق حق کے حساس قلم سے، عشق مجازی سے عشق حقیقی تک کے سفر کی داستان، ع..... ش..... ق کے حروف کی آگاہی کا درجہ بدرجہ احوال۔ دور حاضر کا مقبول ترین ناول..... ایک ایسا ناول جو آپ کے سوچنے کا انداز بدل کر آپ کی زندگی میں مثبت تبدیلی لے آئے گا۔ کتاب گھر کے معاشرتی اصلاحی ناول سیکشن میں دستیاب ہے۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

## گروزنی کے جانباز

چار سال بعد ایک روز پاکستان کے ایک سرحدی مقام پر بے مہاجرین کے کیمپ میں خیموں کی ایک لمبی قطار کے سرے پر بے ایک خیمے کے باہر ایک بوڑھی عورت اپنی بہو کے ساتھ بیٹھی تھی۔ ڈھائی سالہ ایک بچہ اپنی وادی سے بار بار لپٹ کر لا ڈکرتا اور پھر واپس ماں کی گود میں آ کر بیٹھ جاتا۔

”کچھ کرنے بھی دو گے ماں کو یا نہیں۔“

بوڑھی دادی نے اسے محبت سے ڈانٹا۔

بچے نے ایک لمبے کے لئے غصے سے دادی کی طرف دیکھا اور پرے بٹ گیا۔

CapTrue 1.1 ہے وہ بھی ایسا ہی تھا۔“

اس نے اپنی بہو یا یمنین کو مخاطب کیا جو اون کی شمال بن رہی اور سوچ رہی تھی کہ آج ہی کاؤن فیضان کی واپسی کا دن ہے۔ وقت کتنی تیزی سے گزر جاتا ہے اس کا اندازہ اسے نہیں تھا۔ کابل کی ماڈرن آبادی کی رہنے والی اور روسی یونیورسٹی کی تعلیم یافتہ یا یمنین آج پاکستان کے ایک سرحدی شہر کے کیمپ میں کیڑوں کے خیمے میں زندگی گھسیٹ رہی تھی۔

اس کا خاندان اپنی مرکزی قیادت سے ملاقات کرنے پشاور جاتا اور دو تین روز بعد جب واپس لوٹتا تو اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔

ہر نیا دن ان کے لئے نئی بد صورتی لے کر طلوع ہو رہا تھا۔

”سی آئی اے“ اپنے محمد و دو مقاصد حاصل کرنے کے بعد الگ ہو گئی تھی۔

روس کی شکست و ریخت جاری تھی اور یہی امر یہی چاہتے تھے۔ اب وہ افغانوں کو ایک متحد قوت کیوں بننے دیتے۔

جس روز یا یمنین کو فیضان کے ذریعے ”حزب اسلامی“ اور جمعیت اسلامی کے درمیان باقاعدہ جنگ کی اطلاع ملی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر

رودی.....

فیضان اوغلو کی حالت میں کچھ الگ نہیں تھی۔ اور شیرخان.....

خاموش شیرخان تو اس کے لئے ایک سوالیہ نشان بن کر رہ گیا تھا۔ وہ پہروں خاموش بیٹھا ان کا منہ دیکھتا رہتا۔

اسے تو امید تھی افغانستان کوروں کے بچہ استبداد سے رہائی دلانے کے بعد مجاہدین دریائے آمو کے پار ان محکوم مسلمان ریاستوں کی مدد کو

پنچیس گئے جن کی آنکھیں ان کے انتظار میں پڑ گئیں۔ ان کے ذہنوں کو پچھلے دنوں کی پیشکش

یہ مجاہدان کی امید تھی.....

لیکن.....

یہ تو آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹنے لگے تھے۔

دس لاکھ شہداء اور 45 لاکھ مجاہدوں کو پاکستانی سرحدوں میں دھکیل کر امریکہ بہادر نے اپنا مشن مکمل کر لیا تھا.....

پاکستانی ایوان اقتدار میں عہدوں اور مراعات سے چنے عاقبت ٹانڈلش ارباب بست و کشاد کے لئے اپنے ملک کی سلامتی اور افغانستان کے امن سے زیادہ اہمیت امریکی خوشنودی کو حاصل تھی۔

ان کی زندگیوں کا ایک ہی مقصد تھا کہ جیسے ہی ممکن ہو وہ امریکی ”گڈ بکس“ میں موجود رہیں۔

روسیوں کی فوجی شکست کو امریکیوں نے کبھی افغانیوں کی سیاسی فتح میں تبدیل نہ ہونے دیا اور ان کے نسلی غلام اپنے آقاؤں کے حکم پر

آنکھیں بند کر کے عمل پیرا ہو رہے تھے۔

CapTrue 1.1

☆☆

اس روز فیضان اوغلو نے پہلی مرتبہ شمشیر خان سے چلے جانے کے لئے کہا تھا۔

”لیکن میں تو اپنے کمانڈر کے ساتھ ہی جانا چاہتا تھا..... وہاں ہیٹھان میں اپنے دادا کی قبر پر میں اپنے فاتح کمانڈر کے ساتھ فاتحہ پڑھنا

چاہتا تھا“

اس نے کہا تو بہت ضبط کے باوجود فیضان اوغلو کی آنکھیں چھلک گئیں۔

”میرے دوست۔ میرے بھائی! میں ضرور آؤں گا۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک روز تم آ گئے تھے میرے پاس..... جیسے دنیا بھر سے

مجاہدین رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر ایک مرکز اور عہد پر اکٹھے ہونے لگے تھے۔ تم جاؤ شمشیر خان۔ ورنہ کرو۔ روسیوں کی کمر ٹوٹ چکی ہے..... انہیں

سنجھنے کا موقع نہ دو..... جاؤ اور اس مشن کو مکمل کرو جو یہاں نامکمل رہ گیا۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ تم لوگ ہماری طرح دھوکہ نہیں کھاؤ گے“

شمشیر خان اپنے دل پر پتھر رکھے وہاں سے رخصت ہو کر بالآخر ہیٹھان آ گیا۔ اس نے دادا قاضی کی قبر پر ان کے سر ہانے کھڑے ہو کر

یہ اعلان کر دیا تھا کہ اس خطے کے مسلمانوں پر آزادی کی صبح طلوع ہونے والی ہے اور وہ افغان جہاد کی سنت کو زندہ رکھے گا.....

اور اس نے ایسا ہی کیا.....

ایک روز ساری دنیا نے ایک عجیب و غریب اعلان آزادی سن لیا۔ یہ جمہوریہ ہیٹھان کا اعلان آزادی تھا۔

کیم نومبر 1991ء کو ماسکو کے دربار میں اس آزادی کی گونج سے لرز رہے تھے۔ روسی صدر یلسن کے لئے یہ اعلان چونکا دینے والا اور

انتہائی طیش دلانے والا تھا۔ اس کا جی تو یہی چاہا کہ ابھی آتش و آہن کے سیلاب سے چھپنا کور و دندو اے۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

نکین:

روسیوں نے تاریخ سے سبق سیکھ لیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اگر روسی فوجیں اس سرطے پر ہیشیان میں داخل ہوئیں تو پورا خطہ ”قفقاز“ بن جائے گا۔ انہوں نے 1877ء میں ”قفقاز“ میں مجاہدین کے ہاتھوں اپنے تین لاکھ فوجیوں کی موت کے سانچے کو نہیں بھلایا تھا اور افغانستان میں ہزیمت کا زخم ابھی تازہ تھا۔

اب وہ پیش میں بھر کر افغانستان کی طرح کوئی اور خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ انہوں نے ٹھنڈے دل و دماغ سے مسئلے کی سنگینی پر غور کیا اور اس سرطے پر جبکہ روس اور امریکہ کے درمیان ”مثالی تعلقات“ قائم ہو رہے تھے ”امریکی ہمدردی“ کا حصول ضروری جانا.....  
پلیس جانتا تھا کہ امریکہ کی آشرwad کے بغیر وہ ہیشیان کی طرف ایک قدم بھی بڑھانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا.....  
اور اس نے ایسا ہی کیا.....

اس نے امریکہ کو بتایا کہ مذہبی مسکریٹ پسند روس کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد ٹھنڈے پیٹوں نہیں بیٹھیں گے.....  
وہ امریکہ کی خبر لیں گے..... ان کا اگلا ٹارگٹ امریکہ ہو گا اور..... امریکیوں نے اسی مفروضے کو چھان لیا.....

CapTrue 1.1

’ہوسے روس و ورین سنگھ دے دیا..... اب روسیوں کو مناسب وقت کا انتظار تھا۔ فی الوقت وہ دیکھو اور انتظار کرو کی پالیسی اپنا رہے تھے۔

روس اس وقت زبردست معاشی عدم استحکام سے دوچار تھا جو افغانستان میں بے پناہ اخراجات کی بنا پر پیدا ہوا تھا۔ اگر وہ ہیشیان پر چڑھائی کرتا تو مزید معاشی بوجھ اسے تباہ کر کے رکھ دیتا۔ 1877ء میں ایک مختصر سی بغاوت کو کچلنے کے بھاری مجرم زار شاہی کو روسی خزانے کا ایک بڑا حصہ خرچ کرنا پڑا تھا۔ 1991ء میں روسی اپنی ذہنی معیشت کو سہارا دینے کے لئے دنیا بھر میں امداد کا کھٹول پھیلا کر بجیک مانگ رہے تھے، اس لئے جنگ کے اخراجات برداشت کرنا ان کے بس میں نہ تھا۔

روس کے مختلف شہروں میں قفقاز کے اڑھائی لاکھ مسلمانوں نے ہیشیان کی آزادی کی حمایت کی اور ہر قسم کے تعاون کے لئے آمادگی کا اظہار کر دیا تھا۔ اس وقت ہیشیان کے صدر جو ہر داؤد نے روس کو دھمکی دیتے کہا تھا:

اگر روس نے ہیشیان کے خلاف جنگ چھیڑی تو اس جنگ کو ماسکو اور روس کے دوسرے شہروں کے اندر تک منتقل کر دیں گے، جہاں حکومت کے وفادار ایک لاکھ تیس ہزار ہیشیانی باشندے موجود ہیں۔“

تین سال قبل قفقاز کی دو ریاستوں اور سبوتیا اور انگوشٹیا کا باہمی نزاع شدت اختیار کر گیا تو اس بہانے روس اپنی فوجیں، ٹینک اور بکتر بندگان ہیشیان کی سرحد تک لے آیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح صدر جو ہر داؤد گھبرا جائے گا اور اعلان آزادی سے تاب نہ ہو جائے گا لیکن جو ہر داؤد نے بے پناہ جرأت کا مظاہرہ کیا اور کہا..... ”اپنے ٹینک اور فوجیں ہماری سرحد سے ہٹاؤ ورنہ قفقاز کی دوسری جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔“  
اس کے علاوہ جو ہر داؤد نے عام اعلان جہاد کر دیا۔ اس کے بعد قفقاز کی دوسری ریاستوں کے رضا کار مجاہد بھی ہیشیان کا رخ کرنے

لگے۔ ہوا کارش دیکھ کر روس نے جو ہر داؤد کی دلی بولی کو یاد دلانے کے لیے پچھلے جہان میں جانت جاتی تھی۔

ہیشان پر حملے سے پہلے روس نے لومڑی جیسی عیاری سے کام لیا۔ نغز توں کے بیج یوکر..... بد امنی پیدا کر کے..... متحارب گروپ کو آپس میں لڑا کر اور امن کے قیام کا نعرہ لگا کر بغیر کسی مزاحمت کے قبضہ کرنے کا پروگرام تھا۔ وہی طریقہ جو بھارت نے مشرقی پاکستان میں اختیار کیا۔ ہیشان میں روس نے جن غداروں کا انتخاب کیا ان میں عمر افتر خانوف، رسلان، لا بازانوف اور روی پارلیمنٹ کے سابق سپیکر ارسلان خسلما توف شامل تھے۔ ان لوگوں نے ہیشان کے صدر جو ہر داؤد کے مخالف دھڑے کی قیادت سنبھالی اور صدر پر مالی بد عنوانیوں میں ملوث ہونے کا الزام لگایا۔ اس کے بعد اپنے حامیوں کے ذریعے حکومت کا تختہ الٹنے کے لئے پرتشدد مظاہرے کئے، قومی تحصیبات کو آگ لگائی اور صدر جو ہر داؤد کی وفادار فوج کے خلاف عسکری کارروائیاں کیں۔ ان کو نارگٹ یہ ملتا تھا کہ اگر صدر کو برطرف نہ بھی کر اسکو، تو کم از کم ایک متوازی حکومت قائم کرنے میں ضرور کامیابی حاصل کر لو۔

حزب مخالف نے اس مقصد کے لئے اپنی پلیٹیا قائم کی اور ناوتر چٹکی کے علاقے میں عملاً کنٹرول بھی حاصل کر لیا۔ ناوتر چٹکی میں ہیشان کی سب بڑی آئل ریفائنری واقع ہے۔

**CapTrue 1.1**  
حزب مخالف نے سر افتر خانوف کے زیر انتظام علاقے میں متوازی حکومت کا اعلان بھی کر دیا اور باغی فوج کی سربراہی کیلئے ہیشان کے دارالحکومت گروزی کے سابق میئر رسلان گشتامیروف کو چیف کمانڈر مقرر کیا گیا۔ صدر جو ہر داؤد کے حامیوں کے مطابق اپوزیشن لیڈر لا بازانوف اور خلیہ سلیمانوف مختلف جرائم کے سلسلے میں روی جیلوں میں قید کا شرفہ تھے۔ ان مجرموں کی رہائی کا مقصد یہی تھا کہ وہ ہیشان میں خانہ جنگی کے حالات پیدا کریں۔

☆☆

9 فروری کو حزب مخالف کے مسلح گروہوں نے فوجی چھاؤنی سے اسلحے کے گوداموں کو لوٹنے کی کوشش کی جس میں کئی جانیں ضائع ہوئیں۔ روس صدر جو ہر داؤد کے مخالف گروہ کو ہر طرح کی امداد دیتا اور حوصلہ افزائی کرتا رہا۔

حزب مخالف کا لیڈر عمر افتر خانوف ماسکو سے دس بلین روپل کی خطیر رقم لے کر آیا تھا۔ خود افتر خانوف نے بیان دیا کہ یہ رقم حکومت کے خلاف عوامی تائید حاصل کرنے کے لئے خرچ کی جائے گی۔

اس رقم کے علاوہ روس نے حزب مخالف کو ملک میں گٹھ پٹہ پیدا کرنے اور حکومت کو گرانے کے لئے ہر طرح کے اسلحے کی امداد بھیجی۔ روی نیکی کا پڑوں کو ہیشان کی سرحد عبور کر کے حزب مخالف کے مراکز میں اسلحہ پہنچاتے ہوئے دیکھا گیا۔

☆☆

ہیشان میں امن وامان کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہوتی چلی گئی۔ لیکن اس کے باوجود حالات اس منہج پر نہیں پہنچے تھے کہ جہاں تک روس چاہتا تھا۔ دوسری طرف روی قیادت پر روس کے انتخابات میں قوم پرست پارٹی کی اچھی خاصی کامیابی کا زبردست دباؤ پڑا۔ قوم پرستوں کے



متصحب لیڈر نے زار شاہی دور کے روس کی جہلی کا گروہ پایا اور دیکھتے ہی دیکھتے روسیوں میں بے جا ہوس اور جہولیت حاصل کر لی۔ جس کا اظہار انتخابات کے موقع پر لوگوں نے کھل کر کیا اور اس نے پلسن کے خلاف ایک مضبوط اپوزیشن کھڑی کر دی۔

اس جماعت کے منشور میں وسط ایشیا کی مسلمان ریاستوں سمیت دوسری بالٹک ریاستوں پر بھی دوبارہ قبضہ کرنا شامل تھا۔ ہیشان کے بارے میں وہ کسی دور رعایت کے قائل نہیں۔ بورس پلسن نے اپوزیشن کی عوامی مقبولیت سے پریشان ہو کر ہیشان پر چڑھائی کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہیشان کے سوائے قضا کی دوسری ریاستیں ابھی تک روس کے تسلط میں تھیں۔ ہیشان کو دیکھ کر وہاں بھی آزادی کی جدوجہد زور پکڑنے لگی تھی۔ انہیں ہیشان کے صدر جو ہرموی داؤد کی مکمل آشیر باد حاصل تھی۔ 1993ء میں ان تمام ممالک کے سرکردہ مسلم راہنماؤں کی ہیشان کے صدر مقام گروزی میں صدر داؤد کی دعوت پر ایک مجلس منعقد ہوئی۔ جس میں طے پایا کہ یہ تمام ریاستیں شمالی قفقاز کی ایک فیڈریشن میں ضم ہو جائیں گی اور اس فیڈریشن کا ہیڈ کوارٹر ہیشان کا دارالحکومت گروزی ہوگا۔ اس مجلس میں شمالی قفقاز کی ان مسلم ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ایک اعلیٰ سطحی تنظیم ڈھانچے کا قیام بھی عمل میں لایا گیا تھا۔

یہ کوشش اب رجب لاری تھیں اور ان مسلم ریاستوں کے باشندے بھی ہیشان کی راہ پر چلنے کے لئے قدم بڑھا رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ حالات روس کی رست سے ہٹ کر آگے بڑھ جاتے اور گروزی روس سے آزادی حاصل کرنے والوں کا مرکز بن جائے، ہیشان پر حملہ کر کے اس خطرے کی جڑی کاٹ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

روس کی یہ خواہش پوری ہوتی نظر نہیں آ رہی تھی کہ اندرونی خلفشار کے نتیجے میں ہیشان خود بخود ہی کچے ہوئے پھل کی طرح اس کی جھولی میں آگرے گا۔ اس نے ہیشانی حکومت کے باغیوں کو بے پناہ مالی وسائل مہیا کئے تاکہ وہ داؤد اور نظامیہ کو گرا سکیں، لیکن روس کو نظر آرہا تھا کہ یہ باغی راہنما ایسی گڑبڑ پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے جس سے صدر داؤد کی حکومت ختم کی جا سکے اور نہ لوگوں کو دوبارہ روسی فیڈریشن میں شمولیت کے لئے آمادہ ہو سکیں گے۔

اس طریقے سے ہیشان پر قبضہ دیکھ کر براہ راست فوجی کارروائی کا فیصلہ کر لیا گیا۔

☆☆

بحیرہ اسود کی بندرگاہ ابخاز یہ بھی ہیشان کے قبضے میں تھی۔ اس بندرگاہ کے ذریعے ترکی اور یورپ تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ روس کو اس اہم بندرگاہ سے محروم ہونا کسی طرح بھی گوارا نہ تھا۔

سوویت یونین کے ٹوٹنے سے قبل روس تیل کے معاملے میں خود کفیل تصور کیا جاتا تھا، لیکن تیل کی یہ دولت 90 فیصد ہیشان کی سرزمین سے حاصل کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ تیل کی صفائی کے بڑے کارخانے بھی ہیشان ہی میں واقع ہیں۔ اس لئے روس کے دوسرے علاقوں سے نکلنے والے تیل کی صفائی بھی ہیشان میں ہوتی تھی۔ اس حوالے سے اگر ہیشان کو وسط ایشیا اور مشرقی یورپ کا ”کویت“ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہ نقصانات روس کے لئے کچھ کم اہمیت کے حامل نہ تھے چنانچہ روس نے سوئے کی اس چڑیا کو دوبارہ زیر دام لانے کا فیصلہ کر لیا۔

روس نے صدر داؤد کو اطاعت پر مجبور کرنے سے پہلے ہی اس کا پتہ پانچواں سال 1992ء کو اس کے جواب میں 27 اکتوبر 1992ء کو صدر داؤد نے روس کے صدر بورس یلسن کو ایک خطی گرام ارسال کیا کہ تیل کی جو قیمت روس کے ذمے واجب الادا ہے وہ تین دن کے اندر اندر ادا کی جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا، تو ہم پٹرولیم کی مصنوعات کی ترسیل روک دیں گے۔ یاد رہے کہ روس "ایوی ایشن فیول" کی 92 فیصد ضروریات شیشان سے پوری کرتا ہے۔ اس طرح روس کی معاشی شرگ شیشان کے قبضے میں تھی جس کو کبھی بھی وہ باکروں کی ترقی کی سانس روک سکتا تھا۔ ان وجوہ کے پیش نظر روس نے شیشان پر حملہ کر کے اس پر دوبارہ قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ خوش قسمتی سے روس کو مسلمان ممالک کے خلاف کارروائی کرنے میں امریکی حمایت کی چھتری بھی حاصل تھی۔ اب روس اپنے ابتدائی بحران پر بھی قابو پا چکا تھا اور وہ کیفیت باقی نہیں رہی تھی جو 1991ء میں تھی۔

ایک روز آتش و آہن سے لیس روسی بکتر بندو سے چینی چھینا پر یلغار کر رہے تھے۔ زمینی حملے سے پہلے روسی فضائیے نے گروزنی پر شدید بمباری کی اور اپنی دانست میں گروزنی کے جاننازوں کو ختم کرنے کے بعد ہی پیدل فوج کو آگے بڑھایا۔ لیکن ساری دنیا انگشت بدنداں تھی گروزنی کے جیلے اپنی روایات کے مطابق جیتوں کی طرح روسیوں پر ٹوٹے اور کابل کی تاریخ خود کو CapTrue 1.1 دہراے گا۔

کتاب گھر کی پیشکش کتاب گھر کی پیشکش  
http://kitaabghar.com http://kitaabghar.com

## کتاب گھر کا پیغام

آپ تک بہترین اردو کتابیں پہنچانے کے لیے ہمیں آپ ہی کے تعاون کی ضرورت ہے۔ ہم کتاب گھر کو اردو کی سب سے بڑی لائبریری بنانا چاہتے ہیں، لیکن اس کے لیے ہمیں بہت ساری کتابیں کمپوز کروانا پڑیں گی اور اس کے لیے مالی وسائل درکار ہوں گے۔ اگر آپ ہماری براہ راست مدد کرنا چاہیں تو ہم سے [kitaab\\_ghar@yahoo.com](mailto:kitaab_ghar@yahoo.com) پر رابطہ کریں۔ اگر آپ ایسا نہیں کر سکتے تو کتاب گھر پر موجود **ADS** کے ذریعے ہمارے سپانسرز ویب سائٹ کو وزٹ کیجئے، آپ کی یہی مدد کافی ہوگی۔ یاد رہے، کتاب گھر کو صرف آپ بہتر بنا سکتے ہیں۔

Capture and PDF by: Qamar Abbas

## کس شیر کی آمد ہے!

شمشیر خان اپنے گھر آیا تو اس کی حالت بارے ہوئی سپاہی جیسے تھی.....  
لیکن.....

سارے گاؤں نے اس کا استقبال ایک فاتح کی حیثیت سے کیا تھا.....

اس نے افغان جہاد میں حصہ لے کر ہیشیانوں کا فرض کفایہ ادا کر دیا تھا.....

وہ ان سب کا ہیرو تھا..... اور سب سے بڑھ کر راجے کا.....

راجے اس کی پہلی اور آخری محبت تھی۔ اس نے افغانستان جانے سے پہلے اس سے کہا تھا کہ ایک روز وہ ضرور سرخرو ہو کر واپس آئے گا اور

راجے 1.1 CapTrue کی.....

زندگی کے آخری سانس تک اس کی منتظر رہے گی۔

کمانڈر جبریل کی معیت میں اس نے جلد ہی اپنے مشن کا آغاز کر دیا اور روپی فوجیوں پر ویسے ہی حملے ہونے لگے جیسے کبھی افغانستان میں وہ فیضان کی کمانڈ میں کیا کرتے تھے۔ آج اس کا بچپن یا بارود بڑی کامیابی سے پھٹا تھا۔

دھماکہ زوردار گڑگڑاہٹ چلی..... سسکیاں اور پھر خاموشی..... گہری خاموشی۔ موت کا سناٹا.....

شمشیر خان جھڑپوں کی اوٹ سے نکلا۔ چند منٹ پہلے وہاں ایک ہیرک نما کمرہ تھا۔ اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ گری پڑی اینٹیں، ٹوٹی پھوٹی لکڑیاں جھلکتی ہوئی زمین، دھواں اٹھ رہا تھا۔ گہری خاموشی اور تاریکی میں شمشیر خان مسکرا دیا۔

اس نے آس پاس پھیلی ہوئی تاریکی پر نگہ ڈالی۔ اسے کچھ دکھائی نہ دیا۔ وہاں وہ اس وقت اکیلا تھا۔ خود مختار، بے خوف، آزاد، اس نے زنجیر کی ایک کڑی توڑ دی تھی۔ زمین کا وہ ٹکڑا آزاد ہو چکا تھا۔ اب اس علاقے سے سرکاری اور روپی فوج کی ایک اور چوکی نیست و نابود ہو چکی تھی..... ایک عجیب سی طمانیت اور سکون سے اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ دو گھنٹے پہلے جب وہ اس علاقے میں پہنچا تھا، تو اس وقت بھی اس کے دل میں کوئی خوف نہ تھا۔ ہاں وہ ایک عجیب طرح کی بے چینی اور اضطراب محسوس کر رہا تھا۔ جب بھی اسے کسی مہم یا مشن کو انجام دینے کے لئے جانا پڑتا تو دشمن کے خلاف قدم اٹھانے سے پہلے اس کا دل بے چین اور مضطرب ہو جاتا تھا۔ شروع شروع میں وہ اپنے اس اضطراب کو نہ سمجھ پایا۔ وہ اپنے آپ کو کوسے ہوئے کہتا۔ کیا تم خوف محسوس کرتے ہو۔ لیکن دل خوف سے خالی محسوس کرتا۔ اور سوچنے لگتا۔ پھر یہ بے چینی اور اضطراب کیوں؟ اب وہ عرصے سے اس کیفیت کو سمجھ گیا تھا۔

یہ بے چینی، یہ اضطراب۔ ایک خواہش تھی کہ اسے قید کی سیٹھان سے لے کر اپنے گھر کا منہ نہ دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ اپنی جان ہتھیلی پر لئے ایک سپر پاور کے خلاف لڑ رہا تھا۔ اسے اپنی جان جانے کا کوئی خوف نہ تھا۔ احساس ہوتا تو اس بات کا کہ وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو جائے۔ اب وہ پوری طرح مطمئن تھا۔ اس نے یہ اہم اور خطرناک فریضہ انجام دیا تھا۔ پچھلے دس دنوں میں اس علاقے میں تیرہ فوجی چوکیوں کو اڑایا چاچکا تھا۔ اس پورے علاقے میں صرف تین چوکیاں اب باقی رہی تھیں۔ جہاں ردی اور سرکاری فوج کے سپاہی قابض تھے۔

آج کی رات ان بتایا تینوں چوکیوں کو اڑا کر اس پورے علاقے پر غیر ملکی فوج کے تسلط کو ختم کرنے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ ان چوکیوں کی تباہی کی صورت میں یہ پورا علاقہ آزاد اور خود مختار ہو جاتا۔ مجاہدین کے قبضے میں آ جاتا۔

شمیر خان کو یہ چوکی اڑانے کے لئے خاص طور پر چنا گیا تھا۔ وہ اس علاقے کا بھیدی تھا۔ چپے چپے سے واقف تھا۔ ایک ایک موڑ۔ ایک ایک پتھر سے اس کی آشنائی تھی۔ اس چوکی سے چند میل کے فاصلے پر ہی تو اس کا گاؤں تھا۔ کمانڈر جبریل نے اسے یہ فرض سونپتے ہوئے کہا تھا

”گھر کی یاد بڑی ظالم ہوتی ہے۔ میں جانتا ہوں۔ جب تم اس علاقے میں پہنچو گے تو قدم قدم پر تہارے دل میں یہ خواہش پیدا ہوگی کہ تم اپنے دوس چاؤ۔ اپنے دوس جاسکتے ہو۔ لیکن ایک شرط پر..... پہلے تم اپنا فرض ادا کرو گے۔ اس کے بعد تم اپنے گاؤں جاکر اور پھر پوچھنے سے پہلے گاؤں سے نکل جاؤ گے۔“

خان نے ہنس کر کہا تھا۔

”میں جب تک اپنے کام کو انجام نہ دے لوں گا۔ گاؤں جانے کا خیال بھی دل میں نہ لاؤں گا۔“

شمیر خان نے پھر چاروں طرف دیکھا رات تاریک تھی۔ کوئی اکا دکا دھندلا دھندلا سپید ستارہ دور آسمان پر ٹٹمار ہاتھا۔ وہ اچانک زمین پر بیٹھ گیا۔ اسے یوں لگا جیسے زمین اسے پکار رہی تھی۔ ایک عجیب، مدھم، پراسرار آواز میں..... وہ اسے کہہ رہی تھی۔

”میرے بیٹے، میرے مجاہد..... میرے غازی..... تم نے اپنی ماں کی عزت پر حرف نہیں آنے دیا۔ مجھے تم پر فخر ہے۔ جس ماں کے بیٹے اتنے غیر خند، بہادر، دلیر اور شجاع ہوں وہ ماں کبھی کسی کی ملازم اور باندی نہیں بن سکتی۔ چھپنیا ظلام نہیں رہ سکتا“

اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”ماں..... عظیم ماں..... میں تیرا بیٹا ہوں۔ کیا تو کسی لمحے ہم سے مایوس ہو گئی تھی۔ ہم وقتی طور پر دبے ضرور تھے۔ ظلام کبھی نہیں بنے.....“



اس نے یوں محسوس کیا۔ جیسے زمین جو اندھیرے میں پاؤں پھیلائے اس وقت نیم بیداری کی کیفیت میں تھی۔ اس زمین نے اطمینان کی ایک لمبی سانس لی ہے۔ اور پھر آنکھیں بند کر کے سوئے گی ہے۔ شیخی نیند.....

شمیر خان جیزی سے آگے بڑھا۔ چند منٹ پہلے یہاں فوجی چوکی تھی۔ اب وہاں خراب تھا۔ وہ جھک کر تاریکی میں لمبے کوٹھنوں لگا۔ اب



وہ ان کاموں کا عادی ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ اپنے اپنے کمرے میں جا بیٹھا۔ Capture and PDF by: Qamar Abbas

راٹھلیں ڈھونڈ چکا تھا۔ اس نے پانچویں راٹھلیں اٹھائیں اور پھر جھاڑیوں کی طرف چل نکلا۔ جھاڑیوں کے پیچھے ایک بڑا تھیلا پڑا تھا۔ پوری نما تھیلا۔ اس میں کئی چیزیں بھری ہوئی تھیں۔ اس نے ان پانچویں راٹھلوں کو بھی اس تھیلے میں ڈالا اور پھر تھیلے کو کندھے پر رکھ کر چل پڑا۔ گاؤں اس کی منزل تھی۔

اب وہ اپنے گاؤں جا سکتا تھا۔ ابھی پو پھٹنے میں کئی گھنٹے باقی تھے۔ اس نے اندازہ لگایا کہ وہ یہاں سے تیز تیز چلتا ہوا۔ ڈیڑھ گھنٹے میں اپنے گاؤں پہنچ سکتا ہے۔ اپنے گھر میں ایک ڈیڑھ گھنٹہ ٹھہرنے کے بعد وہ پو پھٹنے سے بہت پہلے گاؤں سے نکل سکتا ہے۔ اسے صبح ہونے تک ارغون کی طرف جانے والی سڑک کے ایک طرف واقع اپنے خفیہ کپ میں پہنچنا تھا۔ وہ بار بار فاصلے اور وقت کو ذہن میں لا رہا تھا۔ اسے یقین تھا وہ ٹھیک وقت پر اپنے کپ میں پہنچ جائے گا۔

اس کے قدموں کی چال خود بخود تیز ہو گئی۔ وہ اپنے آپ کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ ذہن اس کے قدموں سے بھی تیز تھا۔ چہرے آنکھوں کے سامنے آ رہے تھے۔ روشن، منور، ان پر رات کی تاریکی کی کوئی پرچھائیں تک نہ تھی۔

CapTrue 1.1  
ورن.....

☆ ☆ کتاب گھر کی پیشکش

اسے وہ دن یاد آ رہا تھا۔ جب وہ مجاہدین میں شامل ہونے کے لئے اپنے گھر سے نکلا تھا۔ ایک سال دو ماہ دس دن..... پہلے وہ اپنے گھر سے نکلا تھا۔ اسے ایک ایک دن یاد تھا۔ ایک سال دو ماہ دس دن..... سے اس نے کسی کو نہیں دیکھا۔ ان کی خیریت کی کوئی خبر بھی نہ ملی تھی۔ خط و کتابت کا تو وہاں سوال ہی کہاں تھا۔ ایک ایک لمحہ اسے یاد آ رہا تھا۔ تصویر بن کر اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ ان لمحوں کو اس نے بار بار اپنی یادوں، اپنے تصور اور ذہن میں تازہ کیا تھا..... لیکن اس لمحے جب وہ ایک سال دو ماہ دس دن کے بعد اپنے گاؤں جا رہا تھا تو اس وقت یہ لمحے پہلے سے بھی زیادہ منور ہو گئے تھے۔

ماں اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی.....

چہرے پر جھریاں، آنکھیں چند ہی سیوری تھیں۔ بڑے دہانے، باریک ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

”ہاں اماں..... میں جا رہا ہوں۔“ اس نے کہا تھا۔ پھر اپنی بوڑھی ماں کی طرف دیکھا تھا۔ اس کا خیال تھا اس کی بوڑھی ماں بے حد رنجور دکھی اور غمزدہ دکھائی دے گی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھریاں بہہ رہی ہوں گی لیکن وہ تو اپنی جھریوں سمیت مسکرا رہی تھی.....

اس لمحے اس نے سوچا اماں اس کو نہیں تو یہ مسکرانے کا بھی موقع نہیں۔ پھر اماں کیوں مسکرا رہی ہے..... میری اماں نے مجھ پر کبھی طنز نہیں کیا۔ آج کہیں اماں طنز ہی اور جملے بھنے انداز میں مسکرا کر میرے ارادے کی راہ میں دیوار بننے کا ارادہ تو نہیں کر رہی۔ کہیں راجے نے اسے اپنی تو نہیں پڑھادی..... راجے کی شریر آنکھیں اس کی نگاہوں کے سامنے چمکنے لگیں.....



”شیرخان“ وہ اپنی ماں کی آواز کی طرح بول رہا تھا۔ میں نے کہا کہ اسے نہیں روکوں گی۔ میں نے تمہیں افغانستان جانے سے بھی نہیں روکا تھا۔ لیکن تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا۔“

”وعدہ..... اماں کیسا وعدہ۔“

”ایک ہی وعدہ..... کہ تم پیٹھ پر گولی نہیں کھاؤ گے۔“

اس کی ماں کی آواز میں ایک انتخاب تھا۔ ایک عجیب سا طنز..... اس نے اپنی ماں کی طرف دیکھا۔ اس وقت اس کا سر تڑپا ہوا تھا۔ چند ہی آنکھیں شرارے اٹکے رہی تھیں۔ چہرے پر ایک ملاحت آمیز عجیب سی استقامت تھی۔ شدت جذبات سے اس کے وجود میں لرزش پیدا ہو چکی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

”تم نے وہ گیت سنا ہے نا.....“ دشمن کا سر ہمیشہ کے لئے جھکا دو۔ اس کا سر کاٹ دو۔“

اسے اس وقت یہ پورا گیت یاد آ گیا تھا۔ صدیوں پرانا گیت جسے وہ اپنے بچپن سے سنتا چلا آ رہا تھا۔ ”ہاں اماں مجھے گیت یاد ہے.....“

اجانک اس نے محسوس کیا تھا کہ اس کی ماں کچھ دھڑکی سی پڑ گئی ہے۔ اس کے چہرے پر اداسی کی پرچائیں بھی دکھائی دینے لگی ہیں لیکن آنکھوں میں وہیں پہلے سے وہ سرور ہے دیکھتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ اماں بڑبڑا رہی تھی۔

”وطن کا دشمن..... وطن کا دشمن اس کا سر کاٹ دو.....“

شیرخان کو وہ لمحہ یاد آیا۔ جب اچانک اس نے اپنی بوڑھی ماں کو اپنے مضبوط بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا۔ اماں اس کا ہاتھ چوم رہی تھی۔ اسے اپنے سینے سے لگا رہی تھی اور خان عجیب رندھے رندھے لمبے میں کہہ رہا تھا۔

”اماں..... میں وطن کو اس کے دشمنوں سے پاک کر دوں گا۔ میں سینے پر گولی کھاؤں گا..... اور پھر ایک دوسرے لمحے میں اس کی نگاہ جب اٹھی تو اس نے دیکھا کہ اس کی بیوی راتے دروازے کے پاس کھڑی ہے اور ماں بیٹے کو دیکھ کر مسکرا رہی۔ اماں نے اپنی بہو کو دیکھا تو بولی۔“

”جانے کا وقت قریب آ گیا ہے راتے سے بھی بات کر لے.....“ پھر وہ کمرے سے نکل گئی۔

☆☆

راتے جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہی تھی۔ اسے کوئی بات نہ سوجھ رہی تھی۔ چپکے کئی دنوں سے وہ راتے کو اپنے جانے کے بارے میں بتا چکا تھا۔ مجاہدین میں شامل ہونے کا خیال جس وقت اس کے دل میں آیا تھا تو اس نے سب سے پہلے راتے کو ہی اپنے ارادے سے مطلع کیا تھا۔ اس نے کہا تھا۔

”میں بے غیرت نہیں ہوں راتے۔ وہ ہمارے مذہب کو بدل دیں گے۔ اگر ہم نے اس ظالم حکومت اور روسیوں کا مقابلہ نہ کیا تو ہمیشہ کے لئے غلام ہو جائیں گے۔ میں شیخ کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ سرخرو ہونے۔ راتے نے اپنا سراسر کے کندھے سے نکال دیا تھا اور کہا تھا۔

”ہم بے غیرت نہیں ہیں خان۔ میرے بابا نے مجھے یہ سبق پڑھایا تھا کہ اپنے میاں کو کبھی بے غیرتی نہ سکھانا۔ میں بے غیرت کی بیوی بن

کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ تم اللہ کا نام لے کر دشمنوں کا گھر کاٹے چلو۔ میں تمہارا انتظار کروں گی۔ سرخرو ہو کر لوٹا۔ لیکن افغانستان کے ہمارے ہوئے مجاہدین کرنا آتا۔

راجے کی یہ بات اسے کھانگی۔ لیکن اس کڑوی سچائی سے فرار ممکن نہیں تھا۔  
شمیر خان اڑا چلا جا رہا تھا۔ فاصلے سمٹ رہے تھے۔ وہ اس علاقے کے ایک ایک راستے اور ایک ایک موڑ سے واقف تھا۔ آنکھیں بند کر کے اپنے گاؤں پہنچ سکتا تھا۔ یادیں اور وہ سارے لمحے جو آخری الوداعی ملاقات کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھے۔ وہ سارے لمحے تصویروں اور آوازوں کی صورت میں اس کے ذہن کے پردے پر کھینچے چلے آ رہے تھے۔

ان میں بعض لمحے بہت اذیتناک تھے۔ بعض لمحے آنسوؤں میں بھیکے ہوئے تھے۔ اپنی دو برس کی بیٹی نوری کو گود میں لے کر، ہوا میں اچھالتے ہوئے وہ سوچا کرتا تھا۔ جب میں دوبارہ روسیوں سے مقابلہ کرنے کیلئے جاؤں گا تو یہ مجھے بہت یاد آئے گی اور اس کی یاد میرے دل کو بوجھل کر دے گی۔ کبھی کبھی وہ سوچتا تھا۔ اگر میں بھی مر گیا تو..... اس کے بعد اس کا ذہن تاریک ہو جاتا۔ دل ڈوبنے لگتا۔

وہ سوچتا نوری یتیم ہو جائے گی۔ یہ تو ابھی اتنی چھوٹی سی ہے کہ اسے تو میری شکل بھی یاد نہ رہے گی۔ دوسرے لمحے وہ دانت پیسنے لگتا۔ "دو برس میں جہاں میرا ویراں ہو گیا ہے۔" وہاں پاکستان کے رہنے والے کپڑوں میں نوری جیسی ہزاروں بیٹیوں نے کب اپنے باپ کو دیکھا تھا۔ اس کی نوری کچھ الگ تو نہیں تھی۔



اس وقت جب اس کے قدم تیزی سے اپنے گاؤں کی طرف اٹھ رہے تھے۔ اس وقت اس کی آنکھوں کے سامنے نوری کا چہرہ بار بار آ رہا تھا۔ سب سے روشن، منورہ چہرہ، سرخ رخسار پھولے پھولے کمال، بھورے بال، چھوٹے چھوٹے ہاتھ پاؤں، تو تلے لہجے میں اس کی دل میں اتر جانے والی باتیں اسے رلا رہی تھیں۔

اسے یاد آ گیا.....

ایک روز اسی طرح وہ کیسی بے سرو سامانی کے عالم میں اپنے گھر سے نکلتا تھا۔  
شمیر خان اس کے والد کا عطا کردہ نام تھا جس نے زندگی کا طویل عرصہ افغانستان میں گزارا جب وہ ایک تجارتی قافلے کے ساتھ افغانستان اور قفقاز سے سفر کرتا یہاں پہنچا تھا۔ شمیر خان کی پیدائش سے بیس سال پہلے اس کا دادا ہیٹھان لوٹ آیا تھا لیکن صرف اپنا جسم لے کر..... اس کی روح افغانستان میں ہی تھی.....

اس نے افغانوں کو فرنگی فوج سے لوہا لیتے دیکھا تھا۔ اس نے کھساروں کے ان شیروں کی لپک جھپٹ کا نظارہ کیا تھا جنہوں نے انگریز لشکر کے بیس ہزار میں سے صرف دو لشکرزی زندہ رہنے دیئے تھے تاکہ ان میں سے کوئی ایک پشاور چھاونی تک پہنچ کر تباہی کا احوال اپنے ماکان تک پہنچا دے.....

Capture and PDF by: Qamar Abbas

یہ دونوں لشکری بھی انگریز نہیں بہت دانا تھے۔  
اپنے وطن واپس آنے کے بعد سے اس کے دل میں مسلسل ایک ہی آگ سلگ رہی تھی کہ کس طرح وہ بھی روس کی غلامی کا طوق اپنے گلے سے اتار دے.....

ہاسکو سے صرف تین سو کلومیٹر کے فاصلے پر موجود امام شامل کی پہلی انگریز فوجی کیمپوں نے امام شامل کی کیمپوں میں ایسا معرکہ آزادی لڑا کہ تاریخ کو ایک نیا موزے گئے۔ لیکن اینوں کی ریشہ دوانیوں..... بے حسی اور کم سامانی نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔  
روسیوں نے جب ہیشان پر کنٹرول حاصل کر لیا تو یہاں امام شامل کی کیمپوں کو چن چن کر خاندان سمیت موت کے گھاٹ اتارا۔ یہ اس کے دادا کی خوش قسمتی تھی کہ وہ روسیوں کی نظروں سے بچ رہا اور قاضی خاندان کا معزز فرزند بننے کے سبب اسے کچھ معاشرتی تحفظ حاصل رہا۔  
قاضی صاحب کے دل میں اب ایک ہی دھن سہائی تھی کہ کسی طرح وہ اپنی آنکھوں سے ایک مرتبہ پھر امام شامل کی کیمپوں کا نظارہ کر لے اس نے اپنے پوتے کا نام اپنے ایک افغان دوست کے نام پر ہی شمشیر خان رکھا تھا اور چاہتا تھا کہ جس طرح افغانوں نے فرنگیوں اور روسیوں سے خود کو محفوظ رکھا تھا اس کی قوم بھی ایسا ہی کرے.....

CapTrue 1.1

وہ اپنے حاضری دہرتے وقت تک افغانوں کی بہادری اور جہاد کے قصے سناتا رہا۔ شمشیر خان یہ کہانیاں سن کر جوان ہو رہا تھا۔  
”آہنی پردہ“ روسیوں نے ہیشان کے گرد زیادہ مضبوطی سے تانا تھا لیکن ایک روز وہ ساعت سعید بھی آئی گئی جب قاضی صاحب کے بوڑھے کانوں نے جن کے ساعت بھی اب ان کی بصارت کی طرح دم توڑنے لگی تھی یہ خبر سن لی کہ افغانوں نے روس کے جبر کو قبول نہیں کیا اور ہندوق اٹھائی ہے.....

اس روز زندگی میں پہلی مرتبہ انہیں اپنی جوانی کے کھوجانے کا دکھ ہوا.....  
لیکن.....

شمشیر خان کی شکل میں ان کے پاس ابھی ”امید“ باقی تھی۔ انہوں نے اٹھارہ سالہ شمشیر خان سے کہا تھا کہ اب شاید وہ زیادہ دیر نہ جی پائیں لیکن ان کا دل گواہی دے رہا ہے کہ انشاء اللہ افغانستان کو روس کے پنجے سے رہائی ملے گی اور امام شامل کی کیمپوں مکمل مشن کی تکمیل ہوگی۔  
کوئی فنی قوت انہیں نوید دے رہی تھی کہ روس کی شکست و ریخت کا آغاز اب افغانستان سے ہوگا.....

تاجکستان، ازبکستان اور بالٹک کی ریاستوں کو آزادی ضرور نصیب ہوگی اور اس کا آغاز کابل کے پنجہ استبداد سے رہائی کے ساتھ ہی ہو جائے گا۔ انہوں نے اپنے پوتے سے کہا تھا کہ جیسے بھی ممکن ہو وہ افغان جہاد میں حصہ لے۔ جہاد کے شمرات سمیٹے اور اسلام کی اس ہمیشہ زندہ رہ جانے والی سنت کا احیاء ہیشان میں کر لے۔

ہیشان سے افغانستان کے اس صوبے تک شمشیر خان کس طرح پہنچا؟  
شیخ اسامہ تک اس کی رسائی کیسے ممکن ہوئی؟

یہ سوچ کر وہ جہاد کی عظمت کا تاقیہ بپا کر کے عزم کرتا تو کبھی یہاں پہنچ پاتا..... جب کبھی فیضان نے اسے پوچھا کہ وہ چیچنیا سے یہاں تک کیسے پہنچا تو اس کا ایک ہی جواب تھا۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

”جذبہ جہاد تھا جو اسے یہاں تک لے آیا۔“

وہ ہر سائل کو یہی جواب دیتا تھا.....

اس کے جذبہ کی صداقت تھی.....

اس کی گنگ تھی یا پھر اللہ کی طرف سے اس کا انتخاب کسی بڑے انعام کے کے لئے ہو چکا تھا کہ ایک روز وہ بھی آیا جب وہ شیخ اسامہ کے نزدیک ساتھیوں میں شمار ہونے لگا۔

”جوئی“ کے محاذ پر اس نے عرب، افغان اور پاکستانی مجاہدین کی معیت اور شیخ کی کمان میں زندگی اور موت کا ایسا شاندار معرکہ سر کیا جو آج عسکری تاریخ کا درخشاں باب بن چکا ہے۔ فیضان اوغلو نے اسے جو سبق پڑھا کہ وطن واپس بھیجا تھا اس نے کبھی نہ بھلایا۔ روس کی شکست و ریخت کا عمل جاری تھا ہیشیان نے اعلان آزادی کیا اور روس سے الگ ہو کر اپنی حکومت کا اعلان اور جہاد منظم کرنے میں اس نے اہم کردار ادا کیا۔

CapTrue 1.1

کتاب گھر کی پیشکش

کما ٹر جبریل اس کے ساتھ ہی افغانستان سے آیا تھا.....

دونوں فیضان اوغلو کے ساتھی تھے اور انہوں نے کئی مشن اکٹھے کئے تھے۔ فیضان اوغلو عموماً ان کا کمانڈر ہوتا تھا۔ یوں تو ان کے درمیان کئی قدر مشترک تھیں لیکن سب سے اہم بات جو ان تینوں کو بہت قریب لے آئی، روسی زبان تھی۔ جبریل کا تعلق قفقاز سے تھا اور وہ بھی ایک لمبا سفر طے کرنے کے بعد یہاں تک پہنچا تھا۔

دم رخصت تینوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

لیکن.....

فیضان اوغلو نے ہی ہمت کر کے انہیں ”نی امان اللہ“ کہا۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

☆☆

ہیشیان پہنچنے کے فوراً بعد اس کی دادی نے راجے سے اس کی شادی کر دی۔ راجے نہ صرف شمشیر خان کی خالہ زاد تھی بلکہ دونوں نے تعلیم بھی اکٹھے ہی حاصل کی تھی۔ اکٹھے ہی پلے بڑھے تھے اور سارے خاندان کو اس بات کا علم تھا کہ وہ ایک دوسرے کے لیے کیسے جذبات رکھتے ہیں۔ شادی کے دس ماہ بعد ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں نوری عطا کی تھی۔

نخعی منی ہی نوری جب قاضی خاندان کی دانی نے اس کے پھیلے ہوئے ہاتھوں پر ڈالی تو نہ چاہتے ہوئے بھی خان اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ۔

<http://kitaabghar.com>

<http://kitaabghar.com>

اسے آج تک اس بات کی سمجھ نہیں آئی کہ وہ اس کے کیوں رو دیا تھا۔ وہ اس کے لیے اس کی Capture and PDF by Qamar Abbas کی طرح پال پوس کر جوان کیا تھا۔ اس نے پیار سے ہلکی چپت اس کے گال پر رسید کرتے ہوئے کہا۔

”بس بڑا مجاہد بنا پھرنا ہے۔ اتنی سی خوشی برداشت نہیں کر پایا.....“

اور.....

شمشیر خان بے ساختہ ہنس دیا۔

گاؤں کی طرف جاتے ہوئے ایک ایک بھولی بھری یاد زندہ ہجڑی طرح اس کے سامنے تن کر کھڑی ہو جاتی.....

سوا سال بعد اپنے گاؤں کی طرف آتے ہوئے اسے نجانے کیوں محسوس ہوا جیسے وہ کسی اجنبی راستے کی طرف جا رہا ہے۔

ایک لمحے کے لیے وہ رک سا گیا۔ وہ راستہ نہیں بھولا تھا۔ وہ ٹھیک راستے پر جا رہا تھا۔ اس کا ایک ایک قدم اسے گاؤں کے قریب تر لا رہا تھا۔ لیکن نوری کا جاں فزا تصور تھا۔ جس نے ایک لمحے کے لیے اس کے قدم روک دیئے تھے۔ اسے سوا سال پہلے کی دو شام یاد تھی جب گاؤں سے رخصت ہوا۔ اس لمحے اس نے اپنی اماں اور اپنی بیوی راتے کی طرف دیکھا تھا اس کی اماں اور اس کی بیوی سمجھ گئی تھیں کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔ کس چیز کی تلاش میں ہے۔

CapTrue 1.1

”نوری سو رہی ہے“

راتے نے آہستہ سے کہا تھا۔

”آج جلدی سو گئی۔“

اماں نے کہا تھا۔

اس نے سوچا تھا کہ وہ جانے سے پہلے نوری کو خوب پیار کرے گا۔ اسے سینے سے لگائے۔ اس کو ہسائے گا، لیکن نوری آج جلدی سو گئی

تھی۔ ”میں اسے لاتی ہوں۔“ راتے نے کہا تھا۔ ”نہیں۔ سونے دواسے جاگ گئی تو پھر دیر تک روتی رہے گی۔“

اس نے نجانے کیوں کہہ دیا۔

شاید وہ اس لمحے نوری کی نیند خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔

☆☆

گاؤں سے کچھ دور ہی اچانک وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ رات کے اندھیرے میں وہ روی آرمنڈ پرسنل کی ریز کو اچھی طرح دیکھ سکتا تھا جو

سامنے سے اچانک نمودار ہوئے تھے۔

ان حالات میں اس کے لیے گھر کی طرف سفر جاری رکھنا ممکن نہیں تھا۔ دل پر چتر رکھ کر وہ اپنے ٹھکانے کی طرف واپس لوٹ آیا۔ آرمنڈ

پرسنل کی روانگی قریب دو گھنٹے بعد ممکن ہوئی اور وہ دوبارہ تیز قدموں سے گاؤں کی طرف چل دیا۔



صبح کا اجالا چھوٹ رہا تھا۔ Capture and PDF by: Qamar Abbas

☆☆

چھوٹے چھوٹے ہموار پہاڑوں والے اس علاقے کو سب، ناشپاتی اور انگور کے باغات نے اس طرح ڈھانپ دیا تھا کہ بعض جگہ تو سورج کی کرنیں بھی چٹوں سے چھن کر اندر آتی تھیں۔ بڑے مختلط قدموں سے وہ چلتا چلا جا رہا تھا اور اب گاؤں کے داغے کے راستے پر کھڑا حیرت سے اپنے گاؤں کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ یہ ٹنڈ منڈ درختوں والا گاؤں کیا اس کا ہے؟ درختوں کو کس نے جلایا؟..... ان کی سرسبز ٹہنیاں کیسے سوکھ گئیں۔

پہلے تو اسے یونہی لگا جیسے وہ راستہ بھٹک کر اس طرف آ نکلا ہے لیکن گاؤں کی مسجد کے ایک مینار کو جو بچانے روی جہازوں کی بمباری سے کیسے محفوظ رہ گیا تھا دیکھ کر اسے یقین کرنا پڑا کہ یہ واقعی اسی گاؤں ہے۔

شمشیر خان کا دل دھک سے رہ گیا۔ اب اسے احساس ہوا کہ رواں گئی پر اچانک اس کا دل بو جھل کیوں ہو گیا تھا۔

مسجد سے اذان کی آواز سنائی دے رہی تھی لیکن بہت دھیمی..... شاید لاؤڈ سپیکر کے بغیر کوئی مسجد کے صحن میں اذان دے رہا تھا۔

CapTrue 1.1  
اپنے پر زمین نے اس کے پاؤں جکڑ لئے۔ ہستے ہستے گھر کی جگہ کھنڈرات کا ایک ڈھیر دکھائی دے رہا تھا جس کے ایک کونے پر موجود آوارہ کتے اسے اچانک وہاں دیکھ کر پہلے تو حیرانگی سے ان کی طرف دیکھتے رہے پھر دم دبا کر بھاگ نکلے۔

”شمشیر“

پشت سے آنے والی آواز نے اسے چونکا دیا۔

گردن موڑ کر اس نے دیکھا تو اپنے عقب میں بوڑھے عیس محمد کو پایا۔

”تو نے بہت دیر کر دی بیٹا..... اب یہاں کچھ نہیں بچا۔“

”چچا! یہ! یہ سب؟“

اس کی آواز بھرا آگئی۔

بوڑھے عیس محمد نے اسے گلے لگا لیا۔

نہیں بیٹا..... تم بڑی بہادر ماں کے بیٹے ہو..... تمہیں رونا زیب نہیں دیتا۔“

عیس محمد نے کہا۔

دونوں مسجد میں آگے جہاں بمشکل دس بارہ بوڑھے نمازی موجود تھے۔ یہاں اسے علم ہوا کہ دس بارہ روز پہلے روی افواج نے ان علاقوں پر کریک ڈاؤن کیا تھا۔ پہلے جہازوں نے ارد گرد کے قریب دس بارہ دیہاتوں پر مسلسل بمباری کی جس کے بعد روی ٹینکوں نے گولے برسائے اور جب انہیں یقین ہو گیا کہ چنگن مجاہدین کے ان دیہاتوں میں زمین پر حرکت کرنے والی کوئی شے زندہ باقی نہیں رہی تو وہ گاؤں میں گئے اور ان زمینوں

Capture and PDF by: Qamar Abbas

کو جو ابھی تک نجانے کیوں زندہ تھے مارنا شروع کر دیا۔ گاؤں کے چند بوڑھے بچے مارا جاتا تھا۔ یہ معجزہ تھا یا پھر وہیں کی طرف سے نشانِ عبرت بنا کر چھوڑ دیے گئے بوڑھے۔ تاکہ وہ گروزی سے واپس لوٹنے والے مجاہدین کو یہ بتا سکیں کہ ان کے گھر باریکے تباہ ہوئے؟

نصفی نوری، راتے، اماں کوئی بھی تو باقی نہیں بچا تھا؟

نجانے کیوں اس نے ٹکڑرات بنے اپنے مکان کی اینٹیں اور ٹکڑیوں کے تختے ایک طرف ہٹا کر شروع کر دیئے تو بوڑھے عیسٰی محمد نے اسے منع کیا پھر اس کے ساتھ ہی اس کام پر جت گیا۔  
اس خاک کے ڈبیر سے کیا برآمد ہوتا؟

گھر کا ٹونا چھوٹا سامان، مسخ شدہ تین لاشیں..... جو ناقابلِ شناخت ہو چکی تھیں..... کسی نہ کسی طرح گاؤں کے بوڑھوں کی مدد سے اس نے مسخ شدہ لاشوں کو دفن کیا۔ وہ سب کسی مشینی عامل کی طرح اس کا ساتھ دے رہے تھے۔  
شام ڈھل رہی تھی جب اس نے اپنی ماں کی قبر پر مٹی ڈالی۔

CapTrue 1.1

”یہ نام صبح ہونے سے پہلے یہاں سے نکل جاؤ۔ اب بھی کوئی نہ کوئی غشی پارتی اس طرف آتی ہے..... وہ جانتے ہیں کہ اس گاؤں سے جانے والے مجاہدین کبھی نہ کبھی لوٹ کر آئیں گے۔“  
شمشیر خان پتھر لی آٹکھوں سے عیسٰی محمد کو دیکھتا رہا۔

اب باقی بوڑھے بھی عیسٰی محمد کے ساتھ اس کی منت سماجت کر کے یہاں سے جانے کی تلقین کر رہے تھے۔  
اچانک ہی اس کی آنکھیں بھلگ گئیں.....

اسے اپنے دادا کا گیت یاد آ گیا جو اکٹڑہ گنگٹاپا کرتا تھا.....

ہم شیشان کے شیر ہیں۔

ہم اللہ کے سپاہی ہیں۔

ہم گروزی کے بیٹے ہیں۔

کوئی ہمیں فتح نہیں کر سکتا۔

اس نے بے ساختہ گیت گنگٹاپا شروع کیا اور تمام بوڑھے کورس کی صورت اس کا ساتھ دینے لگے۔ امام شامل جھنجھوڑھے جیروکاروں کی آواز میں نجانے کیا چھپا تھا کہ سارے مناظر اس گیت کا حصہ بننے لگے۔

اچانک ہی شمشیر خان اٹھ کر کھڑا ہو گیا.....

”میں چلتا ہوں چچا..... کمانڈر جبریل میرے منتظر ہوں گے۔ ہم گرو زنی جا رہے ہیں..... آخری معرکہ لڑنے..... شاید وہاں میں نوری، راجے اور اپنی اماں کا قرض چکا دوں۔“

وہ چل دیا.....

بوڑھے اس کی پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ گاؤں کے باہر تک وہ اسے چھوڑنے آئے تھے۔ انہوں نے باری باری افلکیر ہو کر اس کو دعاؤں کے ساتھ رخصت کیا۔ جب شمشیر خان انہیں خدا حافظ کہہ کر سوئے منزل چلا تو بوڑھے عیس محمد کے لڑتے ہونٹوں سے ہیشانی گیت پھسل رہا تھا

ہم ہیشان کے شیر ہیں

ہم اللہ کے سپاہی ہیں

ہم گرو زنی کے بیٹے ہیں

کوئی ہمیں فتح نہیں کر سکتا

CapTrue 1.1

یہ سب سے دھکے باغات کی شمال کی طرف سے آنے والی ہواؤں پر تیرتا یہ گیت اس کے ساتھ ساتھ گرو زنی کی طرف گامزن تھا۔

طارق اسماعیل ساگر

مارچ 2001ء لاہور



## زیر بلاستر

عمران سیریز سلسلے کا ایک اور خوبصورت ناول، مظہر کلیم کے باصلاحیت قلم کی تخلیق۔ اس ناول میں نہ صرف علی عمران ہے بلکہ کرنل فریدی بھی اپنی تمام تر صلاحیتوں کے ساتھ عمران کے مقابل آکھڑا ہوا ہے۔ ان دو عظیم جاسوسوں کا خوفناک تصادم پڑھنے کے لیے آپ کتاب گھر پر ناول سیکشن وزٹ کیجئے۔